ماہنامہ
حنا
عید نمبر-2

انشاء نامہ

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! ستمبر 2014ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

گزشتہ کئی دنوں سے جاری سیاسی بحران کی وجہ سے ملکی معاملات بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ معشیت درہم برہم ہے۔ لگتا ہے ہر چیز منجمند ہو چکی ہے۔ ڈالر کی قدر بڑھ کر سو روپے سے اوپر ہو گئی ہے۔ کاروبار ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ لوگ اس انتظار میں ہیں کہ دیکھئے اس بحران کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ پورے ملک میں روزمرہ زندگی کے معاملات مکمل طور پر تعطل کا شکار ہیں۔ حالات متقاضی ہیں کہ فریقین دانشمندی سے کام لیں اور اس سیاسی بحران کا حل جلد از جلد نکالیں۔ اب جب یہ سطور رقم کی جا رہی ہیں تو خدا کا شکر ہے کہ تمام فریقوں نے حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے مذاکرات کا آغاز کر دیا ہے۔ دیکھیں اب مذاکرات کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ مارچ کرنے والے خالی ہاتھ واپس نہیں جائیں گے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ان کے تمام مطالبات تسلیم کر لئے جائیں۔ اس لئے کوئی درمیانی راستہ اختیار کر کے ہی اس ڈیڈ لاک کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ فوج نے بھی یہی مشورہ دیا ہے کہ سب لوگ اپنے رویے اور سوچ میں لچک پیدا کریں تا کہ مسئلے کے قابل قبول حل تک پہنچا جا سکے۔ ہماری نظر میں فوج کے ترجمان کے بیان میں چھپی ہوئی تنبیہ کو بھی سمجھنا چاہیے کہ اگر سیاسی قوتوں نے اس بحران کا حل کرنے کے لئے مل بیٹھ کر سنجیدہ کوشش نہ کی اور بحران اسی طرح جاری رہا تو مجبوراً فوج کو حالات پر قابو پانے کی کوشش کرنا ہوگی اور اگر ایسا ہوا تو یہ جمہوریت کے لئے بہت خطرناک ہوگا۔

برسی:۔ 17 ستمبر کو میری اہلیہ مرحومہ کی تیسری برسی منائی جا رہی ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ مرحومہ کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے رب العزت سے دعا کریں۔

اس شمارے میں:۔ ایک دن حنا کے ساتھ میں ملیے عزہ خالد سے، اُم مریم اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناول، معصومہ منصور اور فرح طاہر کے مکمل ناول، سباس گل، سندس جبیں اور عظمیٰ شاہین کے ناولٹ، مصباح نوشین، قرۃ العین خرم ہاشمی، مریم ماہ منیر، سیمیں کرن اور عابی ناز کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

حلقہ مہر میں بھی پردہ مہتاب میں بھی
کیا عجب حسن ہے جو گم ہے میرے خواب میں بھی

جب سفینہ کوئی ہوتا ہے رواں اس کی طرف
لہر اٹھتی ہے اچانک مرے اعصاب میں بھی

وہ کہ رکھتا ہی نہیں کوئی خدوخال اپنے
میں نے اوروں میں دیکھا اسے احباب میں بھی

میں خریدار ہوا بھی تو بھلا کس کا ہوا
وہ جو ارزاں میں بھی موجود ہے نایاب میں بھی

رنگ افسردہ کشکول بھی وہ دست بدست
طوق در طوق دمکتا ہے زرناب میں بھی

سننے والوں نے سنا ہے اسے عاصم اکثر
شور منبر میں بھی خاموشی محراب میں بھی

لیاقت علی عاصم

نعت رسول مقبول ﷺ

نام در نام مٹی جاتی ہے امت مددے
اے قریشی لقب و ہاشمی نسبت مددے

دھوپ ہے اور بہت بے سرو سامانی ہے
آیہ حق مدد دے ، سایہ رحمت مددے

آسمانوں سے مسلسل یہ بلاؤں کا نزول
کوئی نیکی مددے ، کوئی عبادت مددے

چشم و مژگاں بھی دھواں سینہ و دل بھی تاریک
مطلع نور خدا ، مہر نبوت مددے

اپنے ہی رنگ سے بے عکس ہے چہروں کا ہجوم
مرجع خوش نظراں آئینہ صورت مددے

اب کوئی غیر نہیں اپنے مقابل ہم ہیں
اے صف آرائے احد حسن قیادت مددے

لیاقت علی عاصم

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

سید اختر ناز

عرب دور جاہلیت میں

دور جاہلیت میں عرب اپنی فطری صلاحیتوں اور بعض عادات واخلاق میں تمام دنیا میں ممتاز تھے، فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، آزادی وخودداری ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی، شہسواری وشجاعت میں وہ بے بدل تھے، عقیدہ کے پرجوش صاف گو اور جری حافظہ کے قوی مساوات بے تکلفی اور جفاکشی کے عادی ارادہ کے پکے زبان کے سچے، وفاداری اور امانت داری میں ضرب المثل تھے۔

لیکن انبیاء اور ان کی تعلیمات سے دوری اور ایک جزیرہ نما میں صدیوں سے مقید رہنے کی وجہ سے اور باپ دادا کے دین اور قومی روایات پر سختی سے قائم ہونے کا سبب وہ دینی و اخلاقی حیثیت سے بہت گر چکے تھے، چھٹی صدی میں زوال اور انحطاط کے آخری نقطہ پر تھے، کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا اور اس میں دنیا کے امام تھے، اخلاقی واجتماعی امراض ان کے معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہے تھے، مذہب کی اکثر خوبیوں سے وہ محروم اور جاہلیت کی زندگی کی بدترین خصوصیتوں میں مبتلا تھے۔

عرب میں ہر گھر کا بت جدا تھا جس کی گھر والے پرستش کرتے تھے، جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا تو روانگی کے وقت گھر پر اس کا آخری کام یہ ہوتا کہ اپنے بت کو حصول برکت کے لئے چھوتا اور جب سفر سے واپس آتا تو گھر پہنچ کر پہلا کام یہ کرتا کہ اپنے بت کو تبرکاً ہاتھ لگاتا۔

کسی نے تو ایک بت خانہ بنا رکھا تھا، کسی نے بت تیار کرلیا تھا، جو بت خانہ نہیں بنا سکتا تھا یا بت نہیں تیار کرسکتا تھا وہ حرم کے سامنے ایک پتھر گاڑ دیتا یا حرم کے علاوہ جہاں بہتر سمجھتا پتھر گاڑ کر اس کے گرد اس شان سے طوائف کرتا جس طرح بیت اللہ کے گرد طواف کیا جاتا ہے، ان پتھروں کو وہ انصاف کہا کرتے تھے اور اگر اچھی قسم کا پتھر مل جاتا تو وہ پہلے پتھر کو پھینک کر اس نئے پتھر کو لے لیتے اور اگر پتھر نہ پاتے تو مٹی کا ایک ڈھیر بناتے اور اس پر بکری کو لا کر دوہتے پھر اسی کا طواف کرتے۔

مشرکوں کو ہر زمانہ اور ہر ملک میں جو حال رہا ہے، وہی حال عرب کا تھا، ان کے متعدد اور مختلف معبود تھے جن میں فرشتے، جن ستارے سب شامل تھے، فرشتوں کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے ان سے شفاعت کے طلب گار ہوتے، ان کی پرستش کرتے اور ان کو وسیلہ بناتے، جنوں کو اللہ کا شریک کار سمجھتے، ان کی قدرت اور اثر اندازی پر ایمان رکھتے اور ان کی پرستش کرتے۔

اخلاقی اعتبار سے ان کی اندر بہت سی بیماریاں پائی جاتیں تھیں، شراب عام طور سے پی جاتی اور ان کی گھٹی میں پڑی تھی، شراب کی دکانیں عام تھیں اور علامت کے طور پر ان دکانوں پر جھنڈا لہراتا، جوا بہت بڑائی اور خوبی کی بات تھی اور اس میں شرکت نہ کرنا بزدلی کی علامت تھی، زمانہ جاہلیت میں ایک شخص اپنے گھر بار کو داؤ پر رکھ دیتا، پھر حیرت سے اپنے گئے ہوئے مال کو دوسروں کے ہاتھ میں دیکھتا، اس سے نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکتی اور جنگوں کی نوبت آتی، حجاز کے عرب اور یہودی سودی لین دین اور سود در سود کا معاملہ کرتے، اس سلسلے میں بڑی بے رحمی اور سخت دلی کے مظاہرے کرتے۔

عورت کے ساتھ ظلم وبدسلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی، اس کے حقوق پامال کیے جاتے، اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے، وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصہ نہ پاتی، شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کرسکے، دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وارثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی، مرد تو اپنا پورا پورا حق وصول کرتا لیکن عورت اپنے حقوق سے مستفید نہیں ہوسکتی تھی، کھانے میں بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو مردوں کے لئے خاص تھیں اور عورتیں ان سے محروم تھیں، لڑکیوں سے نفرت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ انہیں زندہ دفن کرنے کا بھی رواج تھا، بعض ننگ وعار کی بنا پر بعض خرچ و مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرتے، عرت کے بعض شرفا اور روسا ایسے موقعوں پر بچیوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچاتے، مصعصہ بن ناجیہ کا بیان تھا کہ اسلام کے ظہور کے وقت میں تین سو زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو فدیہ دے کر بچا چکا تھا، بعض اوقات کسی سفر یا مشغولیت کی وجہ سے لڑکی سیانی ہوجاتی اور دفن کرنے کی نوبت نہ آتی، تو ظالم باپ دھوکہ دے کر اس کو لے جاتا اور بڑی بے دردی سے زندہ دفن کر دیتا، اسلام لانے کے بعد بعض عربوں نے اس سلسلے میں بڑے اندوہناک اور رقت انگیز واقعات بیان کیے ہیں۔

عرب کے سفاکانہ اعمال میں سب سے زیادہ بے رحمی وسنگ دلی کا کام معصوم بچوں کو مار ڈالنا اور لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا تھا کیونکہ لڑکیاں شرم وعار کا باعث سمجھی جاتی تھیں۔

اہم خصوصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کتاب (قرآن پاک) اس علانیہ دعوے کے ساتھ پیش کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے، اس کتاب کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یقینی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کوئی آمیزش نہیں ہوئی ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا کوئی قول بھی اس میں شامل نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کو اس سے بالکل الگ رکھا گیا ہے، بائبل کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے حالات اور عربوں کی تاریخ اور زمانہ نزول قرآن میں پیش آنے والے واقعات کو اس میں کلام الٰہی کے ساتھ غلط ملط نہیں کر دیا گیا، یہ خالص کلام اللہ (WORD OF GOD) ہے، اس کے اندر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا ایک لفظ بھی شامل نہیں ہوا ہے، اس کے الفاظ میں سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے جوں کا توں یہ ہمارے زمانے تک منتقل ہوا ہے، یہ کتاب جس وقت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونی شروع ہوئی تھی، اسی وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے لکھوانا شروع کر دیا تھا، جب کوئی وحی آتی اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا جاتا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطمینان کر لیتے تھے کہ کاتب نے اسے صحیح لکھا ہے، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے

محفوظ جگہ رکھ دیتے تھے، ہر نازل شدہ وحی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاتب کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے کس سورہ میں کس آیت سے پہلے اور کس کے بعد درج کیا جائے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن پاک کو ترتیب بھی دیتے رہے تھے، یہاں تک کہ وہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

پھر نماز کے متعلق آغاز اسلام ہی سے یہ ہدایت تھی کہ اس کے نزول کے ساتھ ساتھ اس کو یاد کرتے جاتے تھے، بہت سے لوگوں نے اسے پورا یاد کر لیا اور ان سے بہت زیادہ بڑی تعداد ایسے صحابہ کی تھی، جنہوں نے کم وبیش اس کے مختلف حصے اپنے حافظے میں محفوظ کر لئے تھے، ان کے علاوہ وہ متعدد صحابہؓ جو پڑھے لکھے تھے، قرآن کے مختلف حصوں کو بطور خود لکھ بھی رہے تھے، اس طرح قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں محفوظ ہو چکا تھا۔

پس یہ ایک نا قابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ آج جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے، یہ لفظ بہ لفظ وہی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلام اللہ کی حیثیت سے پیش فرمایا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تمام حافظوں اور تمام تحریری نسخوں کو جمع کر کے اس کا ایک مکمل نسخہ کتابی صورت میں لکھوایا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں اسی کی نقلیں سرکاری طور پر دنیائے اسلام کے مرکزی مقامات کو بھیجی گئیں، ان میں سے وہ نقلیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں، ایک استنبول میں دوسری تاشقند میں، جس کا جی چاہے قرآن مجید کا کوئی مطبوعہ نسخہ لے جا کر ان سے ملا لے، کوئی فرق نہ پائے گا اور فرق ہو کیسے سکتا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ہر پشت میں لاکھوں اور کروڑوں حافظ موجود رہے ہیں، ایک لفظ بھی اگر کوئی شخص بدلے تو یہ حفاظ اس کی غلطی پکڑ لیں گے، پچھلی صدی کے آخر میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی کے ایک انسٹی ٹیوٹ نے دنیائے اسلام کے مختلف حصوں سے ہر زمانے کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے قلمی اور مطبوعہ بیالیس ہزار نسخے جمع کیے تھے، پچاس سال تک ان پر تحقیقی کام کیا گیا، آخر میں جو رپورٹ پیش کی گئی وہ یہ تھی کہ ان نسخوں میں کتابت کی غلطیوں کے سوا کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ یہ پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی تک کے نسخے تھے اور دنیا کے ہر حصے سے فراہم کیے گئے تھے، افسوس کہ دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی پر بمباری کی گئی تو وہ انسٹی ٹیوٹ تباہ ہو گیا لیکن اس کی تحقیقات کے نتائج دنیا سے ناپید نہیں ہوئے۔

ایک اور بات قرآن کے متعلق یہ بھی نگاہ میں رکھیے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوا تھا، وہ ایک زندہ زبان ہے، عراق سے مراکو تک کروڑوں انسان آج بھی اسے مادری زبان کی حیثیت سے بولتے ہیں اور غیر عرب دنیا میں بھی کروڑوں افراد اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، عربی زبان کی گرامر، اس کی لغت، اس کے الفاظ کے تلفظ اور اس کے محاورے چودہ سو برس سے جوں کے توں قائم ہیں، آج ہر عربی داں اسے پڑھ کر اسی طرح سمجھ سکتا ہے جس طرح چودہ سو برس پہلے کے عرب سمجھتے تھے۔

یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اہم خصوصیت جو ان کے سوا کسی نبی اور کسی پیشوائے مذہب کو حاصل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے

[نو]ع انسانی کی ہدایت کے لئے جو کتاب ان پر [نا]زل ہوئی تھی، وہ اپنی اصل زبان میں اپنے [اص]ل الفاظ کے ساتھ بلاتغیر وتبدل موجود ہے۔

[ا]رشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ کا ہاتھ جماعت کے اوپر ہوتا ہے جو [جم]اعت سے الگ ہوگا وہ آگ میں جا پڑے گا۔

بھائی سے مراد مسلمان بھائی ہے، ظالم کی [مد]د اس طرح کہ اسے ظلم سے روکا جائے۔

مظلوم کی بددعا سے ڈرو، اس لئے کہ اس کی [بد]دعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

انسان اپنے بھائی کے سبب بہت کچھ بن [جا]تا ہے، یعنی زیادہ لگتا ہے۔

اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے [(]لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور سب سے [پہ]لے اسے دو جس کی تم پر ذمہ داری آتی ہے۔

بہترین کمائی کرنے والا وہ مزدور ہے جو نیکی [دیانتدار]ی سے محنت کرے۔

جب تم میں سے کوئی کام کرے تو اسے پختہ [ط]ریقے سے انجام دے۔

اللہ کے نزدیک بہترین کام وہ ہے جس [مے]ں باقاعدگی ہو۔

کسی قوم کی زبان سیکھ لو، اس کے شر سے [م]حفوظ ہو جاؤ گے۔

مومن وہ ہے جسے اپنی برائی سے افسوس ہو [ا]ور اپنی نیکی سے مسرت حاصل ہو۔

دو آدمیوں کا کھانا تین کے لئے اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے۔

فراخی وخوش حالی کی امید رکھنا بھی عبادت [ہ]ے۔

انسان کے اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ وہ [ف]ضول باتوں کو چھوڑ دے۔

لوگوں کو تم دولت سے اپنا گرویدہ نہیں کر سکو گے، اس لئے انہیں اپنے اخلاق سے گرویدہ کرو۔

دو نعمتیں ایسی ہیں جن سے بہت سے لوگ محروم ہوتے ہیں، صحت وفراغت۔

اگر تم بولنے کی بہترین صلاحیت کے مالک ہو تو ان صلاحیتوں کو اپنے اس بھائی کی ترجمانی میں صرف کرو جو گفتگو پر قادر نہیں تو یہ بھی صدقہ ہے۔

بھلائی تو بہت ہے مگر اسے کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔

نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔

دل کا اندھا پن سب سے بڑا اندھا پن ہے۔

راستوں میں مت بیٹھو، اگر بیٹھنا ہی ہو تو پھر نظریں جھکا کر رکھو، سلام کا جواب دو، بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھاؤ اور کمزور کی مدد کرو۔

اگر انسان کے پاس دو سونے کی وادیاں بھی ہوں تو وہ تیسری وادی کا طلب گار بن جائے گا۔

جس کا کھانا بہت ہو، اس کی بیماری بہت ہو اور جس کی غذا کم ہو اس کی دوا کم ہو۔

دو چہروں والا (منافق) اللہ کے نزدیک کبھی معزز نہیں ہو سکتا۔

ایمان میں وہی کامل ترین ہے مومن، جو اخلاق میں سب سے بہتر ہے۔

مومن تو اپنے حسن اخلاق سے، روزہ دار اور نماز گزار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

زبان کی تیزی سے بڑھ کر انسان کو کوئی بری چیز نہیں دی گئی۔

دنیا اور اس کی زینت کے بارے میں فرمایا، موسم بہار جو کچھ اگاتا ہے، اس میں ایسے

پودے بھی ہوتے ہیں جن کے کھانے سے جانوروں کے پیٹ پھول جاتے ہیں اور وہ مر جاتے ہیں۔

بحران کا شدت اختیار کرنا اس کا حل ہوتا ہے۔

مومن کی مثال شہد کی مکھی سی ہے جو پاکیزہ کھاتی ہے اور شہد کی شکل میں پاکیزہ کھلاتی ہے۔

عمل کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔

جھوٹ کے ثبوت کے لئے یہ کافی ہے کہ انسان جو کچھ سنے اس کو بیان کرتا پھرے۔

جس نے لوگوں کو شکریہ ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکریہ بھی ادا نہ کیا۔

فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مشورہ کر لینے کے بعد کوئی انسان تباہ نہیں ہوگا۔

مجھے بلند اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا۔

متکبر کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے۔

چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ہر نیکی صدقہ ہوتی ہے۔

انسان کا حسن اس کی زبان میں پوشیدہ ہے۔

دین اخلاص و خیر خواہی کا نام ہے۔

بھلائی کا راستہ بتانے والا اس کے کرنے والے کی طرح ہے۔

امیری دل کی امیری ہے۔

اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

مانگنا ذلت ہے۔

اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

ظلم قیامت کے دن تاریکی ہی تاریکی ہو گا۔

جس سے مشورہ لیا جاتا ہے، وہ امین ہوتا ہے۔

مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔

طاقتور مومن، کمزور مومن سے بہتر ہے۔

آدمی کی جنت اس کا گھر ہوتا ہے۔

ندامت بھی توبہ ہے۔

شر کا دامن چھوڑ دینا بھی صدقہ ہے۔

ایک اور امتحان سامنے آیا

بدر کا معرکہ ایثار اور جانبازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر اور ایک نیا امتحان بن کر سامنے آگیا تھا کیونکہ اس سے پہلے مکہ کا شاید ہی کوئی مسلمان ہوگا جو رضائے الہٰی کی خاطر ظلم وستم کے دو پاٹوں کے درمیان گندم کی طرح پیسا نہ گیا ہو۔

اس جسمانی تشدد کے بعد ان پر دوسرا امتحان آیا اور یہ مال، کاروبار، تجارت، گھر بار، اعزہ واقرباء اور وطن کی محبت سے دستبرداری اور سب علائق سے دامن جھاڑ کر مکہ کی سرزمین کو خیرباد کہنا اور مدینہ کی جانب ہجرت کرنا تھا۔

اور اب معرکہ بدر کی صورت میں ایک اور امتحان سامنے آیا۔

جو لوگ سچے مومن تھے، انہوں نے فی الواقع سب کی آنکھوں کے سامنے ان تمام رشتوں کو کاٹ پھینکا جو اللہ کے دین کے ساتھ ان کے تعلق میں حائل ہوئے۔

☆☆☆

ابن انشاء

اجازت نہیں دی جاسکتی

شاید ہی کوئی دن جاتا ہوگا جب آپ اخبار میں اس قسم کی خبریں یا اعلانات نہ دیکھتے ہوں۔

”کسی کو ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔“

”تاجروں کو ملاوٹ اور گراں فروشی کی اجازت نہیں دی جائے گی۔“

”شہریوں کو سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر گندگی پھیلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔“

”فحش فلمیں دکھانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔“ وغیرہ۔

ہم نے تو ایک بار تجویز بھی کیا تھا کہ جس طرح اخباروں میں ”ضرورت رشتہ“ کرائے کے لئے خالی ہے وغیرہ کے کلاسیفائڈ کالم ہوتے ہیں، ایک مستقل کالم ”اجازت نہیں دی جائے گی“ کے عنوان سے بھی ہونا چاہیے، عوام وہ صفحہ تلاش کر کے معلوم کرلیا کریں گے کہ آج کس چیز کا ناغہ ہے، یعنی آج کس چیز کی اجازت نہیں ہے لیکن ہماری بات اس ملک میں سنتا ہی کون ہے؟

ایسے سادہ لوحوں کی ہمارے ملک میں کمی نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں جس نے جب جی چاہا، ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، حکومت سے بالکل اجازت نہ لی، جب جی چاہا شہر میں گندگی پھیلا دی، جب جی چاہا فحش فلمیں دکھانی شروع کردیں حالانکہ ان اعلانات کی عبارت ہی سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ساری باتیں باقاعدہ اجازت کی محتاج ہیں، بعضوں کی اجازت کے لئے مطبوعہ فارموں پر درخواست دینی پڑتی ہے، بعضوں کے لئے سادہ کاغذ پر درخواست دے سکتے ہیں، چونکہ عوام الناس کو درخواستیں لکھنے اور دینے کا طریقہ معلوم نہیں ہوتا، اس لئے ان کی رہنمائی کے لئے ہم نمونے کی چند درخواستیں درج ذیل کرتے ہیں۔

مسودہ بنانے میں منشی اللہ دتا عاجز عرائض نویس کی مدد اور رہنمائی کا اعتراف کرنا ضروری ہے، منشی جی جیسا کہ تخلص سے ظاہر ہے ایک خوشگوار شاعر بھی ہیں ضلع کچہری کے برآمدے میں آپ ان سے اراضی کے جھگڑوں، شادی کے تنازعات، لین دین کے قصوں غرض یہ کہ ہر قسم کے مقدموں کے سلسلے میں مشورہ لے سکتے ہیں، عرضیاں بھی لکھوا سکتے ہیں، ان کے شعر بھی بن سکتے ہیں اور ان کا حقہ بھی پی سکتے ہیں۔

مضمون عرضی

دوبارہ دو ٹکڑے ٹکڑے کرنے ملک کے

حضور فیض گنجور جناب صدر مملکت بالقابہ جناب عالی

ہم دستخطیان ذیل کہ اس ملک کے مشہور ملک دشمن سیاست دان ہیں، اس ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ یہ ملک خاصا بڑا ہے، کسی بڑی طاقت کے حلق سے سالم نہیں اتر سکتا، فدویان کو تخریب کاری کا پرانا اور خاندانی

تجربہ ہے اور ہمیں غیر ملکی ماہرین کا تعاون بھی حاصل ہے۔

مزید التماس ہے کہ فدویان کو بیمار ہونے کی اجازت بھی دی جائے، علاج کا مرحلہ فدویان خود طے کرلیں گے اور اس کے لئے اس ملک کے ڈاکٹروں کو جو پہلے ہی عوام کی خدمت میں مصروف ہیں، تکلیف نہ دیں گے۔

اجازت

برائے گندہ کردن کوچہ ہائے شہر

جناب عالی

ہم شہریان کراچی درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں شہر کی سڑکوں اور فٹ پاتھوں کو گندہ کرنے کی اجازت دی جائے، جناب والا! ہماری ساری خرابیوں کی جڑ مغرب کی اندھی تقلید ہے، یہ لوگ ابن انشاء وغیرہ جو ولایت ہو آتے ہیں وہاں کی صفائی کا نہ صرف پرچار کرنے لگتے ہیں بلکہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ یہاں کے لوگ بھی ویسے ہی ہو جائیں، اپنی تہذیب اور روایات کو چھوڑ دیں، سڑکوں پر پھلوں کے چھلکے نہ پھینکیں، فٹ پاتھوں پر پیشاب نہ کریں۔

حضور والا! آپ سے یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ اسلامی ملکوں میں کہیں صفائی کا رواج نہیں، پاکستان میں صفائی کا التزام اس کلچرل اتحاد اور رابطہ باہمی میں رخنہ پیدا کرسکتا ہے جو ہند کے ساحل سے لے کرتا بخاک کاشغر موجود ہے۔

علاوہ ازیں جناب والا! آپ خود ہی انصاف کریں کہ ہم سڑکوں پر چھلکے نہ پھینکیں تو اور کیا پھینکیں، اس قوم کے پھینکنے کے لئے اور رہ ہی کیا گیا ہے اور اگر فٹ پاتھوں پر پیشاب نہ کریں تو اور کیا کریں۔

چہ کند بے نوا ہمیں وارد

حضور والا! کچھ لوگ چین کا حوالہ بھی دیتے ہیں، چین ہمارا مخلص دوست ہے اور اس کے ہم پر بہت احسان ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ہر معاملے میں چین کی تقلید کریں۔

وہاں کیمونزم رائج ہے، کیا ہم اپنے ہاں بھی رائج کریں؟

وہاں صفائی کا خیال رکھا جاتا ہے، ہم بھی رکھنا شروع کردیں؟

وہاں چوری نہیں ہوتی، ہم اپنے ہاں بھی چوری کا رواج ختم کردیں؟

ان کو ان کا نظام زندگی مبارک ہو، ہمیں اپنا نظام حیات عزیز ہے، چین سے ہماری دوستی کی بنیاد ہی یہی ہے کہ ہم اس سے کچھ نہیں سیکھیں گے، اس کی کوئی بات اختیار نہیں کریں گے، اس دوستی کے پائیدار ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔

درخواست

برائے اجازت ملاوٹ وغیرہ

جناب والا!

ہم دکاندان غلہ منڈی بڑے ادب سے ملتمس ہیں کہ ہم کو کھلے بندوں ذخیرہ اندوزی، گراں فروشی اور ملاوٹ کی اجازت دی جائے۔

جناب والا! آپ خود انصاف فرمائیں کہ اگر ہم گراں فروشی نہ کریں گے تو خود کیا کھائیں گے؟ بچوں کو کیا کھلائیں گے؟ اور پولیس کو کیا کھلائیں گے؟ ذخیرہ اندوزی کا فلسفہ یہ ہے کہ غلہ انمول چیز ہے ہر کہ دمہ کے لئے نہیں ہوتا، کسی نے خوب کہا ہے۔

نہ کھاتے دانہ گندم نہ نکلتے خلد سے باہر

حضور والا! اس مصرعے کا وزن آپ خود ٹھیک کر لیجئے یا حبیب اختر صاحب علیگ سے کرا لیجئے یہ کہ راشننگ کے محکمے میں ہیں، ہم غلہ تولتے

وقت وزن ٹھیک نہیں رکھ سکتے، یہ تو شعر و شاعری ہے۔

جناب والا! ملاوٹ کا مطلب ہے ملانا یعنی اتحاد اور ہم آہنگی، ہم اگر آٹے اور ریت، ہلدی، اینٹوں چائے اور چنے کے چھلکوں کے درمیان اتحاد اور ہم آہنگی کو فروغ دیتے ہیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے، یہ تو مستحسن چیز ہے، آج کل جبکہ علیحدگی پسندی زوروں پر ہے، ہر طرف نفاق اور افتراق کی ہوائیں چل رہی ہیں، ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری مساعی کی قرار واقعی حوصلہ افزائی کریں گے، مثلاً عرض کردیں کہ آپ ہم گراں فروشوں اور ملاوٹ کرنے والوں میں بھی سندھی، غیر سندھی، پنجابی اور پٹھان، شیعہ، سنی وغیرہ کی تفریق نہ پائیں گے، ہمارے طبقے کا کوئی آدمی لسانی جھگڑوں میں بھی ملوث نہیں ہوا، ان کو گھی میں چربی اور آٹے میں ریت ملانے سے فرصت ہی کہاں ہوتی ہے کہ کسی سماج دشمن کارروائی میں حصہ لیں۔

التماز متضمن

یہ اجازت برائے فیملی پلاننگ

حضور انور!

ہم دیار پاکستان کے کھٹمنڈو پلٹ خاندانی اور اکسیری حکیم اور عطائی درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں شہریوں کے جان و مال سے کھیلنے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔

جناب والا! اس ملک میں آبادی بہت بڑھ رہی ہے اور فیملی پلاننگ کا محکمہ چنداں کامیاب نہیں رہا چونکہ ہماری قوم کے لئے اس سرے سے فیملی پلاننگ کرنا مشکل ہے اور شاید خلاف شرع بھی ہے لہٰذا دوسرے سرے سے کوشش کرنی چاہیے، حضور والا! آپ پر روشن ہے کہ ہم نے خاندانوں کے خاندانوں کا صفایا کر دیا ہے، مشک آنست کہ خود ببوید کراچی اور لاہور کے وسیع قبرستان ہمارے دعوے کا زندہ ثبوت ہیں، جناب والا! قبرستان کے ساتھ زندہ کا لفظ ہم لطف زبان کے لئے لائے ہیں کیونکہ ہماری سرکار دولت مند کو زبان سے یعنی زبانوں کے مسائل سے بھی گہری اور عملی دلچسپی ہے، یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ ہم زندہ آدمی کو قبرستان میں گاڑ دیتے ہیں۔

جناب والا! ایک دیرینہ مطالبہ ہمارا یہ ہے کہ اگربتیوں اور سنگ مرمر کے اسٹور کھولنے کی اجازت دی جائے تاکہ ہمارے مریضوں کے لواحقین کو دور نہ جانا پڑے، تکلیف نہ ہو۔

اجازت دی جائے شہر کا امن تباہ کرنے کی

حضور والا!

ہم شہر ہذا کے شرپسند، شہر کا امن تباہ کرنے کی اجازت چاہتے ہیں جو ہمیں امید ہے ضرور عطا کی جائے گی۔

جناب والا! حکیم الامت نے فرمایا ہے کہ

پلٹ کر جھپٹنا جھپٹ کر پلٹنا
لہو گرم کرنے کا ہے اک بہانہ

آپ تسلیم کریں گے کہ جس قوم کے لوگ آپس میں نہیں لڑ سکتے، وہ باہر والوں سے کیا لڑیں گے۔

جناب والا! امن کو درہم برہم کرنا ہمارا کاروبار ہے اور روز افزوں گرانی نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی ہے، چاقو اور خنجر مہنگے ہو گئے ہیں اور لاٹھیاں تک کیونکہ بانس مشرقی پاکستان سے آتا تھا، اگر سرکار ہمیں ڈنڈے، چاقو اور ناجائز اسلحہ رعایتی نرخوں پر مہیا کرے تو غریب نوازی یعنی شرنوازی ہوگی۔

☆☆☆

ایک دن حنا کے ساتھ

مہمان عزہ خالد

السلام علیکم!

فوزیہ جی آپ نے کہا "جلد کا مطلب جلد ہی ہونا چاہیے" اور میں حاضر ہوگئی (آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں، ایسے تو حالات نہیں)۔

قارئین پہلے ذرا تعارف ہو جائے، مجھے لکھتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا 2012ء کے شروع میں ایک افسانہ لکھ کر شعاع ڈائجسٹ میں بھیج دیا تھا، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرا پہلا تجربہ ہی کامیاب ہو جائے گا مارچ 2012ء میں میرا پہلا افسانہ شعاع میں شائع ہوا تو مجھے لگا کہ میں لکھ سکتی ہوں، اس کے بعد مختلف ماہناموں میں لکھا، حنا میں لکھنے خیال مجھے 2013ء کے شروع میں آیا، اپنا افسانہ "خدا کرے میری ارض پاک پر اترے" بہت ڈرتے ڈرتے حنا میں بھیجا تھا پتہ نہیں کیا سلوک کیا جائے گا (مار دیا جائے گا چھوڑ دیا جائے گا) پر حنا سے مجھے بہت اچھا رسپانس ملا، حنا سے تعلق زیادہ پرانا نہیں ہے پر اس تھوڑے عرصے میں بھی بہت مضبوط ہو گیا ہے، اس میں فوزیہ شفیق کے پر خلوص اور دوستانہ رویے کا ہاتھ ہے وہ بڑی محبت اور پیار سے حکم دیتی ہیں (میری مجال انکار کرسکوں)

میری روٹین ایک سی نہیں رہتی بدلتی رہتی ہے، جب حوری آئی ہو تو بے حد مصروف اور بھائی چھٹیوں پر آئے ہوں تو ہنستے باتیں کرتے کیسے وقت گزرتا ہے پتہ ہی نہیں چلتا، چلیں آپ کو اپنی فیملی سے طواتی ہوں۔

ہم چار بہن بھائی ہیں سب سے بڑی سسٹر میرڈ ہیں ان کی ایک کیوٹ سی بیٹی حورعین ہے جو ہم سب کی آنکھوں کا تارا ہے اس کے بعد بھائی ہماری ذہین فطین بہن، این ٹی ایس کے ہونے والوں ٹیسٹ میں فرسٹ پوزیشن لی ہے اور سندھ پبلک سروس کمیشن کا ٹیسٹ دے چکی ہیں اور رزلٹ کا انتظار ہے اور اس کے بعد "میں" لائٹ بٹ ناٹ لیسٹ، (کسی تعارف کی محتاج نہیں ہوں) گریجویشن کر چکی ہوں اس سال ماسٹرز میں ایڈمیشن لوں گی (انشاءاللہ)۔

صبح کا آغاز فجر کی نماز سے ہوتا ہے کبھی الارم کی آواز سنتے ہی اٹھ جاتی ہوں تو کبھی موبائل دوہائیاں دیتا رہتا ہے اور میں اصطبل بلکہ پورا جنگل بیچ سوتی رہتی ہوں، میرے علاوہ سب اٹھ جاتے ہیں۔

"عینی الارم آف کرو" یاسمین کی تیز آواز پر میری آنکھ کھلتی ہے الارم آف کر کے دس پندرہ منٹ مزید سونے کے بعد وضو کرنے چل پڑتی ہوں، نماز کے بعد کا ٹائم لکھنے کے لئے بیسٹ ہوتا ہے اس وقت موڈ ہو تو لکھتی ہوں نہیں تو دوبارہ سو جاتی ہوں، ایک دو گھنٹے بعد اٹھتی ہوں ناشتہ کرتی ہوں، ناشتے کے بعد گھر کی صفائی کرتی ہوں، ساتھ ساتھ موبائل چیک کرتی رہتی ہوں۔

"گڈ مارننگ، میسج فجر کے ساتھ آنا شروع ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ دس گیارہ بجے تک چلتا رہتا ہے۔

کام سے فارغ ہونے کے بعد انٹرنیٹ استعمال کرتی ہوں، دو تین آئیڈیاز ہیں جن پر

ناول لکھنا چاہتی ہوں، ان کے متعلق میرا علم محدود ہے اس لئے پروفیسر گوگل سے مدد لیتی رہتی ہوں، آج کل خوب ریسرچ کر رہی ہوں، انشا جی کی "اردو کی آخری کتاب" بھی آج کل زیر مطالعہ ہے فرصت میں پڑھتی ہوں۔

لنچ یاسمین کی ذمہ داری ہے وہ بھی تب تک جب تک اس کا جوائننگ لیٹر نہیں آ جاتا اس کے بعد یہ ذمے داری میرے ناتواں کندھوں پر آ جائے گی میرے ناتواں کندھے اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے لئے بالکل تیار نہیں ہیں (دعا کیجئے گا) کھانے کے بعد ظہر کی نماز پڑھتی ہوں، یاسمین اور امی نماز کے بعد سو جاتے ہیں اور میں اکیلی بے چین روح جاگتی رہتی ہوں، مجھے بچپن سے آج تک دن میں سونے سے چڑ ہے اگر کبھی سو بھی جاؤں تو موڈ آف رہتا ہے بہت چڑچڑی ہو جاتی ہوں، اس لئے دوپہر میں سونے سے گریز کرتی ہوں کوئی بک پڑھ لیتی ہوں، پانچ بجے تک اسٹوڈنٹس آ جاتے ہیں انہیں ٹیوشن پڑھاتی ہوں، کچھ دیر میں سب اٹھ جاتے ہیں تو چائے پی جاتی ہے، ٹی وی زیادہ نہیں دیکھتی کرکٹ سیزن میں میچز دیکھتی ہوں یا پھر پولیٹیکل شوز، ملکی حالات سے باخبر رہنے کے لئے نیوز ضرور سنتی ہوں، بہت محب الوطن ہوں، (میرے افسانوں سے آپ کو میری حب الوطنی کا اندازہ ہو گیا ہوگا)۔

کھانے کے بعد عشاء کی نماز پڑھتی ہوں اور پھر سو جاتی ہوں۔

حوری آئی ہو تو سارا دن اس کی پکچرز اور ویڈیوز بناتی رہتی ہوں، اس کے ساتھ فارسی اور عربی بولتی ہوں، چلانے کی پریکٹس کرتی ہوں، ڈیڑھ سال کی ہونے والی ہے (ماشاءاللہ)

بھائی آئے ہوں تو رات دو ڈھائی بجے تک ہم سب باتیں کرتے رہتے ہیں، بچپن کی شرارتیں یاد کرتے ہیں نت نئے چٹکلے سنائے جاتے ہیں۔

میں لکھنے کے معاملے میں تھوڑی ست ہوں، چار پانچ ناول عرصہ ہوئے شروع کیے ہوئے ہیں بلکہ ایک مزے کی بات بتاؤں، میں نے اپنی پہلی تحریر نائنتھ کلاس میں لکھنا شروع کی تھی وہ آج تک مکمل نہیں کرسکی، اس میں میری اپنی مزاحیہ شاعری بھی موجود ہے، میرا سینس آف ہیومر بہت اچھا ہے (یہ میں نہیں میرے اردگرد رہنے والے لوگ کہتے ہیں بقول یاسمین "تمہاری بات پر بندہ تین دن تک ہنس سکتا ہے" اور میری بیسٹ فرینڈ گل کے بھی کچھ ایسے ہی کمنٹس ہوتے ہیں) میں جتنی نان سیریس ہوں اس سے کئی گناہ زیادہ سنجیدہ اور موڈی بھی ہوں، حالات و وقعات کا بہت باریک بینی سے مشاہدہ کرتی ہوں امت مسلمہ کی حالت زار پر بہت افسوس ہوتا ہے مجھے "خون مسلم کا بہنے پر چپا کیوں کہرام نہیں"

میں چالیس پینتالیس سالہ خاتون جتنی سنجیدہ بھی ہو جاتی ہوں ویسے گھر والوں کے خیال میں انتہائی کیئرلیس ہوں، (ان کا خیال اتنا غلط بھی نہیں ہے)

مذہب سے بہت لگاؤ ہے مجھے، میرا ایمان ہے جو سر اس کے آگے جھک جائے تو اسے پھر کہیں نہیں جھکنے دیتا، اللہ اپنے بندوں کو بھی تنہا نہیں چھوڑتا، دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی بس اسی میں ہے کہ اس سر کو بس ایک در پر جھکا لیا جائے، یقین کیجئے پھر کبھی کسی دوسرے در پر جھکنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

اب اجازت دیجئے، دعاؤں میں یاد رکھیے گا، اپنا خیال رکھیے گا۔

☆☆☆

پینتیسویں قسط کا خلاصہ

پرنیاں کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے، اسی اہم موقع پہ زنیب اور جہان کا نکاح ہو جاتا ہے معاذ کی پرنیاں سے غلط فہمی بھی اسی موقع پہ دور ہوتی ہے، اک عرصے بعد شاہ ہاؤس کے مکین پھر سے خوشیوں کا منہ دیکھتے ہیں مگر زینب کا رویہ جہان کو الجھانے ہی نہیں پریشان کرنے کا بھی باعث ہے۔

تیمور زینب کو جہان کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیتے اسے اپنے مکروہ ارادوں کے مطابق چلانے کی کوشش میں کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

جہان زینب کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے مگر زینب تیمور کی دھمکیوں سے ہراساں اس کی ہر کوشش کو ناکامی کا منہ دکھاتی ہے۔

جہان کو ژالے کی طرف سے پریگننسی کی خبر اگر خوشی دیتی ہے تو اس کی جان لیوا بیماری بھی ہر پل مضطرب کیے رکھتی ہے۔
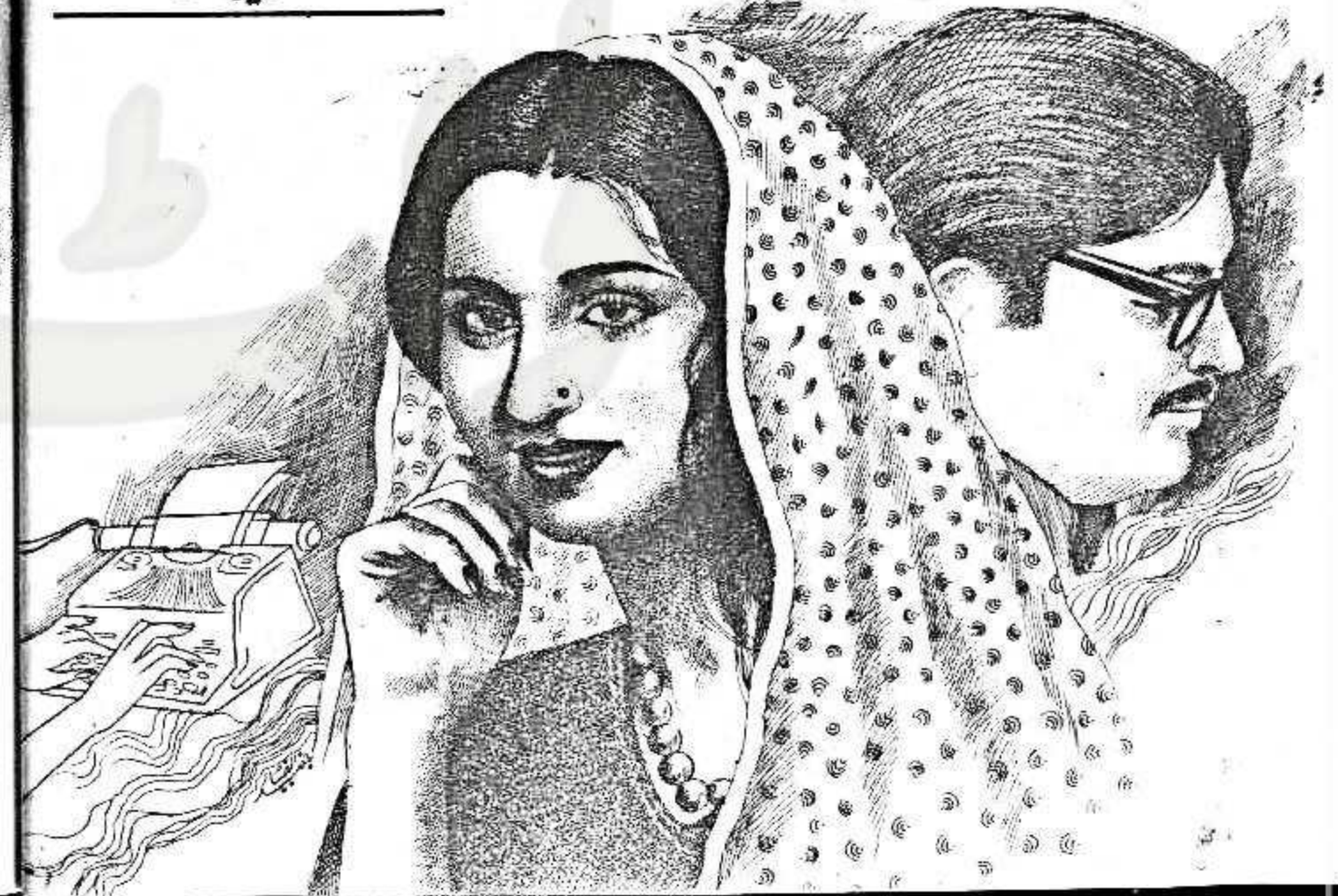
اب آپ آگے پڑھیے

چھتیسویں قسط

زیاد نے کہا تھا، جس کا جو دل چاہے سمجھے یا سمجھائے اور زینب کو صاف لگا تھا جہان کی نظریں اسے کیا کیا سمجھانا چاہ رہی ہیں، اس کی مسکراہٹ میں کتنا شریر تاثر تھا اور نگاہوں میں کتنی گہرائی نگاہ اٹھائے بھی اس کی اندر تک اترتی نظروں نے اسے نروس کر چھوڑا تھا، جبھی وہ جزبز ہو کر بولی، بہانہ نوریہ کے ساتھ جا کے چائے بنانے کا تھا، جہان کی نگاہوں کے جتلاتے انداز نے دروازے تک اس کا پیچھا کیا تھا، پھر یہیں پہ اکتفا نہیں ہوا وہ کچن میں بھی آ کر اس کے سر پہ سوار ہو گیا تھا۔

پڑھ کے غزل ہماری وہ پہلو بدل کر بولی
کوئی قلم چھینے اس سے یہ تو جان لے چلا ہے

''ایسی ہی بات ہے نا؟'' وہ اسے زور سے کاندھا مار کر بولا تھا، زینب کے لئے اس کا یہ روپ بہت حیران کن اور انوکھا تھا۔

''خوش فہمی کی حد ہے لوگوں کو، ویسے یہ حرکتیں سوٹ نہیں کر رہیں آپ پہ۔'' وہ جل کر یہی کہہ سکی۔

''پھر بھاگ کیوں آئی وہاں سے، معاذ کے الفاظ بھلے تھے مگر ترجمانی ہمارے جذبوں کی ہی ہو رہی تھی۔'' وہ اس شد و مد سے کہہ رہا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو ج؟ اچھے خاصے میچور تھے آپ۔'' اس نے جیسے واقعی اسے شرم دلانا چاہی تھی، جہان کی ہنسی چھوٹنے لگی۔

''اس سے پہلے ہمیں عشق تھوڑی ہوا تھا، یہ تو چند دن قبل کی بات ہے، بقول شاعر۔''

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ آدمی تھے ہم بھی بڑے کام کے

''آپ جائیں یہاں سے ورنہ میں رعایت نہیں کروں گی سمجھے ہیں آپ؟''

''تم نے رعایت کی کب ہے، محبت کا اظہار کر دیا زبانی بھی اور عملاً بھی، مگر تم......''

''ج...... پلیز ایسی فضول باتیں مت کریں مجھ سے۔'' وہ چیخ پڑی، مگر جہان نے اثر نہیں لیا تھا۔

کچھ بھی ہو میں تو الزام تمہیں دوں گا
تم معصوم بہت ہو مگر توبہ تیری آنکھیں

وہ اس پہ جھکا تھا جبکہ زینب جو جنید بھائی کو اندر آتے دیکھ چکی تھی، گھبرا کر اسے زور سے پیچھے دھکیلا وہ لڑکھڑا کر جنید بھائی سے ہی ٹکرایا تھا، جنید بھائی زور سے کھنکارتے چلے گئے، یہ بھی ایک سگنل تھا گویا اسے اپنی موجودگی کی آگاہی بخشنے کا، زینب تو اتنی خجل ہوئی کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہاں سے نکل بھاگی تھی، اب جہان رہ گیا تھا جنید بھائی کا سامنا کرنے کو، جن کی حیران نگاہوں پہ خفیف ہوتے اس نے سر کھجایا۔

''پتر مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تو بھی پبلک پلیس پہ اسے سین کری ایٹ کر سکتا ہے، کھلم کھلا رومانس اور وہ بھی تیرے جیسا بندہ......'' جہان نے آگے بڑھ کر پہلے ان کے منہ پہ ہاتھ جما کر انہیں روکا پھر سر کھجا کر بولا تھا۔

''وہ ایکچوئیلی میں زینب سے پوچھ رہا تھا، چائے کب تک بنے گی۔'' اس نے ملتجی نگاہ سے جنید بھائی کو زبان بندی کی گزارش کرتے ہوئے صفائی بھی پیش کی۔

''آف کورس پہلے انہیں عشق تھوڑی ہوا تھا، وہ تو ابھی ہوا ہے اور اہم بات یہ کہ دو دو بیویوں کی موجودگی میں ایسی بے احتیاطی تو معمولی بات ہے، کیوں جہان؟'' بھابھی نے بھی اندر قدم رکھ کر شوہر کی شرارت میں اپنا حصہ ڈالا تو جہان نے ٹھنڈا سانس بھر کے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

☆☆☆

معاذ نے جس وقت بیڈ روم میں قدم رکھا رات کے بارہ بج رہے تھے، لائٹ آن تھی اور وہ بیڈ کے بیچوں بیچ گہری نیند کی آغوش میں تھی، نیلی ساڑھی کا پلو ڈھلک گیا تھا، آدھی سے بھی کم بازوؤں کے بلاؤز میں اس کی گداز شفاف کلائیاں موی شمعوں کی طرح سے جگمگاتی نظر آ رہی تھیں، سیدھے بے انتہا ریشمی بال سیاہ مخمل کی طرح اس کے سینے سے ہو کر بستر پہ دور تک بکھرے ہوئے تھے۔

ایک بازو بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا، دوسرا گال کے نیچے تھا، آج وہ چلہ نہائی تھی، جبھی یہ خصوصی اہتمام تھا، معاذ نے اس دن کا جتنی شدت سے انتظار کیا تھا، پرنیاں نے اسی حساب سے تیاری میں دل لگایا تھا، وہ آہستگی سے مسکرایا اور اس کی کلائی نرمی سے اٹھا کر پہلو میں رکھی پھر اسی نرمی اور محبت سے اس کے بال سمیٹ کر تکیہ سر کے نیچے رکھ رہا تھا، جب پرنیاں کی آنکھ کھل گئی تھی، وہ پہلے حیران ہوئی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

آپ کی گہری نیند کا منظر بھی کتنا حسین ہوتا ہے
تکیہ کہیں زلفیں کہیں اور خود کہیں

معاذ مسکرایا تھا، پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر لبوں سے چھوا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو جان معاذ۔'' پرنیاں جھینپ گئی تھی، اس کی پلکوں پہ حیا آمیز سرخی چھانے لگی۔

''پتہ ہی نہیں چلا کب آنکھ لگ گئی، ورنہ میں انتظار کر رہی تھی آپ کا۔''

''اٹس او کے یار...... میں ہرگز جلاد ٹائپ شوہر نہیں ہوں جو اس معمولی بات کو انا کا مسئلہ بنا کر فساد کھڑا کر لوں۔''

''ہاں مجھے پتہ ہے اب آپ میرے ساتھ کبھی نہیں جھگڑیں گے۔'' وارڈ روب کے آگے کھڑی ہو کر وہ اس کے کپڑے نکالتے ہوئے کس قدر شریر ہو کر بولی۔

''میں نے تو پہلے بھی جھگڑا نہیں کیا تھا، جھگڑا آپ نے کیا تھا جناب۔'' معاذ نے پیچھے سے آ کر اس کے گرد بازو نرمی سے حمائل کر دیئے۔

''چلیں میں اپنے فقرے کی تصحیح کر لیتی ہوں کہ اب میں آپ سے کبھی جھگڑا نہیں کروں گی۔''

''پیار میں لڑائی نہ ہو تو مزا نہیں آتا، روٹھو گی نہیں تو مناؤں گا کیسے، مناؤں گا نہیں تو شدت کی محبت کا

اظہار کیسے ہوگا؟'' معاذ کے لہجے میں شرارت تھی، پرنیاں زچ ہوکر رہ گئی۔

''یعنی طے یہ ہوا لڑائی ضروری ہے۔''

''چھوٹی موٹی معمولی سی۔'' معاذ نے مسکراہٹ دبائی تھی، پرنیاں نے کاندھے جھٹکے اور اس کے کپڑے اسے تھمائے۔

''جایئے، ہاتھ لے لیں، میں کھانا گرم کرتی ہوں۔''

''آپ کے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہوں، حالانکہ مما خفا ہورہی تھیں۔'' اس نے مسکین سی صورت بنا لی۔

''افوہ یار کھالیا ہوتا، مما ٹھیک خفا ہورہی تھیں۔'' معاذ نے ڈانٹا تو پرنیاں نے شرارت سے اسے دیکھا تھا۔

''مجھ سے آپ کے بغیر نہیں کھایا گیا، عادتیں خراب کردی ہیں میری۔''

''یعنی کہ محبت کا آغاز ہورہا ہے، دیٹس گریٹ۔'' وہ ہنسنے لگا پرنیاں جھینپ گئی تھی۔

''عدن کہاں ہے؟'' معاذ ہاتھ لے کر تولیے سے بال خشک کرتا باہر آیا تو پرنیاں کھانے کی ٹرالی سمیت منتظر تھی۔

''مما کے پاس۔'' پرنیاں نے پلیٹ میں بریانی نکالتے ہوئے جواب دیا تھا، معاذ حیران رہ گیا۔

''ان کے پاس کیوں؟ ٹھہرو میں لے کر آتا ہوں، تنگ نہ کررہا ہو انہیں۔''

''وہ خود لے کر گئی ہیں معاذ، کہہ رہی تھیں آج اپنے ساتھ سلائیں گی۔'' پرنیاں نے جھکی پلکوں کے ساتھ بتایا تو معاذ کی حیرت دوچند ہوگئی تھی، پھر گہرا سانس بھر کے مسکرایا۔

''آج انہیں پوتے پہ زیادہ پیار آرہا ہوگا۔''

''بالکل یہی خیال ان کا آپ کے بارے میں تھا، جبھی لے کر گئیں ہیں کہ ڈسٹرب نہ کرے۔'' پرنیاں نے جھینپ کر دبے ہوئے لہجے میں کہا تو معاذ کی آنکھیں حیرت سے واہوگئی تھیں۔

''کیا مطلب ہے میں سمجھا نہیں؟'' وہ واقعی الجھا ہوا نظر آرہا تھا، پرنیاں نے ہونٹ کا کنارا دانت سے دبا کر لمحہ بھر کو اسے دیکھا۔

''آپ نے اس دن کا اتنا شور مچایا ہوا تھا، کہ سب مجھے اتنا چھیڑ رہے تھے، بھابھی تو مجھے نورس کر رہی تھیں شادی والا جوڑا پہن کر تیار ہوں، باقاعدہ دلہن بنانا چاہ رہے تھے سب مجھے۔'' وہ جھینپی جھینپی سی ساری بات بتارہی تھی، معاذ کا ہنستے ہنستے برا حال ہونے لگا۔

''آپ کو کیا ضرورت تھی سب کے سامنے ایسا کہنے کی؟'' وہ عاجز ہوئی، معاذ نے اسے اپنے ساتھ لگا کر بغور اسے دیکھا۔

''تمہیں برا لگا؟'' پرنیاں نے فی الفور سر کو نفی میں ہلا دیا۔

''نہیں، مگر وہ سب کچھ زیادہ ہی چھیڑ رہے تھے مجھے۔''

''اوکے یار اب انہیں اپنے ارادوں سے باخبر نہیں کروں گا، ٹھیک؟ اور سنو دلہن تو میں تمہیں پھر سے واقعی بنواؤں گا مگر اس دن جب گولڈن نائٹ منانے کا ارادہ ہوگا، ابھی نہیں۔'' معاذ کے جواب پہ پرنیاں کے چہرے پہ صرف حیا نہیں الجھن بھی اتری تھی۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ ہے میری جان کہ ابھی ہم ہنوز وصال یار کے خواب ہی دیکھ سکتے ہیں، آپ مکمل طور پہ صحت یاب جو نہیں ہوئیں اور پری...... مجھے تمہاری زندگی کی تمہاری صحت کی بہت پرواہ ہے۔'' اس کا ہاتھ ہونٹوں سے بہت جذب سے چھوتے ہوئے معاذ نے اسے یکا یک بہت خاص بنا دیا تھا، اس نے بتایا تھا کہ وہ جذبات میں بہکنے والا انسان نہیں تھا۔

''آپ مجھ سے خفا تو نہیں ہیں نا معاذ؟'' پرنیاں نے مطمئن ہوتے ہوئے بھی کسی خدشے کے تحت پوچھا تھا۔

''میں تم سے کبھی خفا نہیں ہوسکتا پری، جن سے ہمیں محبت ہو، ان کی کیئر کرنا ہماری ذمہ داری یا فرض نہیں دل کی خوشی اور طمانیت کے لئے ضروری ہے، کیا سمجھیں؟''

''تھینک یو معاذ، آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔'' پرنیاں کچھ اس طور پہ ممنون ہوئی کہ اس کے سینے سے سر ٹیک کر جذبات سے مغلوب آواز میں بولی تھی۔

''یار اچھا بھلے ہوں مگر فرشتہ ہرگز نہیں، اتنے قریب آنے میں خدشات پیدا ہوسکتے ہیں، وجہ صرف میری محبت نہیں ہوگی زیادہ کام تمہارا حسن خراب کرے گا، بقول شاعر۔''

حسن ہر بار شرارت میں پہل کرتا ہے
بات بڑھ جاتی ہے تو پھر عشق کے سر جاتی ہے

وہ بظاہر مسمسی شکل بنا کر بولا تھا مگر لہجے میں جو معنی خیز شرارت تھی اس نے پرنیاں کو کانوں کی لوؤں تک سرخ کردیا تھا۔

''بہت بدتمیز ہیں آپ؟'' پرنیاں نے حیا سے جلتے چہرے کے ساتھ سرعت سے اس سے الگ ہوتے ہوئے خفیف سی خفگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے کاندھے پہ اپنی جھینپ مٹانے کو کئی گھونسے جڑ دیئے تھے۔

''ہائیں ہائیں، ابھی تو تم مجھے کہہ رہی تھیں اچھا ہوں یہ پھر......''

''اچھا بس کھانا کھائیں۔'' پرنیاں نے اسے گھورا تھا۔

''اچھا ظالم بیوی، آپ کا حکم سر آنکھوں پہ۔'' وہ ٹھنڈا سانس بھر کے کھانے کی سمت متوجہ ہوا تب پرنیاں نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

☆☆☆

میری آنکھوں میں نئے خواب بسانے آئے
پھر سے جگنو میرے کمرے میں سجانے آئے
اک مدت سے میرے دل میں یہی خواہش ہے
تیری خوشبو میری سانسوں میں سمانے آئے
تو کسی روز میرے نام کا آنچل اوڑھے
تو کسی روز میرا ساتھ نبھانے آئے
آؤ تعمیر کریں پیار کا اک تاج محل

اس سے پہلے کہ ہجر ہم کو رلانے آئے
بیٹھ جاتا ہوں ہر روز سر راہ گزر
جانے کس روز کوئی مجھ کو منانے آئے

اس سے کچھ فاصلے پہ زیاد موجود تھا اک کرسی پہ نیم دراز دوسری پہ ٹانگیں رکھے، کان سے سیل فون لگا ہوا تھا، وہ اتنے جذب سے نوریہ کے ہی گوش گزار کرسکتا تھا کچھ، یہ جہان کو یقین تھا مگر انتخاب بہت اعلیٰ تھا، اس کے لبوں کی تراش میں مہکتی ہوئی مسکان آٹھہری، گھٹنوں پہ کھلی فائل پہ اس کی توجہ نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی، سرسبز لان پہ گہرا سایہ اتر آیا تھا، سورج کا سرخ گولہ پردہ مغرب میں غروب ہونے کو تھا، ماحول میں اسی کا نارنجی رنگ پھیلتا جارہا تھا، کسی درخت پہ بیٹھی کوئل کی آواز بھی ماحول کا حصہ بنی ہوئی تھی، مگر سب سے حسین منظر کچھ فاصلے پہ فوارے کے گرد کھڑی وہ تینوں لڑکیاں تھیں، زینب ژالے اور پرنیاں وہ تینوں اس قدر حسین اور دلکش تھیں کہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ان میں زیادہ حسین کون تھی اور بقول جنید بھائی ''وہ'' وہ خوش قسمت تھا، جسے دونوں بیویاں بے مثال اور لاجواب ملی تھیں، اسی سوچ نے اس کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

''یہ چپکے چپکے کیوں مسکرایا جارہا ہے جناب؟'' زیاد فون بند کر چکا تھا جبھی اس پہ گرفت کرلی تھی۔

''دو دو بیویاں ہیں اور وہ بھی نگاہ کے سامنے، وہ بھی ایک سے بڑھ کر خوبصورت اس پہ ایسا اتفاق، ماشاء اللہ یہ نہیں مسکرائیں گے تو کیا ہم جیسے جن کی اک ہی بڈھی وہ بھی بس......'' جنید بھائی نے پھر سے تان اڑائی تھی، جہان نے گہرا سانس بھرا، جبکہ زیاد اسے چھوڑ کر ان کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

''میں بھابھی کو بتاتا ہوں آپ انہیں بڈھی کہہ رہے ہیں اور یہ بھی کہ وہ حسین نہیں ہیں اور یہ بھی کہ وہ موٹی اور بھدی بھی......''

''اوئے اوئے اللہ کے بندے تجھے اللہ ہی سمجھے، کہیں مجھ سے بددعا نہ لے لینا کہ تیرا کبھی ویاہ نہ ہو، بڈھی کا مطلب بیوی ہے اور یہ دوسری باتیں کب کی میں نے؟'' جہان کے سیل پہ کال آرہی تھی، وہ فون اٹھائے انہیں الجھتا چھوڑ کر وہاں سے اٹھ گیا۔

''السلام علیکم!'' اس نے کال ریسیو کی تھی۔

''وعلیکم السلام! شاہ صاحب کیسے ہیں آپ؟'' دوسری جانب بڑا چہک کر پوچھا گیا تھا، جہان الجھ کر رہ گیا۔

''سوری میں آپ کو پہچان نہیں سکا۔''

''مسٹر شاہ آپ اگر میری جان بوجھ کر ہر بار تذلیل کرتے ہیں تو یہ بہت غلط بات ہے، نیلما ہوں میں۔'' وہ ایک دم تنک کر بولتی چلی گئی۔

''آئی سی، اگر اتنی ایگو ہے آپ میں تو ذلیل ہونے کا شوق کیوں بار بار چراتا ہے آپ کو؟'' جواباً معاذ کا بھی لہجہ طنز آمیز ہو گیا تھا۔

''ہماری تو مجبوری ہی ایسی ہے، دل لگ گیا ہے آپ سے، آپ ابھی تک نہیں سمجھے۔'' وہ آہ بھر کے بولی، جہان کی پیشانی پہ ناگواری کی لکیریں ابھرنے لگیں۔

''دیکھئے محترمہ میں آپ کو بتا چکا ہوں میں ایسا آدمی نہیں ہوں، سمجھ کیوں نہیں آتی آپ کو۔'' بری

طرح سے جھنجھلاہٹ کا شکار ہوتا ہوا بے حد تلخی سے بولا تھا۔

''آپ مجھ سے ملیں، بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہوں آپ سے۔'' اس دوران ژالے اس جانب چلی آئی تھی، جہان کو غصے میں پا کر اشارے سے وجہ پوچھی تھی۔

''اگر میری بیوی کو پتہ چل گیا تم اتنے عرصے سے مجھے تنگ کررہی ہو تو گلا دبا سکتی ہے وہ تمہارا۔'' جہان کو اتنا ہی غصہ آیا تھا کہ وہ تلخی سے کہہ گیا تھا، دوسری جانب نیلما ہنستی چلی گئی، جہان جھلا کر سلسلہ کاٹ دیا، اس کا یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا تھا وہ اس کی شادی کے متعلق سن کر پیچھے ہٹ جائے گی۔

''کون تھی؟''

''ہے کوئی خر دماغ، عجیب کھسکی ہوئی عورت ہے۔'' جہان نے اسی غصے سے بھرے ہوئے جواب دیا تھا۔

''عورت ہے لڑکی نہیں؟'' ژالے نے شرارت سے آنکھیں نچائیں۔

''شادی کرنا چاہتی ہے مجھ سے۔'' جہان نے جھلاتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں تو کرلیں، ابھی ایک کیا دو کی مزید گنجائش ہے، انصاف کرنا تو خوب آتا ہے آپ کو، عیاشی مفت میں، ثواب الگ۔'' زینب نے پاس سے گزرتے ہوئے یہی بات سنی تھی، رک کر کسی قدر تیکھے انداز میں مشورے سے نوازا اور آگے بڑھ گئی، جہان کا چہرا غصے اور طیش سے جل اٹھا تھا، وہ اس کے پیچھے جانے لگا تھا مگر ژالے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اس کا بازو پکڑ لیا تھا، جہان نے پلٹ کر اسے دیکھا، اس کے چہرے پہ صرف گھبراہٹ نہیں التجا بھی تھی۔

''پلیز شاہ اٹس اوکے۔'' جہان نے ہونٹ یوں بھینچ لئے جیسے خود پر ضبط کرنا چاہ رہا ہو۔

''وعدہ کریں شاہ آپ انہیں بعد میں بھی اس بات پہ ہرگز نہیں ڈانٹیں گے۔'' وہ ملتجی ہو کر کہہ رہی تھی، جہان نے جواباً اسی کو گھورا تھا۔

''مجھ سے فضول قسم کے وعدے نہ لینے بیٹھ جایا کرو۔''

''شاہ پلیز۔'' وہ لمحوں میں آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی، جہان یہیں بے بس ہوا تھا۔

''اوکے تمہارے طفیل بخش دیا اس کو ورنہ......''

''اچھا جانے دیں نا پلیز۔'' ژالے نے اسے پھر سے غصے میں آتے دیکھ کر نرمی سے ٹوکا۔

''آج تمہیں چیک اپ کو جانا تھا یاد ہے تمہیں؟ میں نماز پڑھ کر آؤں تو تیار ملو مجھے۔'' جہان نے اپنا سیل چارجنگ کے لئے اس کے ہاتھ پہ رکھتے ہوئے گویا تاکید کی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہے، زینی آپا کو بھی بخار ہے، انہیں بھی ساتھ لے چلتے ہیں۔'' ژالے کی بات پہ جہان خفیف سا چونکا تھا، ان دنوں وہ ژالے کی باری کی وجہ سے اس کے ساتھ ہوتا تھا جبھی زینب کے مزاج یا پھر حالات کے بارے میں کچھ خاص آگاہی نہیں تھی۔

''کہہ کر دیکھ لینا، مشکل ہے آمادہ ہو، دوا تو اس نے زیاد یا پھر معاذ سے لے لی ہوگی نا؟'' جہان نے اس پہ یہ معاملہ چھوڑ دیا تھا، نماز پڑھ کے واپس آیا تو ژالے کمرے میں نہیں تھی، اس نے سیل فون کی چارجنگ چیک کی تو نگاہ میں ان باکس میں آنے والا نیا پیغام آگیا۔

''جہانگیر صاحب جتنی جلدی ممکن ہو سکے مجھ سے ملیں، فراق کی گھڑیاں اب وصال میں بدلنے کی

خواہش ہے، کیا مجھے کہنا پڑے گا کہ اب اور صبر نہیں ہوتا۔" جہان کی پیشانی جل اٹھی تھی، اس نے سخت غصے میں آتے اس وقت پیغام ضائع کر دیا تھا، اس عورت کی بے باکی نے اسے متعدد بار مرد ہو کر شرم سے پانی پانی کر ڈالا تھا۔

"چلیں...... تیار ہیں آپ؟" ژالے کی آواز پہ اس نے مڑ کے دیکھا، زرد کلر کی فراک جس کے گلے پہ سورج مکھی کے پھولوں سے بنی خوبصورت سی لیس نیم دائرے میں لگی بہار دکھا رہی تھی اس کی گردن کو مزید نمایاں کر کے دکھا رہی تھی، وہ دوپٹہ اتار کر چادر اوڑھ رہی تھی، جہان کی نگاہوں کو محسوس کر کے اس کا چہرا گلابی ہونے لگا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟" وہ شرمائی تھی، پلکیں جھک کر عاضوں پہ لرزنے لگیں۔

"تم خود کو پہلے سے بہتر فیل کرتی ہو نا ژالے؟ تمہیں وہ پین ہوتی ہے؟" جہان درمیانی فاصلہ گھٹا کر اس کے نزدیک آ گیا تھا، اس کے انداز میں سوال میں ایک عجیب سی بے تابی اور اضطراب کا عنصر نمایاں تھا، ژالے نے پلکیں اٹھا کر اسے کچھ دیر دیکھا تھا۔

"میں ان چار پانچ سالوں کے بعد ان کچھ مہینوں سے خود کو بہتر بہت بہتر محسوس کرنے لگی ہوں شاہ، ورنہ یہ اتنی شدید بیماری ہے کہ اس میں مریض ہر لمحہ اس تکلیف سے بے چین رہتا ہے میں عادی ہو کر بھی عادی نہیں ہو پا رہی تھی مگر اب...... اب جیسے کوئی جادو چھانے لگا ہو، مجھے لگتا ہے جیسے دھیرے دھیرے یہ تکلیف کا احساس میرے وجود سے اپنے پنجے نکال رہا ہو، اس کی کیا وجہ ہے مجھے نہیں پتہ، مگر میں خوش ہوں، شاہ میں چاہتی تھی مجھے کم از کم اتنی مہلت مل جائے کہ ہمارا بچہ اس دنیا میں آ جائے...... اک بات کہوں شاہ؟"

"ضرور جناب اجازت کی کیا ضرورت ہے۔" جہان کا موڈ ایک دم سے خوشگوار ہو گیا تھا، جبھی اس کی ناک پکڑ کر زور سے دبائی تھی۔

"اگر مجھے کچھ ہو گیا نا ہمارا بچہ جو ہو گا اسے ممی کو دے دیجئے......" جہان نے اس کے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"تمہیں کچھ نہیں ہو گا ژالے، اپنی بدلتی کیفیت سے بھی تمہیں اندازہ نہیں ہوا کیا؟" جہان کو ٹوکنے پہ نہیں وہ اس کے الفاظ پہ حیران نظر آنے لگی تھی۔

"میں سمجھی نہیں شاہ۔"

"ایک یقین ہوتا ہے ایک ایمان ہوتا ہے ژالے، یقین کی پختگی میں کہیں کوئی دراڑ ہو سکتی ہے مگر ایمان میں نہیں، مجھے اپنے اللہ کی رحمت پہ ایمان کی حد تک ہی یقین ہے، میں نے تمہیں کہا تھا نا میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا، میں نے اللہ سے اپنے لئے تمہیں مانگا، میں نے پڑھا تھا، دعا مانگو تو ایسی جو فرشتے کے پر جیسی ہو، جب میں نے دعا مانگی چاہی تو مجھے سمجھ نہیں آ سکی تھی فرشتے کے پر جیسی کیسی دعا ہو گی، میں نے فرشتے کے پر کا تصور کیا تو مجھ پہ منکشف ہوا فرشتہ نور سے بنا ہوا ہے اور نور روشنی ہے، روشنی یعنی ہر شے کو واضح کر دینے والا احساس، جس میں کچھ بھی چھپا نہ ہو، یعنی کوئی شک کوئی کھوٹ نہیں، ژالے میں نے اسی عقیدے اسی یقین کے ساتھ دعا مانگی کہ اللہ کے لئے تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہے نا، بس یہی عقیدہ تھا اور وسیلہ میں نے درود پاک کو بنایا "آب کوثر" کے مطالعہ سے مجھ پہ منکشف ہوا تھا کہ بہت

سے لاعلاج بیماریوں کے مریض درود پاک کے وظیفہ سے اس بیماری سے چھٹکارا پانے میں کامیاب ہوئے تھے، بس میں نے بھی اللہ کو اسی طرح سے منانے کا سوچ لیا تھا، جبھی تمہیں اپنے اندر جو تبدیلی جو بہتری محسوس ہو رہی ہے اس کی وجہ یہی ہے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ۔"

ورد درود پاک میں کرتا چلا گیا
بگڑا ہوا جو کام تھا بنتا چلا گیا
ان کے حضور جب سر تسلیم خم کیا
پھر اپنا سر اٹھا کے میں چلتا چلا گیا

"میں اور کیا کہوں سوائے اس کے کہ یہ میرے اللہ کا کرم ہے اور بس۔" جہان کی آنکھیں عقیدت اور تشکر کے احساس سے گیلی ہو رہی تھیں، ژالے جو ایک تحیر کا جہان آنکھوں میں آباد کیے استعجاب بھرے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی، جیسے موم بن کر اس کے قدموں میں ڈھیر ہونے لگی۔

"شاہ...... شاہ آپ اتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے۔" وہ اس کے ساتھ لگ کر سسک اٹھی تھی، جہان نے اسے نہایت نرمی کے ساتھ اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تمہیں شک کیوں ہے ژالے میری محبت پہ۔"

"شک نہیں، میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی۔" وہ بے اختیار سسک اٹھی۔

"کون کس قابل ہے اس کا فیصلہ کرنا ہمارا نہیں اللہ کا کام ہے ژالے، وہ جسے چاہے نواز دے۔" جہان نے اس کا چہرا اٹھایا اور بہت محبت اور توجہ سے اس کے اشک چننے لگا۔

"آج مجھے اپنی خوش بختی پہ کوئی شک باقی نہیں رہا، میں خدا کی بھی شکر گزار ہوں جس نے مجھے بلاشبہ میری اوقات سے بڑھ کر عطا کیا ہے، شاہ یہ حقیقت ہے کہ میں نے صرف آپ کو پا کر ہی خود کو مکمل سمجھنا شروع کر دیا تھا مگر اصل تکمیل تو آج ہوئی ہے میری۔" وہ بے حد جذب سے کہتی چلی گئی تھی، جہان بس اس کی خوشی اس کے اطمینان کو مسکراتی لو دیتی نظروں سے دیکھتا رہا تھا، ژالے کو خود ہی اس قربت کا احساس ہوا تو قدرے جھینپ کر اس سے فاصلے پہ ہوئی۔

"ہمیں باہر دیر ہو جائے گی، ہو سکتا ہے تب تک زینی آپا سو جائیں، آپ پہلے ان کی طبیعت معلوم کر آئیں شاہ۔"

"کیوں وہ ساتھ نہیں چل رہی؟ تم تو کہہ رہی تھیں......" جہان نے شرارت بھرے انداز میں کہتے بات ادھوری چھوڑ دی تو ژالے خفت زدہ سی ہو کر مسکرائی تھی۔

"انہیں تیز بخار ہے، کہہ رہی تھیں باہر جانے کی ہمت نہیں، دوا تو وہ معاذ بھائی سے لے چکی ہیں۔"

"واقعی یہی کہا تھا زینی نے؟" جہان نے پھر اسے چھیڑا، یعنی شرارت کو طول دیا تھا۔

"آپ بال کی کھال کیوں اتار رہے ہیں؟ اگر وہ مجھے ڈانٹتی ہیں غصہ دکھاتی ہیں تو میں نہیں مائینڈ کرتی اس بات کو، آپ کو اپنی فکر کرنی چاہیے، سنا ہے ڈانٹ تو ان سے آپ کو بھی پڑتی ہے۔" ژالے نے اب کے اس کی ٹانگ کھینچی تھی، جہان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اس کی اتنی جرأت نہیں ہے محترمہ، بہت غلط سوچ ہے آپ کی۔"

"یہ مان اور جرائتیں ہمیں محبت عطا کرتی ہے شاہ، جہاں محبت ہو گی وہیں یہ حسین رنگ ملیں گے،

میں نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا آپ سے اس انداز میں بھی بات کروں گی مگر آج...... آپ کی محبت کا ہی اعجاز ہے یہ۔"

"اللہ کا کرم ہے ژالے۔" جہان نے تصحیح کی تھی ژالے نے فوراً شرمندہ ہو کر سر کو اثبات میں ہلایا۔

"بالکل اللہ کا کرم ہے، آپ زینی آپا کے پاس جائیں نا اب، ورنہ پھر دیر ہو جائے گی۔" ژالے نے اسے دروازے کی سمت دھکیلا تھا، جہان گہرا سانس بھر کے باہر آ گیا، راہداری میں فینسی لائٹ کی روشنی تھی اور دیواروں کا پینٹ چمک رہا تھا، ہر سو اک سکون اور خاموشی کا احساس تھا، مما عدن کو اٹھائے اس وقت معاذ کے کمرے سے نکلی تھیں۔

"آپ ژالے کو لے کر نہیں گئے جہان؟ آج چیک اپ تھا اس کا، کہیں بھول تو نہیں بیٹھے؟" ان کی فکر مندی پہ جہان مسکرا دیا تھا۔

"نہیں چچی جان! مجھے یاد ہے، نکل ہی رہے تھے، زینب کو بھی ٹمپریچر ہے سوچا پہلے اس کی خیریت پوچھ لوں۔"

"ہاں بیٹے ضرور...... مگر بتاؤ وہ آپ کو زیادہ تنگ تو نہیں کرتی؟" مما کے لہجے میں تشویش تھی، جہان کو مسکراہٹ ضبط کرنا پڑی تھی۔

"ایسی ہرگز کوئی بات نہیں ہے چچی جان۔"

"سچ کہہ رہے ہو بیٹے؟" ان کی نگاہوں میں غیر یقینی اور شکوک کا غلبہ تھا۔

"چچی جان اب زینی اتنی بھی نالائق نہیں ہے، بلکہ سچ پوچھیں تو مجھے اس سے بالکل کوئی شکایت نہیں۔" انہیں بازو کے حلقے میں لے کر اس نے بہت جذب سے کہا تھا، مما کچھ دیر یونہی اسے نم آنکھوں سے دیکھتی رہیں پھر اظہار تشکر کے احساس کے طور پہ باقاعدہ رو پڑیں تھیں۔

"الحمد للہ! مجھے میرے اللہ نے سرخرو کر دیا ہے آج، خدا تم تینوں کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے آمین۔" وہ اسے دعاؤں سے نوازنے لگیں، جہان کے اندر آسودگی اتر آئی، گو کہ وہ زینب سے پوری طرح خوش نہیں تھا مگر گنجائش رکھ کر اگر مما کو مطمئن کیا جا سکتا تھا تو اس میں قباحت نہیں تھی، زینب کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا، جہان نے آہستگی سے دھکیلا اور اندر قدم رکھ دیا، اے سی کی کولنگ اور نیم اندھیرے نے اس کا استقبال کیا تھا، جہان نے سب سے پہلے لائٹ آن کی تھی، وہ اسے بیڈ پہ نظر نہیں آئی تو جہان نے حیرت بھرے انداز میں نگاہ کو گھمایا تھا، اسے جائے نماز پہ سجدے میں جھکے دیکھ کر اسے خوشگوار قسم کی حیرت محسوس ہوئی تھی، جبھی وہیں تک کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا، مگر چند لمحوں کے بعد ہی ایک بے چینی کا اضطراب اس کے رگ و پے میں سرائیت کرنے لگا تھا، وہ مالک کے حضور خود کو پیش کیے جانے کس بات پہ گریہ زاری میں مشغول تھی، خاصی دیر بعد سر اٹھایا اور اسے وہاں موجود اور متوجہ پا کے جز بز ہو کر رہ گئی۔

"تمہیں کوئی پرابلم ہے زینب؟"

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"کیا میں تمہارے پاس نہیں آ سکتا زینب؟" اسے اپنے سوال کے نظر انداز ہونے کا ہی نہیں زینب کی اس تفتیش پہ بھی تاؤ آیا تھا۔

"آ سکتے ہیں مگر جب ژالے کی باری نہیں ہوتی، آپ کو نہیں لگتا آپ بد دیانتی کے مرتکب ہو رہے ہیں؟" وہ پتہ نہیں طنز کر رہی تھی یا اس کی اصلاح کی کوشش، جہان سرد مہری سے اسے دیکھے گیا۔

"ژالے بتا رہی تھی تمہیں ٹمپریچر ہے، خیریت معلوم کرنا چاہ رہا تھا، کب ہوئی تمہاری طبیعت خراب؟" جہان نے کہتے ہوئے اس کی پیشانی کو چھوا تھا، جو آگ کی طرح تپ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، اس نوازش کے لئے شکریہ۔" زینب نے رکھائی سے کہتے اس کا ہاتھ ہٹایا تھا۔

"ابھی تم نماز پڑھ کر ہٹی ہو، تمہیں یہ بھی نہیں پتہ شوہر کے ساتھ اس قسم کا سلوک بیوی کو زیب نہیں دیتا؟"

"ہو گئے طعنے شروع؟ اطلاعاً عرض کر دوں، یہ شوہر مجھے پسند ہے نہ قبول، کتنی بار کہہ چکی ہوں کہ مجھے......"

"آگے ایک لفظ نہیں بولنا زینب! میں بہت رعایت دے چکا تمہیں۔"

"تو کس نے کہا ہے رعایت کو؟ کریں جو کرنا ہے آپ کو؟ ماریں گے جان سے یا پھر تشدد کریں گے۔" وہ چیخ پڑی تھی، جہان اسے دیکھتا رہا۔

(تم اپنی ذات کو پردوں میں مغلوف کر کے رکھنا چاہتی ہو زینب، مگر میں اس راز کو ضرور کھولوں گا، تم وہ نہیں ہو جو تم میرے سامنے خود کو ظاہر کرنا چاہتی ہو، تمہارا مسئلہ تمہارا درد کچھ اور ہے۔)

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟" زینب نے آنکھوں کی نمی چھپانے کی غرض سے رخ پھیرتے ہوئے بھی تلخ کلامی ضروری سمجھی تھی۔

"دیکھ رہا ہوں تم جھوٹ بولتے ہوئے صاف پہچانی جاتی ہو۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟ کون سا جھوٹ بولا میں نے، تنگ کر کے رکھ دی ہے زندگی آپ نے، آپ سے تو تیمور بہتر تھے، کم از کم ان کے قول و فعل میں تضاد تو نہیں تھا۔" زینب نے اک نیا حربہ آزمایا، اس کی توقع کے عین مطابق جہان کی آنکھیں غیض و غضب سے انگارہ ہو کر بے تحاشا حدتیں سمیٹ لائیں، اس نے زینب کو بازو سے دبوچ کر جارحیت بھرے انداز میں جھٹکے سے اپنے مقابل کیا اور اس کا چہرا اپنے فولادی ہاتھ میں جکڑ لیا۔

"اس خبیث انسان کا نام تمہارے منہ سے دوبارہ نہیں سنوں میں، زینب میں قتل کر دوں گا تمہیں مگر اب تمہاری کوئی فضول بات برداشت نہیں کروں گا، اس سے پہلے جب تم نے یہ ساری بدتمیز حرکتیں کی تھیں تب میرا تم پہ کوئی اختیار نہیں تھا، مگر اب بیوی ہو تم میری۔" جہان نے اسے اسی شدید انداز میں جھٹکا دے کر بستر پہ اچھالا اور خود لمبے ڈگ بھرتا پلٹ کر باہر نکلتا چلا گیا، زینب جیسے حواس باختہ سی اسی جگہ گری پڑی رہی، اس کی گرفت میں کتنی مجنونیت تھی اور آنکھوں میں واقعی ہی گویا مرنے مار دینے والے تاثرات جو حقیقتاً زینب کو خائف کر کے رکھ گئے تھے، اس کے سانسوں کی بھاپ سے ابھی تک اسے اپنا چہرا جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں کیا کروں میرے خدایا! مجھے اس مشکل سے نکال لے۔" وہ ذرا حواسوں میں لوٹی تو سسک سسک کر بلک بلک کر رو ئے گئی تھی۔

☆☆☆

''پری اک بات کہوں تم سے؟'' معاذ نے اس وقت اس کے گلے میں اپنے بازو حمائل کیے تھے جب پرنیاں اس کی ٹائی کی گرہ لگا کر کوٹ پہنا رہی تھی۔

''جی بولیں۔'' پرنیاں نے مسکرا کر اسے دیکھا اور کوٹ کے بٹن بند کرنے لگی۔

''یار وہ زینی کسی وجہ سے پریشان ہے، اس نے جے کو بھی آپ سیٹ کیا ہوا ہے، تمہاری تو دوستی ہے نا اس سے، تم ذرا اس سے مسئلہ تو جاننے کی کوشش کرو، مگر اس انداز میں کہ اسے شک نہ ہو۔'' معاذ کی سنجیدگی کے مظاہرے پہ پرنیاں جیسے کسی سوچ میں گم رہ کر بولی تھی۔

''ایسا تو مجھے بھی کئی بار محسوس ہوا کہ وہ الجھی ہوئی اور پریشان ہے کیا زیادہ تشویش کی بات ہے۔'' پرنیاں خود بھی متفکر ہونے لگی تھی۔

''ہے تو پریشانی کی بات ہی، جے تو خاص طور پہ بہت زیادہ ٹینس ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں، میں آج ہی اسے کریدنے کی کوشش کرتی ہوں۔'' پرنیاں نے اسے تسلی دی تو معاذ کسی خیال کے پیش نظر بولا تھا۔

''یار ایک دم سے اگلوانے بیٹھ جانا، ورنہ وہ محتاط ہو جائے گی۔''

''آپ کی قربت میں رہ کر اتنی عقل تو مجھ میں بھی آ گئی ہے کہ کون سا کام کیسے کرنا ہے؟'' پرنیاں نے اسے چھیڑا تھا، معاذ کی آنکھیں ایکدم سے چمک اٹھیں۔

''اوئے ہوئے قربت...... کون سی قربت کی بات ہو رہی ہے؟ اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو صرف ایک بار یہ موقع آیا تھا وہ بھی شاید ہی آپ تب حواسوں میں ہوں، پھر اتنی عقل کیسے حاصل کر لی۔'' اس کے لہجے میں شرارت سی شرارت رقم تھی، آنکھیں الگ بہک اٹھی تھیں، پرنیاں تو گویا پھنس گئی تھی سیدھے سجاؤ بات کر کے بھی۔

''حد ہے آپ سے معاذ...... بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔'' شرمایا لجایا ہوا اس کا سنہرا جگمگاتا ہوا روپ اس قدر بہکا دینے کی حد تک دلکش لگا تھا کہ معاذ کسی طرح بھی خود کو گستاخی کرنے سے نہیں روک سکا، پرنیاں کی حالت دیکھنے والی ہو گئی تھی۔

''معاذ......!'' وہ روہانسی ہوئی تھی، معاذ ہنسے گیا تھا۔

''صبح صبح ہی عہد سے پھر گئے ہیں۔'' اس نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تھا۔

کچھ بھی ہو میں تو الزام تمہی کو دوں گا
تم معصوم بہت ہو مگر توبہ تیری آنکھیں

اس اہم وضاحت نے پرنیاں کو ٹھنڈا سانس بھرنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

''آپ نہیں سدھر سکتے۔'' وہ سر جھٹک رہی تھی۔

''آپ بھی تھوڑا سا بگڑ جائیں تو ہمارا بھلا ہو جائے، دن رات رومانس کے طریقے بتاتا ہوں مگر مجال ہے جو کبھی آپ کو بھی خیال آیا ہو، محترمہ شوہر ہوتے ہیں آپ کے ہم، سو اک نظر کرم ادھر بھی۔'' اس نے خاصے قائل و مائل کرنے والے انداز میں کہا تو پرنیاں حیا آمیز خفت سے سرخ پڑ گئی۔

''آپ ہی کافی ہیں اس کام کو۔''

''لیکن میرا بھی تو دل کرتا ہے، تم مجھے پیار کرو۔'' معاذ کا اصرار اور تقاضا بڑھنے لگا۔

اگر چھونا ہی ہے مقصود تو ہم نظروں سے چوم لیا کرتے ہیں
لگا کر ہونٹ کسی کے دامن کو ہم داغدار نہیں کرتے

پرنیاں نے بے نیازی سے شعر پڑھا تھا، معاذ نے گویا مکھی اڑائی۔

''میں محبت میں ایسی حد بندیوں کا قائل نہیں ہوں، تمہیں اندازہ تو ہو گیا ہو گا۔''

لفظ ناپ کر لکھنا بات تول کر کرنا
مجھ سے یہ نہیں ہوتا تم کو تو پتہ ہے نا
کتنا بے دھڑک ہوں میں لوگ مجھ سے کہتے ہیں
لفظ ناپ کر لکھو بات تول کر بولو
ان کو کیا بتاؤں میں کہ میں تو کچھ نہیں لکھتا
کچھ بھی میں نہیں کہتا دل یہ بول پڑتا ہے
اور تم کو تو پتہ ہے نا دل کے پاس کوئی بھی
پیمانہ نہیں ہوتا ناپ لے جو لفظوں کو
تول لے جو باتوں کو

اپنے مخصوص انداز میں اس نے اپنی سوچ واضح کی تھی، پرنیاں نے مسکراہٹ دبائی۔

''ہاں پتہ ہے مجھے، اب تو بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے مزاج کا۔''

''تھینک گاڈ! جان تو لیا تم نے، ورنہ میں تو خائف ہوتا رہتا تھا کہ کہیں پھر تم میری محبت کو میری ہوس سے تعبیر کر دو، اگلے سال تک پھر ناراضگی کا سلسلہ چلے ساتھ میں ایک عدد چائلڈ بھی یار لوگ سمجھتے ہوں گے پتہ نہیں ہم کتنے رومینٹک میاں بیوی ہیں کسی کو کیا پتہ......''

''کم آن معاذ...... بس بھی کریں۔'' پرنیاں کی آنکھیں ہی نہیں جھکیں گال بھی دہک اٹھے تھے۔

''اوہ...... یہ کی ہے تم نے اصلاح اپنی...... رومینس پہ تو پابندی ہے ہی، تو تم مجھے زبانی کلامی ہی دل نہیں پرچانے دیتیں۔'' معاذ نے منہ بنا لیا تھا۔

''آپ کو اب کالج سے دیر نہیں ہوتی؟ تیاری میں یہ اتنا وقت لگا دیتے ہیں، ناشتے پہ مما انتظار کرتی ہیں تو سب کتنا مذاق اڑاتے ہیں اتنی دیر کمرے میں رہنے پہ۔'' پرنیاں نے اس کی رسٹ واچ اس کی نگاہوں کے سامنے لہرا کر گویا وقت کا اندازہ کرانا چاہا۔

''جنید بھائی اور جے تو جیسے بہت وقت پر آتے ہیں نا ڈائننگ ٹیبل پہ، اندر وہ بھی اس قسم کی سرگرمیوں میں مشغول ہوتے ہیں، کوئی مذاق اڑا کے تو دیکھے میرا۔'' اس کے پاس ہر بات کا جواب تیار ہوتا تھا، پرنیاں کو ہی ہار تسلیم کرنی پڑی تھی، جبھی گہرا سانس بھر لیا۔

☆☆☆

او صنم او صنم کاش ہوتا اگر
تم نبھا جاتے یہ زندگی کا سفر
ہم بھی تنہا نہ رہتے یونہی عمر بھر
او صنم او صنم کاش ہوتا اگر

جہان نے دروازہ کھول کر نیم تاریک میں قدم رکھا تو مغنیہ کی درد سے بوجھل آواز نے ایکدم سے اسے اپنے حصار میں لے لیا وہ ایزی چیئر پہ نیم دراز جیسے خود سے بھی غافل تھی، کھلے بال ہوا سے اڑتے تھے، آنکھیں بند تھیں مگر سائیڈوں سے بہتے آنسو اک تسلسل سے کنپٹیاں بھگو رہے تھے۔

اپنے لبوں کی ہنسی اے کاش دے دوں تمہیں
میرے خوشی لے لے تو غم اپنا دے دے مجھے
کاش ہم کو بنا لیتے تم اپنا ہم سفر
تم ساتھ ہوتے اگر تم ساتھ ہوتے اگر

جہان کے ہونٹ باہم سختی سے پیوست ہو گئے تھے، دماغ کی طنابیں پوری قوت سے تن گئیں، وہ رقابت کی ان دیکھی آگ میں جھلس کر خاک ہوتا آگے بڑھا تھا اور کیسٹ پلیئر زور سے ہاتھ مار کر آف کیا، کمرے میں یکلخت جان لیوا سناٹا در آیا، زینب چونکتے ہوئے سیدھی ہو بیٹھی، البتہ کچھ کہنے سے گریز کیا تھا، جبکہ جہان منتظر تھا کہ وہ کچھ کہے تو جواب میں اسے بھی دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملے، اس کے اندر جوار بھاٹے اٹھ رہے تھے۔

''میرا بیگ تیار کر دو، کچھ دنوں کو مجھے آؤٹ آف سٹی رہنا ہو گا۔'' جہان کا لہجہ و انداز تحکمانہ نخوت لئے ہوئے تھے، حیرت انگیز طور پہ زینب نے جواب میں ناگواری کے اظہار یا پھر دامن بچانے کے اٹھ کر اس کے حکم کی تعمیل شروع کر دی، جہان کو اور غصہ آنے لگا تھا یہ سوچ کر کہ وہ اس سے جان چھوٹ جانے پہ شکر منا رہی ہو گی، آج سے اس کی باری جو شروع ہو چکی تھی۔

''یہ سوٹ ٹھیک رہے گا رکھ دوں؟'' وہ اپنے دھیان میں پلٹی تو جہان سے زور سے ٹکرائی، وہ پتہ نہیں کب اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''افوہ آپ کیوں یہاں آ گئے تھے؟'' وہ جتنا جھنجھلائی تھی، اسی حساب سے چڑ کر بولی۔

''تم بھی ساتھ چلو گی میرے، ہے تو آفیشل ٹور مگر میں مینج کر لوں گا۔'' جہان نے ایک نیا شوشا چھوڑ کر زینب کے انداز کی بے زاری کو جھلاہٹ میں ڈھال دیا۔

''میرا دماغ نہیں خراب کہ آپ کے ساتھ خوار ہوتی پھروں۔''

''تمہیں بات کرنے کی تمیز کب آئے گی زینب، بی ہیو یور سیلف اینڈ انف، آئندہ میں تمہیں دیکھوں نا اس طرح سے بات کرتے ہوئے، سب گھر والوں کے ساتھ بھی تم یونہی پتھر پھوڑتی پھرتی ہو۔'' جہان کا ضبط آخر کار جواب دے گیا تھا، زینب کی رنگت واضح طور پہ پھیکی پڑی۔

''میں نے آپ سے کوئی عہد کیا تھا نہ پیمان کہ میں آپ کے ساتھ......''

''تمہارے نزدیک عہد و پیمان کی کیا ڈیفی نیشن ہے مجھے نہیں پتہ، میرے خیال میں جب تم نے نکاح نامے پہ سائن کر دیئے تو اس کا مطلب یہ ہی ہوا کہ تمہیں میرے میری فیملی کے حقوق کو ادا کرنا ہے۔'' انگلی اٹھا کر وہ بے حد ٹھہرے ہوئے انداز میں جتلا کر بولا، تو زینب چند ثانیوں کو ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہ گئی۔

''یہ صرف آپ کی فیملی نہیں ہے میرے پیرنٹس اور......''

''اچھا!!!'' وہ پھر اس کی بات کاٹ کر طنزیہ ہنسی ہنسا۔

''اطلاع کا بہت شکریہ، ویسے پتہ مجھے پہلے سے تھا تم نے اپنے پیرنٹس کے جذبات واحساسات کی کتنی پرواہ کی، یہ تمہارے ایٹی ٹیوڈ نے بہت بار واضح کر دیا، اب اگر میں تم سے ان کے ساتھ بہترین رویہ کا آرڈر کر رہا ہوں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ تب تم اپنی مرضی کی مالک تھیں مگر اب تم مجھ سے وابستہ ہو، تمہارا رویہ تمہارا مزاج اور تمہارا اس گھر میں کردار میرے حوالے سے جانا اور پہچانا جانا ہے میں ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم سے اب میرے رشتوں کو تکلیف پہنچے اور یہ تمہیں میری لاسٹ وارننگ ہے، اس کے بعد میں ہرگز بھی رعایت نہیں کروں گا۔'' جہان کے لہجے سے ہی نہیں آنکھوں سے بھی برہمی چھلک پڑ رہی تھی، زینب کے اعصاب تک شدید کشیدگی سمیٹ لائے تھے۔

''افوہ رعایت، فار کائنڈ یور انفارمیشن جہانگیر صاحب کہ پہلے بھی آپ نے کوئی ہار پھول نہیں پہنائے ہیں مجھے، بڑا انصاف انصاف کا ڈنکا بجاتے ہیں، لاڈلی اور چہیتی تو آپ کی وہی ثالے ہے نا، جیسے میں جانتی نہیں ہوں، ہمیشہ مجھ پہ آپ نے اسے ترجیح دی، میری طرف تو بس فرض نبھانے آتے ہیں، تو نہ نبھایا کریں، مجھے بہت اچھی طرح سے اندازہ ہے اپنی اور اس کی حیثیت کا، وہ آپ کی محبت ہی نہیں، خوبصورت نوعمر سب سے بڑھ کر کنواری ملی آپ کو، جبکہ میں روندی اور مسلی ہوئی کلی تھی، جسے کوئی بھی اپنے کالر میں سجانا پسند نہیں کرتا، مگر برا ہو آپ کی اس اچھی دھاک کا، جسے بحال رکھنے کو آپ کو یہ ناگوار کام کرنا پڑا۔'' وہ بولنے پہ آئی تو جانے کب کی تپش اور غبار نکال دیا تھا، غصے کی زیادتی سے دہکا چہرا، تیز ہوتا تنفس اور آنکھوں سے بہتے آنسو، جو پتہ نہیں کتنے کرب اور اذیت کو محسوس کر کے نکلے تھے۔

''زینب......!'' جہان سخت مضطرب ہوا، مگر وہ اس کی سنے بغیر منہ پہ ہاتھ رکھے روتی ہوئی باہر بھاگ گئی تھی، جہان اس کے پیچھے لپکا، زینب نے برآمدے میں رک کر سرعت سے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا تھا، وہ ہرگز کسی کے سامنے وضاحتِ کی پوزیشن میں نہیں تھی مگر اسے اندازہ نہیں تھا اس پہ کیا افتاد پڑنے والی ہے، اس سے قبل کہ جہان اس تک پہنچتا آندھی طوفان کی طرح سے اندرونی حصے کی جانب آتیں مسز آفریدی اسے وہاں دیکھ کر چیل کی طرح اس کی جانب لپکی تھیں۔

''اچھا...... تو تم ہو زینب، جس نے میری بیٹی کے حق پہ ڈاکہ ڈالا، شرم تو نہیں آئی ہو گی تمہیں؟ ارے غضب خدا کا اپنا شوہر سنبھال نہ سکیں تو دوسروں کے شوہروں کو قابو کرنا شروع کر لیا، میں کہتی ہوں تم لوگوں کو جرأت کیسے ہوئی آخر میری بیٹی کے ساتھ یہ سلوک کرنے کی، اس پہ دھڑلہ دیکھو کہ مجھے کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔'' بغیر کسی لحاظ کے بلند ہوتا لہجہ جس میں جہالت کی حد تک چیخ چنگھاڑ نمایاں تھی، انہوں نے ہاتھ لہرا لہرا کر صاف طعنے دینے پہ اکتفا نہیں کیا تھا، طیش سے بے حال ہو کر زینب پہ حملہ آور بھی ہوئی تھیں، ان کا ارادہ اسے بالوں سے نوچ کر زمین پہ پٹخنے کا تھا اور وہ لحیم شحیم عورت دھان پان سی زینب کو یقیناً منٹوں میں زمین چٹا سکتی تھیں اگر جو اسی پل وہاں آئے جہان نے زبردست مداخلت کرتے ہوئے زینب کو ہاتھ سے پکڑ کر سرعت سے اپنی جانب نہ کر لیا ہوتا۔

''واٹ نان سینس مسز آفریدی؟ بات کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟'' جہان کا لہجہ بے حد کڑا تھا تو چہرے کے تاثرات میں شدید خفگی، زینب اتنی حواس باختہ تھی کہ جہان کے کھینچنے پہ اپنی جھونک میں آ کر اس کے بالکل پہلو سے لگ گئی تھی اور یونہی لگی کھڑی رہی، مسز آفریدی کو دیکھتی رہی جن کی آنکھوں میں گویا خون اترا ہوا تھا۔

"بہت خوب، تم نے خود کون سے ایٹی کیٹس کے مظاہرے کر دیئے ہیں کہ مجھ سے یہ سوال کرتے ہو؟" انہوں نے جہان کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرا کر پھر اسی انداز میں طعنہ مارا ان کا لڑنے کا انداز خالص جاہل عورتوں کا سا تھا۔

"آپ کو جو بھی بات کرنی ہے اندر چل کر کریں، زینب تم بھی اپنے کمرے میں جاؤ۔" جہان نے پہلے انہیں پھر زینب کو مخاطب کیا تھا اور لمحہ بھر کو اسے بہت نرمی سے اپنے ساتھ لگا کر تھپکا، زینب ہنوز سراسیمہ نظر آئی تھی، اس کے کہنے پہ بے اختیار فرمانبردار انداز میں سر کو اثبات میں ہلایا اور اندر کی جانب دوڑی۔

"اسے کہاں بھیج رہے ہو فساد کی جڑ کو، اس سے تو بات کرنی ہے میں نے۔" مسز آفریدی پھر چنگھاڑیں تو جہان نے تیز نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"میں آپ کا احترام کر رہا ہوں تو بہتر ہوگا آپ بھی تمیز کے دائرے سے باہر نہ نکلیں، میں نے جو کچھ بھی کیا وہ کسی سینس میں بھی جرم نہیں ہے کہ آپ کے سامنے مجرم ٹھہروں۔" اس کے لہجے میں سختی بھی تھی اور تنبیہ بھی، مگر مسز آفریدی نے زور سے سر جھٹک دیا تھا۔

"اونہہ دیکھ لوں گی میں تمہیں۔" جہان نے راہداری کے سرے پہ رجو کی جھلک دیکھی تو وہیں سے اسے پکارا تھا۔

"جی صاحب؟" وہ بھاگی آئی تھی۔

"بیگم صاحبہ کو ڈرائینگ روم میں لے جا کر بٹھاؤ اور چائے کا انتظام کرو۔"

"مجھے نہیں پینی تمہارے چائے، میں یہاں ضیافت پہ نہیں آئی سمجھے؟" انہوں نے زور سے پھنکار کر کہا تھا، جہان نے ہونٹ بھینچ کر پرتپش نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"آپ اندر چل کر بیٹھیں میں پپا جان اور چاچو کو بلا کر لاتا ہوں، انہی کے سامنے بات ہوگی آپ سے۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ آگے بڑھا تو مسز آفریدی نے بھڑکیلے انداز میں اسے آواز دی تھی، لہجے سے طیش اور غیض کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں، جہان کو ناچار رک کر ان کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔

"ہنی کہاں ہے؟ اسے بلاؤ میرے پاس۔" انہوں نے اسی حقارت آمیز لہجے میں گویا جہان کو آرڈر کیا تھا، اسی انداز نے جہان کا خون کھولا دیا تھا مگر اس نے اپنے جذبات کنٹرول سے باہر نہیں ہونے دیئے۔

"آپ چلیں، ژالے بھی آ رہی ہے وہیں۔" مسز آفریدی نے کچھ دیر گھورتی پھنکارتی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر ہیل کی ٹک ٹک بجاتیں ساڑھی کا پلو سنبھالتی خائف سی رجو کے ساتھ آگے بڑھ گئیں، جہان نے سیل فون نکال کر ژالے کا نمبر ڈائل کیا تھا، اس نے پہلی ہی بیل پہ کال ریسیو کر لی۔

"گھر سے باہر ہیں آپ شاہ؟"

"نہیں، ادھر ہی ہوں تم ڈرائینگ روم میں آؤ ژالے تمہاری ممی آئی ہوئی ہیں۔" جہان نے مطلب کی بات کی تھی، دوسری جانب ژالے کے ٹھنڈا سانس بھرنے کی آواز سنائی دی تھی۔

"میں نے انہیں بہت منع کیا تھا شاہ مگر وہ نہیں مانیں، اگر وہ آپ سے سخت بات کہیں تو پلیز مائنڈ نہیں کیجئے گا۔" اس کے لہجے میں التجا در آئی تھی، جہان نے جواباً ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

"ڈونٹ یو وری، تم آ جاؤ وہاں او کے۔"

"جی میں آ رہی ہوں۔" ژالے نے تسلی سے نواز کر رابطہ منقطع کر دیا، اس دوران جہان پپا کے کمرے کے دروازے تک پہنچ چکا تھا، سیل فون جینز کی جیب میں اٹکا کر اس نے دروازے پہ مدھر سروں میں دستک دی تھی۔

"یس کم آن۔" پپا کی بھاری مگر مصروف آواز ابھری تھی، جہان نے آہستگی سے دروازہ دھکیلا پپا ایزی چیئر پہ جھولتے کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے جبکہ مما بیڈ پہ فاطمہ عدن اور اسامہ کے ساتھ موجود تھیں فاطمہ کھلونوں کے ڈھیر میں گھری بیٹھی تھی، عدن مما کی گود میں تھا جبکہ اسامہ بستر پہ دھما چوکڑی مچا رہا تھا۔

"ارے جہان بیٹے! آیئے سویٹ ہارٹ۔" اس کے سلام کے جواب میں پپا نے بہت خوش دلی سے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا تھا، جہان ان کی اس درجہ پذیرائی کے مظاہرے پہ ہمیشہ کی طرح خفیف سا ہو گیا، فاطمہ کی نگاہ اس پہ پڑی تھی تو کھلونے چھوڑ چھاڑ ہمک کر اس کی جانب لپکنے لگی، وہ جہان سے بے حد مانوس ہو چکی تھی، جہان نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا پھر اس کے ریشمی بالوں کو چوما تھا۔

"بیٹھو نا بیٹے! کھڑے کیوں ہو؟" مما اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھیں، نرمی سے ٹوک کر بولیں تو جہان نے سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

"نہیں میں بیٹھنے نہیں بلکہ آپ کو اور چاچو کو بلانے آیا ہوں، چاچو مسز آفریدی آئی ہیں۔"

"اوہ...... خیریت؟" پپا فوراً الرٹ ہوئے تھے اور کتاب بند کر دی۔

"لگتی تو نہیں ہے، ارادہ تو لڑائی کا ظاہر ہو رہا ہے۔" جہان نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

"دیکھ لیتے ہیں، آپ نے بھائی صاحب کو بتایا؟" پپا اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"نہیں، بتانے جا رہا ہوں، آپ چلیں وہاں۔"

"چلیں بیگم صاحبہ، ان لاڈلوں کو ان کے پیرنٹس کے حوالے کر کے آپ بھی آ جائیں۔" پپا اور جہان ایک ساتھ باہر آئے تھے، پیچھے تشویش زدہ سی مما گود میں عدن کو لئے اسامہ کی انگلی پکڑے ہوئے تھیں۔

"جہان بیٹے! وہ خاتون تو اچھی خاصی گرم مزاج ہیں، مجھے تو ڈر لگ رہا ہے ہنگامہ ہی نہ کر دیں۔" پپا کا رخ ڈرائنگ روم کی سمت تھا جبھی اس جانب مڑ گئے جبکہ مما جہان کے ساتھ راہداری میں چل رہی تھیں، انداز میں پریشانی بھی تھی اور گھبراہٹ بھی، جیسے محسوس کر کے ہی جہان نے انہیں ایک بازو کے حصار میں لیا تھا۔

"مجھے ان سے نپٹنا آتا ہے چچی جان، آپ قطعی ٹینس نہ ہوں۔"

"مگر بیٹے وہ......" انہوں نے ہکلا کر بات ادھوری چھوڑ دی، ان کی رنگت متوقع لڑائی جھگڑے کے خیال سے ہی پیلی پڑتی جا رہی تھی، وہ بہت امن پسند خاتون تھیں، ساری عمر جٹھانی کے اور نند کے ساتھ بہت اتفاق سلوک میں گزری تھی، جبھی ایسی صورتحال میں ان کی گھبراہٹ بہت نیچرل تھی۔

"آپ نہ آئیں ڈرائینگ روم میں چچی جان اور پلیز ریلیکس، ہم مجرم نہیں ہیں جو ڈریں۔" جہان نے پھر اسی رسانیت آمیز نرمی سے انہیں تسلی دی۔

"نہیں میں چلتی ہوں آپ کے ساتھ پرنیاں...... پرنیاں بیٹے۔" مما نے پہلے اسے جواب دیا تھا پھر پرنیاں کے بیڈروم کے آگے رک کر اسے آوازیں دیں۔

"جی مما۔" وہ گلابی دوپٹہ سلیقے سے اوڑھتی باہر نکلی تھی۔

"عدن کو سنبھالو بیٹے اور فاطمہ کو جا کر اس کی ماں کو دے آؤ، جہان دو بیٹے فاطمہ کو بھی۔" جہان نے فاطمہ کو گود سے اتارنا چاہا مگر وہ اس سے چمٹ گئی تھی اور بسورنے لگی، پرنیاں مسکرا دی۔

"یہ جہان بھائی کے پاس سے کم از کم میرے پاس نہیں آئے گی جائیں زینی کو دیں آئیں اسے بھائی۔"

"ہاں بیٹے زینب کو پکڑا کر پھر آپ آؤ وہاں، میں بلاتی ہوں بھائی صاحب اور بھابھی بیگم کو۔" مما نے بھی پرنیاں کی تائید کی تھی اور آگے بڑھ کر پاپا جان کے کمرے میں چلی گئیں۔

"خیریت بھائی؟ کہاں جمع ہو رہے ہیں سب لوگ؟" جہان نے مختصر الفاظ میں تازہ صورتحال اس تک پہنچائی اور پلٹ کر زینب کے کمرے کی جانب آ گیا، وہ کھڑکی کے آگے کھڑی تھی ہاتھ میں سیل فون تھا، جو اسے دیکھتے ہی بے اختیار اس نے پشت پہ کیا تھا۔

"مسز آفریدی کے رویے پہ میں بہت شرمندہ ہوں زینب۔" فاطمہ کو اس کے حوالے کرتے ہوئے جہان نے جو بات کہی تھی اس نے زینب کے ہونٹوں پہ زہر خند بکھیر دیا تھا۔

"شرمندہ ہوتے آپ اس صورت اچھے لگتے ہیں جے صاحب اگر آپ خود نہ یہ کرتے ہوں، بہت اچھا ہوا کہ آپ کی طرح انہوں نے بھی میری اوقات یاد دلا دی، انہیں یہ ضرور بتایئے گا کہ میں نے کب کب کس انداز میں ڈورے ڈالے تھے، شاید ان کی وجہ سے ہی مجھے بھی پتہ چل جائے۔" اس کی کرخت لہجے میں سرد پھنکاریں تھیں، جہان سخت عاجز ہو کر رہ گیا۔

"لوگوں کو عادت ہوتی ہے فضول میں ہانکنے کی، اب تم ہر کسی کی باتوں کو یونہی دل پہ لیتی پھرو گی؟"

"لوگوں کو گولی ماریں صاحب، آپ کیا کہہ رہے تھے اس سے پہلے مجھے؟" وہ یقیناً بہت ہرٹ ہوئی تھی جبھی صدمہ ابھی تک باقی تھا۔

"مائی گاڈ، زینی میں نے ایسی کوئی فضول بات نہیں کی تھی۔" جہان نے سخت احتجاج کیا تھا۔

"یہ بحث کبھی ختم نہیں ہوگی، آپ جایئے آپ کی ساس صاحبہ منتظر ہوں گی آپ کی۔" زینب نے غصے میں آ کر پھر طنز کا تیر چلایا تھا، جہان نے مزید کوئی وضاحت مناسب نہیں سمجھی، زینب کے چہرے پہ جو تاثرات تھے وہ صاف صاف لفظوں میں کہتے تھے اسے جہان کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں، جبکہ اس کی خاموشی سے واپسی پہ زینب کے اندر ہوئی ٹوٹ پھوٹ میں یکلخت اضافہ ہو گیا۔

(آپ ہمیشہ یونہی مجھے ڈی گریڈ کرتے رہے ہیں جے اور یونہی کرتے رہیں گے۔) بے بسی اور بےکلی کے احساس کے تحت اس کے آنسو روانی سے بہتے چلے گئے تھے۔

☆☆☆

"ممی شاہ ہرجائی نہیں نہ دل پھینک، پلیز آپ ان کے لئے اتنے تھرڈ کلاس ریمارکس نہ کریں، میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ شاہ میرے ہزبینڈ ضرور ہیں مگر میری پراپرٹی نہیں، یہ دوسری شادی جس کی میں نے خود اجازت دی انہیں اور بغیر کسی جبر کے دی ہے، کرنے کا وہ پورا حق محفوظ رکھتے ہیں۔"

"یہ حق کسی انسان نہیں اللہ نے دیا ہے انہیں، پھر آپ اسے کفر اور ظلم سے کیوں گردان رہی ہیں، میں آپ کو بتاؤں کفر اور ظلم دوسری تیسری یا چوتھی شادی کر کے مرد نہیں کرتا، عورتیں کرتی ہیں جو ایسی بات سنتے ہی فوراً فتویٰ صادر کر دیا کرتی ہیں کہ اس نے بہت ظلم کیا، ممی ایسا کہنے سے قبل وہ یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ اس کام کی اجازت اللہ نے مرد کو دے رکھی ہے اور جس کام کی اجازت اللہ نے دی اسے کرنے والا ظالم کیسے؟ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ظلم کی اجازت دی، اللہ ظالم ہے، نعوذ باللہ، اب یہ کفر نہیں ہے تو اور کیا ہے؟"

جہان اندر جس وقت داخل ہوا مسز آفریدی کے زبردست واویلے اور جھگڑے کے بعد ماحول میں کسی قدر سکون تھا، ژالے کی ہی آواز گونج رہی تھی، جو یقیناً ان کے کسی اعتراض کے جواب میں وضاحت دیتی سمجھا رہی تھی، مسز آفریدی کے چہرے پہ دبا دبا غصہ ہنوز تھا، البتہ مما پپا کے ساتھ دیگر اہل خانہ بہت مطمئن نظر آئے تھے۔

"میں مانتی ہوں بیٹے کہ مرد کو دوسری شادی کی اجازت ہے مگر کوئی وجہ بھی تو ہو، جیسے اولاد کا نہ ہونا وغیرہ۔" مسز آفریدی ہار ماننے کو تیار نہیں تھیں، ایک اور نقطہ اعتراض اٹھایا۔

"اسلام میں بغیر کسی وجہ کے بھی دوسری تیسری اور چوتھی شادی کی اجازت ہے، اگر کوئی مرد دوسری شادی کر لیتا ہے تو ایسی کون سی قیامت آ جاتی ہے کہ ہر کوئی افسوس کرنے بیٹھ جاتا ہے، اگر کوئی مرد عیاشی کر رہا ہے تو اسے کوئی کچھ نہیں کہتا، لیکن اگر کوئی جائز طریقے سے عقد کر لے تو ظالم ہو جاتا ہے۔" ژالے کے لہجے میں واضح خفگی تھی، وہ بہت اچھے انداز میں جہان کے ساتھ یہاں کے ہر فرد کا دفاع کر رہی تھی، مما تو نظروں ہی نظروں میں اس کے صدقے واری ہوئی جا رہی تھیں، ان کی بہو سمجھدار ہے وہ جانتی تھیں مگر وہ اتنی دین کی بھی سمجھ رکھتی ہوں گی انہیں اندازہ ہی نہ تھا۔

"تم پاگل ہو گئی ہو ژالے، ان لوگوں نے تم پہ تعویذوں کا اثر کرا دیا ہے، کیا کہوں میں تمہیں سوائے اس کے؟" وہ اتنا جھلائی تھیں کہ بھڑکے ہوئے انداز میں کہتی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

"تم جیسی ہی عورتیں ہوتی ہیں جو اپنا گھر خود برباد کرتی ہیں، میں جانتی ہوں ان لوگوں کی پڑھائی ہوئی پٹیاں ہیں یہ، سازش ہے ان لوگوں کی ہمارے خلاف، میں یہاں نہیں چھوڑوں گی تمہیں، ان کا کیا بھروسہ جیسے آج اپنے بیٹے کی شادی کی کل تمہیں راستے سے ہٹانے کو جان لے لیں تمہاری تم چلو میرے ساتھ۔" انہوں نے خونی نظروں سے جہان کو دیکھ کر کہا اور ژالے کی کلائی تھام کر جھٹکے سے اٹھایا، ژالے یکا یک پریشان نظر آنے لگی۔

"پلیز ممی چھوڑیں مجھے، پتہ نہیں کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔" ژالے بری طرح سے شرمندہ ہو کر بولی تھی۔

"تم اب یہاں نہیں رہو گی ژالے یہ میرا فیصلہ ہے، اسے اگر تمہیں اپنے ساتھ رکھنا ہے تو اپنی دوسری بیوی کو طلاق دینا ہوگی۔" مسز آفریدی کے لہجے میں ہرگز کوئی گنجائش نہیں تھی جہاں سب شدید تناؤ کا شکار ہوئے جہان کا چہرا سرخ ہو کر رہ گیا تھا۔

"مائینڈ اٹ مسز آفریدی، آپ ہوتی کون ہیں میری زندگی کے فیصلے کرنے والی؟" جہان کے لہجے میں سرد سی کیفیت اتر آئی تھی، اس کی آواز میں غراہٹ نمایاں تھی۔

''ممی پلیز، انف، آپ چلی جائیں یہاں سے۔'' ژالے نے اپنا ہاتھ جھٹکے سے ان سے چھڑا لیا تھا، وہ ان کی بجائے جہان کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی جس کے چہرے پہ نخوت اور درشتی کا تاثر ہر لحظہ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

''میں ہرگز بھی کسی فیصلے کو کرائے بغیر نہیں جاؤں گی، اگر جہانگیر اپنی دوسری بیوی کو طلاق نہیں دے گا تو پھر اسے تم سے قطع تعلقی اختیار کرنی ہوگی، یہ ابھی اسی وقت تمہیں طلاق دے گا۔''

''ممی......!!!'' ژالے بھینچی ہوئی آواز میں چیخی تھی اور پیلی پڑتی رنگت کے ساتھ یوں نیچے بیٹھ گئی جیسے وجود سے خون کا آخری قطرہ بھی کسی نے نچوڑ لیا ہو، مما اور مما جان بدحواس ہو کر اس کی جانب لپکی تھیں اور اسے سنبھالنے کی سعی کی پریشانی ان کے چہروں سے ہویدا تھی، لیکن مسز آفریدی نے بہت تنفر بھرے انداز میں انہیں ژالے سے دور دھکیل کر ایک طرح سے اسے اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا۔

''خبردار کوئی نزدیک نہیں آئے گا میری بیٹی کے، میں اچھی طرح سے جانتی ہوں جتنی آپ لوگوں کو اس سے ہمدردی اور پیار ہے۔'' وہ پھنکار پھنکار کر کہہ رہی تھیں، مما خفت زدہ جبکہ مما جان کو ژالے کی طرف سے تشویش ہونے لگی تھی، جو نڈھال اور نیم جان سی نظر آ رہی تھی، اس صورتحال نے جہان کے ضبط کا پیمانہ لبریز کر دیا تھا، اس نے ایک جھٹکے سے ژالے کو ان کی گرفت سے نکال لیا تھا اور انہیں سرد نظروں سے دیکھتا ہوا ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا تھا۔

''آپ نے جو کہنا تھا کہہ چکیں اور ہم نے جتنا برداشت کرنا تھا کر لیا، اس سے زیادہ کی نہ گنجائش ہے نہ میں آپ کو اجازت دوں گا، یہ آپ کی بیٹی میری بیوی ہے، یہ فیصلہ بھی اسی کا ہوگا کہ یہ آپ کے ساتھ جائے گی یا یہاں ہمارے ساتھ رہے گی، بتاؤ ژالے کیا چاہتی ہو تم؟'' جہان نے خوفزدہ اور مضطرب نظر آتی ژالے کو تھام کر صوفے پہ مما کے پاس بٹھا دیا تھا، انہوں نے اسی کا سر اپنے کاندھے سے لگا لیا۔

''میں ممی کے ساتھ نہیں جاؤں گی شاہ پلیز مجھے یہاں رہنا ہے آپ کے ساتھ۔'' وہ اتنی سی بات کہتے رو پڑی تھی، جہان نے طنزیہ نگاہوں سے مسز آفریدی کو دیکھا جن کا چہرا دھواں اور رنگت پھیکی پڑ گئی تھی۔

''سن لیا آپ نے؟ میرا خیال ہے آپ کی تسلی ہو جانی چاہیے۔'' جہان کے لہجے میں گہری کاٹ تھی۔

''ایک بات یاد رکھنا ژالے میں تمہاری ماں ہوں اور ماں اولاد کی کبھی دشمن نہیں ہو سکتی، تم نے ان خودغرض لوگوں کو مجھ پہ ترجیح دے کر میری انسلٹ کی ہے گویا اور مسز آفریدی کی توہین کرنے والا ہمیشہ نقصان اٹھاتا ہے، ابھی بھی وقت ہے سوچ لو، فیصلہ کر لو، اگر تمہاری ترجیح تمہارا شوہر ہی ہے تو پھر تمہیں مجھ سے دستبردار ہونا پڑے گا۔'' مسز آفریدی کا لہجہ دوٹوک اور سفاک تھا، ژالے کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

''شاہ کے مقابلے میں میرے سامنے ساری دنیا بھی چھوٹ رہی ہو نا ممی تو میں ساری دنیا کو چھوڑ دوں گی۔'' ژالے اس دھمکی کے جواب میں ضبط کھو کر چیخ پڑی تھی، مسز آفریدی کے تابوت میں گویا آخری کیل ٹھونکی تھی، وہ اپنا سیل فون جھپٹ کر بیگ اٹھاتیں کاندھے سے سرکتے ساڑھی کے پلو کو درست

کرتیں طیش بھرے انداز میں اٹھی تھیں، جب پپا نے بڑے حلیمانہ انداز میں انہیں مخاطب کیا تھا۔

''کام ڈاؤن مسز آفریدی! آپ بہن ہیں ہماری، اس طرح سے خفا ہو کر نہ جائیے، دیکھئے نکاح شادی اور طلاق بچوں کے کھیل نہیں ہیں، آپ کو بردباری اور تحمل سے معاملہ سمجھنا چاہیے پلیز۔'' مسز آفریدی لمحہ بھر کو رکیں، پھر تند نظروں سے انہیں پلٹ کر دیکھا تھا۔

''آپ لوگ اپنی سی کر چکے ہیں، احسان صاحب، اب میری باری ہے، یاد رکھیے میں معاف نہیں کیا کرتی اپنے مقابل گردن تان کر کھڑے ہونے والوں کو، میری بیٹی کو آپ نے ایسے ورغلایا کہ اس نے آنکھیں ہی پھیر لی مجھ سے، میں معاف کر دوں گی ایسا کرنے والوں کو، ہرگز نہیں، ایک ہی بیٹی ہے یہ میری گویا میری کل متاع، آپ لوگوں نے وہی ہتھیا لی، مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا، اب میں چین سے نہیں بیٹھ جاؤں گی اونہہ۔'' ان کے لہجے میں تضحیک بھی تھی حقارت اور طیش تھی، جہان نے قطعی ان کی تقریر کا اثر نہیں لیا تھا البتہ مما جان اور مما ضرور خائف نظر آنے لگیں۔

''خدانخواستہ کیا کریں گی یہ محترمہ؟'' مما نے دہل کر پپا کو دیکھا تھا، پپا رواداری سے مسکرا دیئے۔

''کم آن بیگم صاحبہ، آپ نے وہ کہاوت نہیں سنی جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں۔'' جہان نے ژالے کو دیکھا اس کے چہرے پہ بھی تشویش تھی، خود جہان بھی کسی قدر بے چین نظر آنے لگا تھا، مسز آفریدی کرپشن اور غنڈا گردی کا مظاہرہ وہ بھی ملاحظہ کر چکا تھا، یہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ اس بازی میں ژالے آفریدی اس کے ہاتھ لگ گئی تھی تو ہر زخم کا ازالہ ہو گیا تھا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ژالے، تمہیں پتہ ہے نا ڈاکٹر نے ٹینشن فری رہنے کی خصوصی تاکید کی ہے تمہیں۔'' جہان ژالے کو اس کے کمرے میں چھوڑنے آیا تو اسے گم صم اور متفکر پا کر نرمی سے کہا تھا۔

''آپ ممی کو جانتے نہیں ہیں شاہ، میرا پریشان ہونا یونہی نہیں ہے، اب تو مجھ سے بھی سخت خفا ہیں، میری بھی نہیں سنیں گی۔'' وہ جیسے روٹھی ہو کر بولی تھیں۔

''کچھ نہیں ہوگا یار، ایویں کیوں ٹینشن لے رہی ہو؟'' گو کہ جہان خود بھی متفکر تھا مگر وہ اسے ریلیکس کرنا چاہتا تھا۔

''آپ بھی یہ بات کہہ رہے ہیں؟ جبکہ پتہ ہے وہ آپ کے ساتھ بھی کیا کر چکی ہیں۔'' ژالے نے اس پل اس سے ہی نہیں جیسے خود سے بھی نظریں چرائی تھیں، جہان ایکدم سے ہنس پڑا۔

''مجھے اس بات کی ہرگز بھی کوئی کسک نہیں ہے، بلکہ مجھے ان کا شکر گزار ہونا چاہیے، ان کی اس سازش کی وجہ سے ہی مجھے اتنی اچھی بیوی مل گئی تھی۔'' جہان کی بات پہ ژالے جھینپ سی گئی تھی، پھر جیسے ہی کلاک پہ نظر پڑی چونک کر رہ گئی۔

''رات بہت ہو گئی ہے شاہ، آپ اب بھی جاؤ گے؟''

''آپ کی والدہ محترمہ نے آ کر سارا پروگرام چوپٹ کر دیا، اب دیکھتا ہوں کب جانا ہے۔'' جہان کی وضاحت پہ ژالے جیسے ریلیکس ہوئی تھی۔

''تو پھر اب آپ جا کے آرام کریں، زینب آپی بھی ویٹ کر رہی ہوں گی۔'' ژالے کے کہنے پہ جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

(کاش ایسا ہوتا، کاش وہ میرا انتظار ہی کر لیتی، محبت تو ایک طرف رہی۔)

''ہاں جا رہا ہوں، تم دوا لے چکی ہو؟'' جہان نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا، ژالے مسکرا دی۔

''جی لے چکی ہوں۔'' اسے جہان کا یوں توجہ دینا خیال رکھنا ہمیشہ سرشار کر دیا کرتا تھا۔

''آپ کی والدہ ماجدہ غصہ میں گئی ہیں غصہ اتر جائے تو انہیں منا لیجئے گا ژالے، آف کورس شوہر کیساتھ ماں کے بھی حقوق ہوتے ہیں۔''

''جی لیکن، شادی شدہ مرد کے لئے ماں کے حقوق بہت اہم ہیں، شادی شدہ لڑکی کے لئے اس کے والدین سے کہیں زیادہ اس کے شوہر کے احکامات کی تعمیل ضروری ہے۔'' ژالے نے شریر انداز میں کہہ کر اسے دیکھا تھا، جہان نے مسکرا کر اس کا گال تھپکا تھا۔

''میری جان آپ اپنے عمل سے یہ بات ثابت کر چکی ہیں، تھینکس مائی لیڈی۔''

''میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے شاہ، آپ پہ ہرگز احسان نہیں کیا۔'' اس کا لہجہ نرم اور محبت آمیز تھا۔

''مجھے تم پہ فخر ہے ژالے، تم میرے لئے خدا کا تحفہ ثابت ہوئی ہو۔'' جہان نے جواباً پوری صداقت سے اعتراف کیا تھا، ژالے کے چہرے پہ آسودگی سے بھرپور مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

☆☆☆

''کوئی ضروری ہے آج آپ کا آفس جانا؟'' جہان باتھ لے کر باہر نکلا تو زینب بہت بے دلی سے اس کی شرٹ پریس کر رہی تھی، اس بات پہ جہان نے کچھ الجھن آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتے تولیہ گلے سے نکال کر بیڈ پہ پھینکا اور جھک کر سوئی ہوئی فاطمہ کو پیار کرنے لگا۔

''کیا پوچھا ہے میں نے؟'' زینب کو اپنا سوال اگنور ہونا غصہ دلا گیا تھا، بلیک پینٹ پہ سفید شرٹ پہنے اس کا مضبوط کسرتی وجود کتنا نمایاں اور خاص تھا، زینب کو اب اکثر اسے اس طرح دیکھنا بھی اچھا لگنے لگا تھا۔

''اگر ضروری نہ ہوتا تو میں کیوں جاتا آفس، مجھے تو سوال ہی بے معنی لگا ہے تمہارا۔'' جہان نے اسے دیکھ کر نخوت سے جواب دیا تھا، زینب نے ہونٹ بھینچ لئے تھے اور اس کی شرٹ بستر پہ پھینک کر رخ پھیر لیا۔

(یہ آدمی ساری زندگی یونہی میری جان جلائے گا پتہ ہے مجھے۔) اسے غصہ نہیں رونا آنے لگا تھا۔

''خفا ہو گئی ہو۔'' جہان نے پیچھے سے آ کر اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا جسے اس نے فوری جھٹک دیا۔

''آپ کو پرواہ ہے اس کی؟'' وہ تڑخ کر بولی تھی۔

''پرواہ نہ ہوتی تو یہ سوال کیوں کرتا، احمق لڑکی تم اتنی بڑی ہو گئی ہو مگر بہت ساری باتیں ابھی بھی سمجھانا پڑتی ہیں تمہیں۔'' مسکراہٹ ضبط کیے وہ بہت شریر انداز میں کہہ رہا تھا۔

''اک بات مانیں گے؟'' زینب نے اس کے ہاتھ ہٹا کر خود اس کی شرٹ کے بٹن بند کرنے شروع کیے، جہان تو انداز دلربائی کے اس مظاہرے پہ بے ہوش ہوتے بچا تھا۔

''یہ تو بات کی نوعیت پہ ڈیپنڈ کرتا ہے خیر کہو تم۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا تھا تو دھیان یہی تھا وہ وہی فضول بات کرنے والی تھی۔

''آج آفس نہ جائیں۔'' انوکھا مطالبہ ہوا تھا، جس نے جہان کو حیرت کے سمندر میں دھکیل دیا۔

''تمہیں کوئی کام ہے مجھ سے؟'' وہ لے دے کے یہی سمجھ سکا تھا۔

''یہی سمجھ لیں۔'' زینب نے بے نیازی برتی، وہ بٹن بند کر چکی تھی، اب اس کا کالر درست کر کے ٹائی کی گرہ لگانے میں مصروف تھی، جہان نے اس کا وہی ہاتھ پکڑ لیا تب زینب نے اسے دیکھا تھا۔

''میں کیسے سمجھ لوں، تم سمجھاؤ مجھے کیوں روکنا چاہ رہی ہو؟''

''آپ رک جائیں گے میرے لئے؟'' زینب نے اسے جھانچتی پرکھتی نظروں سے دیکھنا شروع کیا۔

''یہ تو روکنے والے پہ ہے، کیسا وہ روک سکتا ہے؟ اس کے لئے کچھ ماننے کچھ منوانے کا حوصلہ ہونا ضروری ہے۔'' جہان کی بات پہ زینب نے سرد آہ بھری تھی۔

''پھر تو رہنے ہی دیں، آپ نے اب تک کتنی باتیں مانی ہیں میری۔'' اس کا لہجہ طنزیہ تھا، جہان آہستگی سے مسکرایا۔

''تمہاری وہ بات ماننے والی ہی نہیں تھی، اب تم کہو میں مانوں گا، بولو تو سہی۔''

''بنا کہے کیسے وعدہ کر رہے ہیں، اگر میں نے وہی والی بات کہہ دی تو......؟'' زینب کے لہجے میں تپش در آئی تھی، جہان نے گہرا سانس کھینچا اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔

''اس کے متعلق میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ نہیں مان سکتا، بار بار ایک بات کرنا مجھے پسند نہیں۔'' وہ سنجیدہ ہو چکا تھا، زینب ہونٹ کچلتی رہی۔

''اگر میں کوئی وجہ نہ بتاؤں تو آپ میری بات نہیں مانیں گے؟'' کچھ توقف سے زینب نے پھر اسے مخاطب کیا، اس کے لہجے میں عجیب سی آنچ تھی۔

''یار کیا ہو گیا ہے کیوں امیج خراب کرنے کے درپے ہو، آفس میرے نہیں آپ کے والد گرامی کا ہے، وہ نہیں جانتے کہ آج میں آپ کے ساتھ ہوں، دو بیویاں والا بندہ چاہے جتنی بھی خشک زندگی گزار رہا ہو، ہر انسان اسے ہمیشہ مشکوک نظر سے ہی دیکھے گا کہ لازمی رومینس کا معاملہ ہو گا۔'' اس کا لہجہ شرارتی اور شوخ تھا، زینب خفت زدہ سی ہو کر رہ گئی۔

''اوکے...... جائیں آپ، مجھے کہنا ہی نہیں چاہیے تھا۔'' وہ جھلا کر کہتی باہر نکل گئی تھی، جہان سٹپٹا کر اس کے پیچھے بھاگا آیا تھا۔

''زینب سنو تو......''

''خفا ہو گئی ہے؟'' زیاد نے اپنے کمرے سے نکل کر اس کے ہمراہ چلتے ہوئے مسکراہٹ دبائی، جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔

''باس...... باس...... بہت مہربانی اس گائیڈ لائن کی۔'' اس کا لہجہ ایسا تھا کہ زیاد شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

''اونہہ...... بھلائی کا تو دور ہی نہیں رہا، میں واقعی آپ کی ہیلپ کر رہا تھا اور نہایت سنجیدہ بھی تھا۔'' زیاد بسور کر کہہ رہا تھا۔

''اگر تم اتنے ہی سنجیدہ اپنی شادی کے لئے ہو جاتے تو نوریہ کب کی اس گھر میں آ چکی ہوئی

اور......"

"اور میرے دو تین نہیں تو ایک بچہ تو ضرور اس دنیا میں آچکا ہوتا مگر...... یہ نہیں ہوا تو اس میں بھی آپ جیسے ظالم اور بے حس سفاک بھائیوں کا قصور ہے، خاص طور پہ آپ کا، جہان بھائی کیا چلا جاتا اگر جو آپ پپا کو......"

"یار معاف کر دو، اب ضرور تمہاری سفارش کر دوں گا، اطمینان رکھو۔"

"خدا آپ کو بھاگ لگائے، مولا خوش رکھے۔" زیاد دانت نکال کر دعائیں دینے لگا، وہ یونہی ہنستے مسکراتے ڈائننگ ہال میں آئے تھے، جہاں حسب معمول اس وقت خاصی رونق ہو رہی تھی۔

"میری گاڑی کل تم لے کر گئے تھے نا زیاد؟" معاذ نے اسے اندر آتے ہی دیکھ کر آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے لالے، چرا کر تو نہیں لے گیا کہیں، واپس لا کر اسی دیانت داری سے کھڑی کی ہے پورٹیکو میں۔" وہ اس کی کڑی نظروں کے جواب میں اسی ڈھٹائی سے بولا تھا۔

"ہاں اتنی دیانت داری سے کہ اس کے پچھلے دونوں ٹائر پنکچر ہو گئے ہیں، اب میں تمہاری وہ پھٹیچر بائیک لے کر جاؤں گا، سارا امیج خراب ہو کر رہ جائے گا کالج میں۔" وہ پھنکار رہا تھا، زیاد نے دانستہ کان لپیٹ لئے۔

"مما دیکھ رہی ہیں اس کو؟ پتہ بھی ہے میں اتنا لیٹ ہو رہا ہوں اگر ورکشاپ گیا تو مطلب مزید لیٹ۔"

"ہاں تو کمرے سے جلدی نکل آیا کریں، مسئلے مسائل سے آگاہی رہتی ہے، مگر آپ تو مجنوں کے جانشین ہیں گویا۔" زیاد کلس کر بولا تھا، معاذ چمک اٹھا۔

"ہاں اصل جیلسی ہی تمہیں یہی ہے۔"

"ہاں تو ہے، اب کیا جلوں بھی نہ میں، بس ایک صرف میری ہی شادی نہیں ہو رہی۔"

"افوہ معاذ تم میری گاڑی لے جاؤ، اس سے کیوں لڑے جا رہے ہو۔"

"تھینکس بجو، لاؤ چابی دو۔" معاذ نے بھی اسی وقت بحث ختم کر دی تھی، جہان سے چابی لے کر وہ اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا۔

"پری جان آج تم وہ پرپل والا سوٹ پہننا اور ساتھ میں پرل کا سیٹ اوکے شام کو باہر چلیں گے۔" وہ یونہی ہانک لگاتا ہوا باہر نکل گیا، گاڑی میں بیٹھ کر وہ کالج کے راستوں پہ رواں دواں تھا تو اسے اندازہ تک نہیں تھا اس گاڑی کے کب سے منتظر وہ دو آدمی اسے فالو کر رہے ہیں، پھر ایک خاص مقام پہ انہوں نے اپنی کارروائی مکمل کی تھی، معاذ کو بے ہوشی کی دوا میں ڈوبا رومال سے ہوش و خرد سے بیگانہ کر کے اس ہٹے کٹے آدمی نے اس کی گاڑی سے اپنی میں منتقل کیا تھا، جہان کی گاڑی وہیں کھڑی رہ گئی تھی، کراچی جیسے شہر میں ایسے واقعات اتنے عام تھے کہ جس کسی نے دیکھا بھی جیسے دیکھ کر بھی نظر انداز کر دیا۔

(جاری ہے)

محبت کا نور

مصباح نوشین

وہ کھڑے قد سے گرا تھا، احسن علی نے اس لمحے اس کی بے مہر اور سفاک آنکھوں میں محبت کو تلاشنے کی کوشش کی، یہ وہ اجنبی آنکھیں تھیں جن میں محبت کی قندیلیں ہمہ وقت اس کے لئے روشن رہا کرتی تھیں، جن آنکھوں میں جھانکنے پر اسے اپنا پورا وجود محبت کے نور میں نہایا ہوا لگتا تھا محبت اس کے پور پور کو بھگو دیا کرتی تھی، محبت اس کے اندر باہر بسیرا ڈالے رقصاں ہونے لگتی اور وہ تو من شدی کا ورد کرتے محبت کی بارش میں بھیگنے لگتا۔

وہ کوئی عام محبت نہیں تھی وہ الویرہ قیوم کی محبت تھی جو نور بن کر احسن علی کے وجود پر برسا کرتی تھی یہ وہ الویرہ قیوم تھی جس کی نگاہ الفت کسی خاص الخاص شخص پر بھی نہیں پڑتی تھی، وہ ایسی شمع تھی جس پر جلے بغیر صرف جھلک پانے کو پروانے جل کر مرنے کو تیار رہا کرتے تھے، وہ سونے کا نوالہ منہ میں لے کر نہیں پیدا ہوئی تھی وہ ہیرے جواہرات جڑے برتنوں میں کھا کے بڑی ہوئی تھی، اس کی نگاہ التفات جس پر پڑے وہ پھر عام تو نہ رہتا، حسین وجمیل اور امیر کبیر الویرہ قیوم کسی کو عام رہنے ہی نہ دیتی تھی پھر وہ احسن علی کو کیسے عام رہنے دیتی کہ جس کے خاص ہونے کی گواہی اس کے دل نے دی تھی اور کیا خبر وہ کیا تھا یا وہ بھی اس کا کوئی پلان؟

پہلے جس بات پر وہ اتراتا تھا اب حقیقت جان لینے پر شرمندہ تھا؟

☆☆☆

''یا اللہ خیر۔'' افتنہ نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھا تھا، رات کے بارہ بج رہے تھے اور احسن علی افطاری پر بھی نہیں لوٹا تھا، گیلری میں ٹہل ٹہل کر اس کی ٹانگیں شل ہو گئی تھیں مگر وہ نہیں لوٹ رہا تھا۔

''بہت ہی لاپرواہ ہو گیا ہے یہ احسن بھی، ابا میاں سے شکایت لگانی ہی پڑے گی۔'' اس نے ٹہلتے ہوئے سوچا، بھی کچھ سوچتے وہ ابا میاں کے کمرے کی طرف بڑھ آئی تھی۔

''ابا میاں...... ابا میاں...... سو گئے کیا؟'' دروازے میں کھڑے ہو کر اس نے لمحہ بھر کو دیکھا وہ اوندھے منہ لیٹے ہوئے تھے افتنہ کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ چمکی، ابا میاں اوندھے ہو کر بالکل بچوں کے سے انداز میں سویا کرتے تھے۔

''چلو جی ابا میاں بھی سو گئے اور احسن بھی نہیں لوٹا اور تم افتنہ احمد بیٹھ کر مکھیاں مارو جب تک احسن گھر نہیں لوٹ آتا اور ابھی ان محترم کے غصے کا نشانہ بھی بننا ہو گا نجانے ہر وقت غصے میں کیوں رہتا ہے۔'' اس کی یاد نے ہونٹوں پر مسکان بکھیر گئی تھی، اس کی خود کلامی اونچی آواز میں جاری تھی۔

''ابا میاں کہتے تھے کہ افتنہ تم پریشان مت ہوا کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اور وہ بھی اسی انتظار میں تھی کہ کب احسن شادی کے لئے حامی بھرتا ہے۔

افتنہ کو احسن علی سے کوئی امید نہیں تھی مگر اسے ابا میاں کی ذات سے بڑا آسرا تھا، اس کے والدین کے بعد وہ ہی اس کا سہارا تھے، سگے چچا چچی نے تو منہ بھی نہیں لگایا تھا، ابا میاں اس کے والد کے دور کے کزن تھے، ابا امی کی وفات کے فوراً بعد ملتان جا کر اسے اپنے ساتھ کراچی لے آئے تھے، کچھ ہی عرصے میں احسن کے ساتھ منگنی بھی کر دی یہ الگ بات کہ احسن اس منگنی سے خوش نہیں تھا اور افتنہ کو یاد تھا وہ کئی دن ابا میاں سے ناراض رہا تھا۔

مگر اسے تو جیسے اس کی پرواہ ہی نہیں تھی خودی پر یقین، محبت پہ ایمان کامل اس کے اندر

ایسی توانائی بھر دیا کرتے کہ وہ ہر کڑوی کسیلی سہہ کے بھی مسکرا دیتی، اس کی آنکھوں میں محبت کی قندیلیں ویسے بھی دمکنے لگتیں، احسن کو حیرت ہوئی یہ لڑکی انسان تھی یا نہیں اور اگر لڑکیوں کی طرح سے کومل جذبات رکھتی تھی تو پھر عام لڑکیوں کی طرح روتی کیوں نہیں تھی، احسن کی تندو ترش اسے تکلیف کیوں نہیں دیتی تھیں، وہ بے عزتی کروا کر بھی اس کے سارے کام کیوں کرتی تھی۔

اسے لگتا اس کے اندر عزت نفس کی کمی ہے یا پھر شعور کی جو اسے احسن کی تکلیف دینے والی باتیں بھی ایذاء نہیں پہنچاتی تھیں، مگر وہ کبھی سمجھ نہیں پایا کہ نہ اس کے اندر عزت نفس کی کمی تھی نہ ہی شعور کی، وہ محبت کے نور میں بھیگتی تھی جو احسن کی تندو ترش اور تلخ باتیں اپنے اندر جذب کر کے اسے برداشت عطا کرتی تھیں اور یہ وہ محبت تھی جس کا دعویدار ہونے کے باوجود بھی وہ اس سے باخبر نہیں تھا۔

☆☆☆

اسے وہاں بیٹھے بیٹھے کئی گھنٹے ہو گئے تھے وہ آج الویرہ قیوم کے ساتھ افطاری کرنے آیا تھا جو اس کو بطور خاص کسی سے ملوانے کے لئے لائی تھی۔

''میں آج تم سے کچھ خاص کہنا چاہتا ہوں۔'' اس نے اس کی ہیرے کی کنیوں کی مانند چمکتی آنکھوں کو دیکھتے جذب سے کہا تھا، وہ پتہ نہیں واقعی حسین تھی یا اسے دکھتی تھی۔

''میں بھی تمہیں کس خاص الخاص شخصیت سے ملوانا چاہتی ہوں۔'' وہ بھی اعتماد سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے مسکرائی تھی، وہ اس کے بابا انڈسٹریلسٹ قیوم خان کے معیار پر پورا اترا تھا، جیسے لڑکے کی خواہش انہوں نے الویرہ کے لئے کی تھی وہ ہو بہو اسی جیسا تھا۔

''چلو پھر، مگر پہلے تم بولو، ہمیشہ پہلے بولتی ہوں۔'' وہ بات بے بات مسکرا رہی تھی۔

''ڈیڈی سے ہماری شادی کی بات کرنے مجھے اپنے گھر تم کب بلا رہی ہو الویرہ۔'' اسے یاد تھا وہ لمحہ جب الویرہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی تھی اس مسکراہٹ میں استہزائیہ تھا مگر احسن علی کو اس کے محبت کے نشے نے اس سے وہ دیکھنے نہیں دیا تھا۔

''بہت جلد...... ہم شادی کر رہے ہیں۔'' اور احسن علی اس اقرار کے بعد ہفت اقلیم کی دولت ملنے جیسی خوشی محسوس کر رہا تھا، اس کے اندر باہر جل تھل خوشیوں کی بارش ہونے لگی تھی۔

''او تھینک یو سو مچ جان، تم نے تو میری مشکل آسان کر دی کیونکہ ابا میاں سے بات کرنے سے پہلے میں تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔'' اس نے جوش جذبات میں آ کر الویرہ کو کندھوں سے تھام لیا تھا۔

''کیسی بات احسن!'' احسن نے اس کے حیران چہرے پر غور کیے بغیر اسے فوراً بتلایا تھا۔

''میں افتنہ سے شادی سے انکار کر رہا ہوں، نجانے کیوں ابا میاں نے وہ پاگل لڑکی میرے پلے باندھ دی، قربانی کا بکرا انہیں پورے شہر میں ایک میں ہی نظر آیا تھا۔'' اس کے لہجے کی زہرو بے زاری نے اس کے خوبصورت نقوش کو بگاڑ دیا تھا الویرہ مسکرائی تھی پھر دو قدم اس کے نزدیک بڑھ آئی۔

''تم ایک اچھی لڑکی ڈیزرو کرتے ہو احسن اور افتنہ ایک اچھی لڑکی ہے۔'' احسن نے اس لمحے چونک کر اپنی محبت کو دیکھا تھا وہ کسی کی وکالت کر رہی تھی افتنہ احمد کی، جس کا آج سے پہلے وہ نام بھی سننا گوارا نہیں کرتی تھی، آج کی اس کایا پلٹ نے اسے تعجب میں مبتلا کیا تھا۔

''اس اچھی لڑکی کو اور کوئی اچھا لڑکا مل جائے گا، احسن علی ہمدردی کے موڈ میں اپنی زندگی کی خوشیاں نہیں تیاگ سکتا، اسے الویرہ قیوم سے محبت ہے اور اسی کا ساتھ اس کے زندگی بھر کا حاصل ہے۔'' احسن علی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعتراف کرنے میں تاخیر نہیں کی تھی ہمیشہ کی طرح الویرہ اس اظہار محبت پر مسکرائی۔

''حقیقت اس سب کے برعکس ہے اور مجھے افسوس ہے کہ تمہارے آنے والے لمحات بہت سی تکلیف اور اذیت لائیں گے۔''

''پہیلیاں مت بجھواؤ الویرہ قیوم، احسن علی کی محبت کو آزمانے کی بات کر رہی ہو تو جان لو محبت آزمائش کے ہر امتحان کے مرحلے کے لئے تیار ہے۔'' الویرہ قیوم نے احسن علی کی آنکھوں میں اس سمے جنون دیکھا ایسا جنون جو عشق کی راہ گزر پر چلنے والوں کے نصیب میں تقدیر رقم کرتی ہے، مگر اس سے پہلے کہ الویرہ جواب میں کچھ کہتی وہاں کوئی اور چلا آیا تھا احسن علی نے ایک نظر آنے والے کو دیکھا جو وجیہہ و شکیل ہونے کے باوجود بھی احسن علی کو چونکا گیا تھا، شاید وہ الویرہ قیوم کی مسکراہٹ کا وہ بے ساختہ پن تھا جو اسے دیکھتے ہی الویرہ قیوم کے چہرے پر پھیل گیا تھا، محبت ہیرے کی کنیوں کی مانند الویرہ قیوم کی آنکھوں میں چمک رہی تھی۔

''یہ اظفر ہے احسن۔'' الویرہ نے تو بظاہر تعارف کی رسم نبھائی تھی مگر جانے کیوں احسن علی کا دل گہرے پاتال میں گر گیا تھا۔

''اور یہ احسن علی ہوں گے یقیناً، جنہوں نے دو سال میری غیر موجودگی میں تمہاری دلجوئی کی۔'' اظفر کے لہجے کی استقامت نے احسن علی کے قدموں کو متزلزل کر دیا تھا، جبکہ الویرہ اس قدر درست قیاس آرائی پہ مسکرا رہی تھی۔

''ہاں یہ احسن علی ہے، میرا بہت اچھا اور دردمند دوست تمہاری غیر موجودگی میں اس نے مجھے بالکل بھی بور نہیں ہونے دیا، میری تنہائی اور اکیلے پن کو بہت خوبصورتی اور محبت سے ختم کیا اور سب سے بڑی بات ڈیڈی کو سنبھالنے میں میری بہت مدد کی۔'' احسن علی نے تعریف کے اس انداز کو تحیر سے دیکھا الویرہ قیوم نے اس صرف دوست کیوں بتایا تھا یہ کیوں نہیں کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور جلد ہی شادی کے بندھن میں بندھنے والے ہیں؟

''تھینک یو سو مچ احسن علی، میری الویرہ کا خیال رکھنے کے لئے۔'' اظفر دو قدم آگے مصافحہ کے لئے بڑھا مگر احسن علی تعجب کے باعث ہاتھ آگے بڑھ نہیں سکا، یہ کسی مبہم اور غیر فہم باتیں تھیں جو احسن علی جیسے ذہین اور لائق فائق بندے کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہی تھیں۔

''تم نے اسے سچ بتا دیا الویرہ۔'' اظفر نے بہت بے تکلفی سے اس کے کندھے پر اپنے بازو حمائل کیے بے تکلفی کے اس مظاہرے پر احسن علی کی غیرت پھڑ پھڑا کے رہ گئی تھی، قریب تھا کہ وہ اس کا گریبان پکڑ لیتا اگر محبت زندہ رہتی تو......؟

''نہیں ابھی تو نہیں مگر احسن کو آج اسی غرض سے بلوایا تھا، سوچا تمہاری بھی ملاقات ہو جائے گی اور میں اسے حقیقت بھی بتا دوں گی۔''

''الویرہ...... کیا تم مجھے کچھ بتاؤ گی کہ یہ آدمی کون ہے اور ہمارا ٹائم کیوں ویسٹ کر رہا ہے؟'' احسن علی کے ضبط کا پیمانہ چھلک گیا تھا۔

''ریلیکس احسن، میں تمہیں بتانے ہی والی تھی۔'' الویرہ نے اپنے نرم خو لہجے میں اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی۔

''یہ اظفر عباس ہیں، میرے ہزبینڈ۔''

الویرہ قیوم نے دھماکہ کیا تھا احسن علی کے وجود کے پرخچے اس کی عزت نفس کے چیتھڑے اس دھماکے میں بہت دور تک گرے تھے، احسن علی بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹا۔

''میں نے تمہیں آج اسی لئے بلوایا تھا احسن، پلیز مجھے غلط مت سمجھنا مگر یہ سب کرنا میری مجبوری تھی اگر یہ سب نہ کرتی تو اظفر کو کھو دیتی جس کا حوصلہ میرے اندر کبھی بھی نہیں تھا، ڈیڈ کو اظفر پسند نہیں تھا جبکہ ہم دونوں یونیورسٹی سے ساتھ ساتھ تھے، اظفر کی فیملی تین بار رشتہ لے کر آئی مگر ڈیڈ نے انکار کر دیا، انہوں نے شرط رکھ دی کہ اگر میں نے اظفر سے تعلق نہیں توڑا تو وہ مجھے اپنی جائیداد سے عاق کر دیں گے، مجبوراً مجھے اور اظفر کو کورٹ میرج کرنا پڑی پھر یہ باہر چلا گیا اور ڈیڈی کی اعتماد میں لینے کے لئے میں نے تم سے مراسم بڑھائے کیونکہ میں جانتی تھی کہ تم ڈیڈ کے فیورٹ ورکر ہو، پلیز مجھے غلط مت سمجھنا میں تو صرف۔'' مگر احسن کمال نے اس کی بات مکمل نہیں ہونے دی تھی۔

''اب...... اب الویرہ قیوم اوہ سوری اب الویرہ اظفر عباس کیا چاہتی ہے مجھ سے؟'' ضبط کے آخری کڑے جان بلب مراحل سے گزرتے اس نے بڑی دقت سے خود کو کچھ کہنے کے لئے آمادہ کیا تھا۔

''کچھ نہیں، ڈیڈ تمہاری وجہ سے اتنا مطمئن اور خوش ہو گئے کہ اپنی ساری جائیداد میرے نام ٹرانسفر کر دی، اب کوئی فکر نہیں میں آسانی سے اپنا اور اظفر کا نکاح ڈکلیئر کر دوں گی، ہم لوگ کل شام کی فلائیٹ سے امریکہ جا رہے ہیں وہاں عید کے بعد ہمارا ریسپشن دیا جائے گا، مگر جانے سے پہلے میں تم سے مل کر تمہارا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ تم سے معافی بھی مانگنا چاہتی تھی، افتنہ بہت اچھی لڑکی ہے احسن، میں نے ہمیشہ اس کی آنکھوں میں تمہارے لئے محبت دیکھی ہے جو نور بن کر اس کے پورے وجود کو روشن کیے رکھتی ہے، اسے اپنا کر خوش قسمت ترین لوگوں کی فہرست میں اپنا نام ضرور لکھوا لینا۔''

کتنی عجیب بات تھی محبت کا فریب دینے والی اسے محبت سکھانے اور محبت پانے کا گر سمجھا رہی تھی احسن علی نے استہزائیہ انداز میں اس کے چہرے کی طرف دیکھا جو چند لمحے پہلے دنیا کا خوب صورت ترین چہرہ تھا۔

''تم کچھ نہیں کہو گے احسن، کچھ تو کہو۔'' الویرہ کو اس کی خاموشی سے الجھن ہوئی جو وحشت بن کر پورے ماحول پر چھانے لگی تھی، احسن علی نے محبت کی قاتل کو ایک نظر دیکھا اور روتے کرلاتے دل کو تھپکا۔

''احسن!'' الویرہ نے پھر پکارا تھا۔

''شادی مبارک ہو۔'' یہ کہہ کر احسن علی لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا اور اب پچھلے تین گھنٹے سے وہ پارک کے اس تاریک گوشے میں بیٹھا، بچوں کی مانند پھوٹ پھوٹ کے رو رہا تھا، عزت نفس اور باشعور ہونے کے باوجود وہ بھی الویرہ قیوم کی، کی گئی زیادتی پر احتجاج نہیں کر پایا تھا، وہ چیخ چلا نہیں سکا وہ الویرہ قیوم کو برا بھلا بھی نہیں کہہ سکا، جس لڑکی نے اسے محبت کرنا سکھائی تھی اس سے وہ نفرت نہیں کر پایا اور اس نے اعتراف کیا تھا کہ وہ اس سے کبھی بھی نفرت نہیں کر پائے گا۔

☆☆☆

وہ شکستہ پا گھر کی دہلیز پر آن رکا، سوئی جاگی کیفیت میں بیٹھی افتنہ قدموں کی آہٹ پر چونک کر سیدھی ہوئی، دوپٹہ شانوں پر پھیلاتے اس نے گیلری میں قدم رکھے اور بغیر پوچھے دروازہ وا

کر دیا، احسن علی نے اس کے چہرے پر آنے والی چمک اور اطمینان کی لہر کو دیکھا، اسے یاد آیا وہ اکثر اسے کہا کرتی تھی، جب وہ اسے یوں بغیر پوچھے دروازہ کھولنے پر ٹوکا کرتا تھا۔

''دروازہ بغیر پوچھے مت کھولا کرو، یہ کراچی ہے اور یہاں کے حالات سے تم واقف نہیں ہوئی ابھی تک۔''

''آنے والے کی آہٹ اس کے قدموں کے نشانوں کی خبر دے دیا کرتی ہے احسن علی۔''
اسے غصہ آتا تھا اس کی باتیں اکثر اس کے لئے بہت واضح ادراک بخشنے کو تیار کھڑی ہوتی تھیں۔

''یہ سب افسانوی باتیں ہیں۔'' وہ سر کو جھٹکا دے کر نفی کرتا، مسکراہٹ افتنہ احمد کے چہرے پر گہری ہر جاتی۔

''اور افسانوں میں کچھ بھی جھوٹ نہیں ہوتا، افسانوں میں دل کی سچائیاں اور حقائق کی ہوتی ہے اور صاحب نظر بس ایک جملے سے حقیقت جان لیتے ہیں بس دیکھنے والی نظر ہونی چاہیے۔'' وہ مزے سے کہتی تھی۔

''اور آج اتنے عرصے کے بعد یکلخت تقدیر نے اسے ادراک بخش دیا تھا۔'' احسن علی کے ڈگمگاتے قدموں میں طاقت پھر پھیری بن کے دوڑی، جبکہ اس کی سوچ سے غافل افتنہ نے اس کے چہرے کی بربادی کو دل پکڑ کر دیکھا، اس کی آنکھوں کی ویرانی اور وحشت بہت سے دکھ عیاں کر رہی تھیں اس کے چہرے کا اضطراب تھکن، مایوسی پچھتاوا بے سکونی اور دکھ افتنہ کو دکھی کر گئے تھے، وہ اپنی جگہ تھم سی گئی، دونوں ایک دوسرے کے بارے میں سوچتے ایک دوسرے کے سامنے کھڑے رہے، خاموشی ہمکلام تھی اور سسکتی ہوئی لٹی پٹی محبت دروازے کی اوٹ میں دبکی افتنہ احمد کی ہیرے جیسی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی، نجانے کتنی دیر گزر گئی، افتنہ نے اسے دہلیز پر جمے کھڑا دیکھا۔

''اندر آ جائیں احسن، آج تو بہت دیر لگا دی۔'' وہ پلٹ کر راہداری میں چلنے لگی، احسن علی حال میں لوٹا خود کو سنبھالا اور اس کے قدموں کے نشان پر اپنے قدم رکھ دیے، پہلی بار اس کے چلتے چلتے دل نے سکون کی لہر دل میں اترتے محسوس کی پھر جانے کس احساس کے تحت پوچھ ڈالا۔

''تم تو یوں پوچھ رہی ہو جیسے میری بیوی ہو۔'' افتنہ احمد نے پلٹ کر احسن علی کے چہرے کی طرف دیکھا اور مسکرا دی، احسن علی کو اس مبہم مسکراہٹ میں چھپے مفہوم کو ڈھونڈنے میں دلچسپی ہوئی۔

''ضروری نہیں کہ خیال صرف بیوی ہی رکھے اور استفسار کا حق بھی صرف بیوی کو ہی حاصل ہو۔''

''مگر میں تو یہ حق صرف اپنی بیوی کو ہی دینا چاہوں گا۔'' افتنہ احمد رکی ضرور مگر پلٹی نہیں۔

''جب بیوی آ گئی تب افتنہ احمد استفسار نہیں کیا کرے گی۔'' یہ کہہ کر وہ بھاری دل لئے کچن میں چلی گئی، سحری کروانے کے بعد نماز فجر میں بیٹھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی، دکھ تو کوئی نہیں تھا مگر جانے کیوں دل بھر بھر کے آ رہا تھا اور جب وہ جائے نماز لپٹ کر اٹھی تب ہلکی پھلکی تھی تبھی اس کے دروازے پر دستک ہوئی تھی، وہ چونک گئی تھی۔

''کون؟ اندر آ جائیں دروازہ کھلا ہے۔''
اسے لگا ابا میاں ہوں گے مگر وہ احسن علی کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران ہوئی تھی جوان چند برسوں میں پہلی بار اس کے کمرے میں آیا تھا۔

''آپ خیریت کچھ چاہیے تھا کیا؟'' احسن علی اندر بڑھ آیا بولا کچھ نہیں۔

''کبھی کبھی ہم کچھ فیصلے کرنے میں اتنا وقت

لگا دیتے ہیں کہ جب ان فیصلوں کے کرنے کا وقت آتا ہے تو مقابل کو لگتا ہے کہ ہم نے یہ فیصلہ کس صلہ رحمی یا ہمدردی کے چکر میں کیا ہے، میں یہاں تمہیں غلط کہنے نہیں آیا نہ ہی اپنی صفائی دوں گا، ہاں بس مجھے یہ اعتراف کرنا ہے کہ اب اس وقت درست فیصلہ کرنے میں مجھے بہت وقت نہیں لینا، یہ کچھ پیسے ہیں رکھ لو، افطاری کے بعد میرے ساتھ چلنا عید کے دوسرے دن ہماری شادی ہو گی اور عید کے تیسرے دن شاندار سا ولیمہ، تمہاری مرضی اس لئے نہیں پوچھ رہا کہ مجھے اب تمہارے دل کی خبر ہو گئی ہے اور ویسے بھی اب میں صرف اپنے دل کی سننا چاہتا ہوں جو مجھے ایک عرصے سے تمہارے لئے گرین سگنل دے رہا تھا، خیر شادی پر اپنے سارے ارمان نکالنا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ بعد میں ساری زندگی تم مجھے طعنہ دو کہ میں نے شادی پر تمہارے ارمان پورے نہیں کیے اور زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے اپنا منہ بند کر لو ورنہ ساری مکھیاں اندر چلی جائیں گی۔'' اور افتنہ احمد نے بے ساختہ اس سے منہ بند کر لیا تھا، اس قدر فرمانبرداری پر احسن علی نے اسے مسکرا کر دیکھا تھا پھر شرارت سے کہہ بھی دیا تھا۔

''ماشاء اللہ، اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے اور تمہیں ساری زندگی ایسا ہی فرمانبردار بنائے رکھے۔'' وہ دو قدم اس کے قریب بڑھ آیا تھا، افتنہ کی نگاہیں مارے شرم کے جھک سی گئیں۔

''اور کسی نے ٹھیک ہی کہا تھا تم واقعی میں بہت پیاری اور اچھی لڑکی ہو، بس اپنا ظرف میرے معاملے میں تھوڑا بڑا اور وسیع رکھنا کہ ابھی زخم تازہ ہیں گھاؤ بھرنے اور اعتبار کرنے میں تھوڑا وقت تو لگے گا ہی۔''

''آپ بالکل بھی فکر مت کریں احسن علی، میں آپ کو وہ پورا وقت دوں گی اور میرا وعدہ ہے کہ دھوکہ باز محبت کے اس گھاؤ کو میں اپنی محبت کی سچائی سے بھر دوں گی اور آپ کو اپنی محبت میں اس قدر گم کر دوں گی کہ پچھلی محبت آپ کو کبھی یاد ہی نہیں آئے گی، آپ ایک نیا جنم لیں گے اور میری ہمراہی آپ کو خود پر فخر کرنا سکھا دے گی۔''

افتنہ احمد نے یہ سب سوچا ضرور کہا تھا مگر کہا نہیں کہ اس پر اسے عمل کرنا تھا، احسن علی کچھ نہ بھی کہتا مگر اس کی آنکھیں سب کہتی تھیں اور افتنہ احمد کا ظرف اور وصف بہت بلند اور وسیع تھا اس نے کبھی اظہار نہیں کرنا تھا کہ احسن علی کے ماضی اور محبت میں لگنے والی ٹھوکر سے باخبر ہے، اس کے جانے کے بعد اس نے دوبارہ نوافل ادا کیے یہ نوافل شکرانے کے تھے کہ اس ماہ رمضان نے اسے زندگی کی بے پایاں محبت دامن میں ڈال کر خوش نصیب بنا دیا تھا، یقیناً یہ عید اور آنے والی ہر عید اس کی بہت اچھی اور خوش و خرم گزرانے والی تھی کیونکہ اللہ اپنے پیاروں کو یونہی ہمیشہ دل کھول کے نوازا کرتا ہے اور صبر ہمیشہ رنگ لایا کرتا ہے، افتنہ نے مسکرا کر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

☆☆☆

ملاحظہ

ایک عورت کپڑے کی بڑی دکان میں گئی جہاں ہزاروں کی تعداد میں سلے سلائے جوڑے رکھے تھے وہ دیر تک کپڑوں کو دیکھتی رہی پھر مایوسی سے بولی۔
''بس آپ کے پاس یہی کچھ ہے؟''
سیل گرل نے مودبانہ جواب دیا۔
''محترمہ میرے بدن کا بھی جوڑا ملاحظہ فرما لیجیے۔''

بند مٹھی میں خواہش

معصومہ منصور

رات ہمیشہ کی طرح سیاہ تھی، ستارے ویسے ہی آسمان پر نکلے تھے جیسے ہر روز نکلتے تھے، چاند اپنی پسندیدہ جگہ پر ٹھہرا مسکرا رہا تھا، سرد ہوا روز کی طرح ادھر سے ادھر گھومتی پھر رہی تھی، کہیں بھی تو کچھ تبدیلی نہیں آئی تھی، ہاں بدلی تھی تو صرف اس کی ذات، ٹوٹ کر بکھرا تھا تو صرف اس کا وجود اور جب اپنے وجود کی بکھری کرچیوں پر چلتے چلتے اس کے پاؤں لہولہان ہو گئے اور ندامت کا بوجھ اٹھانا بے حد مشکل ہو گیا تو وہ وضو کرنے چل پڑی۔

''یا الٰہی! تو رحم کرنے والا ہے رحم فرما، یا الٰہی! تو بخشنے والا ہے، اپنے کرم کی بخشش دے مجھے، یہ کیسی بھول ہو گئی مجھ سے، ایک ہی خواہش کو مٹھی میں بند کیے اندھیروں میں بھٹکتی رہی، یہ حق تو تیرا ہے یا رب کہ مجھے چاہا جائے، تیری بندگی کی جائے اور صرف تجھ سے ہی محبت کی جائے، میں سب جانتے بوجھتے بھی راستہ بھٹک گئی، ہر لمحہ ہر پل تیری نافرمانی کرتی رہی پھر بھی تو نے میری مدد کی، میری حفاظت کی، تیری رحمت کتنی وسیع ہے یا رب اور تیری عظمت کی کوئی مثال نہیں مجھے معاف کر دے یا رب، مجھے معاف کر دے۔'' وہ دونوں ہاتھ اٹھائے جائے نماز پر بیٹھی اپنے رب سے التجائیں کر رہی تھی اور آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر اس کا دوپٹہ بھگو رہے تھے۔

ذہن کے بہت زور دینے کے باوجود بھی جب سورۃ کوثر اور سورۃ اخلاص کے علاوہ کوئی تیسری سورۃ یاد نہ آئی تو وہ انہیں ہی بار بار دوہرانے لگی، آہستہ آہستہ اس کا وجود لرزنے لگا اور ہچکیوں نے قطار باندھ لی تو وہ ''اللہ اکبر'' کہتی سجدے میں گر گئی اور اپنے رب کے حضور التجائیں کرنے لگی، اشک ندامت اور بھی تیزی سے بہنے

مکمل ناول

لگے تھے۔

☆☆☆

''اساور! اب بس بھی کر دو، فنکشن شروع ہونے والا ہو گا، اب تک تو ''ارحم خان'' بھی پہنچ چکا ہو گا، میں تو سوچ رہی تھی تم صبح سے ہی اس کے انتظار پلکیں بچھائے بیٹھی ہوں گی، مگر یہاں تو تمہاری اپنی تیاری ہی مکمل ہونے میں نہیں آ رہی۔'' فاطمہ کی بیزاری اپنے عروج پر پہنچی ہوئی تھی اور وہ پچھلے پندرہ منٹوں سے کچھ نہ کچھ بولے جا رہی تھی مگر اساور پر اس کی کسی بات کا کوئی اثر نہ تھا وہ نہایت اطمینان سے اپنی آنکھوں کا میک اپ کر رہی تھی۔

''سچ اساور! اتنا میک اپ تو سنڈریلا نے کبھی خواب میں بھی نہیں کیا ہو گا جتنا تم اب تک کر چکی ہو۔'' اس کی لاپرواہی نے فاطمہ کو مزید تپا دیا۔

''یار یہ وی آئی پی لوگ اور سنگرز کبھی ٹائم پر نہیں آتے، دیکھ لینا ابھی کوئی نہیں آیا ہو گا اور مہمان خصوصی کی آمد کے بنا فنکشن شروع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' اس نے مہارت سے آنکھوں کا آئی شیڈ مکمل کیا اور آئی لائنر اٹھا لیا۔

''میں پوچھتی ہوں بھلا تمہیں اتنے میک اپ کی ضرورت ہی کیا ہے تم تو بغیر میک اپ کے بھی اتنی خوبصورت لگتی ہو کہ جو ایک بار دیکھ لے مڑ کر ضرور دیکھتا ہے۔'' فاطمہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا، اس کی بات پر اساور دلکشی سے مسکرا دی۔

''میں جانتی ہوں کہ میں خوبصورت ہوں، مگر کالج میں خوبصورت لڑکیوں کی کمی نہیں اور میں چاہتی ہوں کہ اس کی نظر کہیں اور نہ جا سکے، میرے چہرے کے علاوہ اسے کوئی اور چہرہ نظر ہی نہ آئے۔'' اس نے جذبات سے مغلوب آواز میں کہا اور مسکارا اٹھا کر لگانے لگی۔

فاطمہ جانتی تھی کہ وہ یہ سب کس کی وجہ سے کر رہی تھی، اس نے آج تک کبھی کسی کالج فنکشن میں حصہ نہیں لیا تھا مگر جیسے ہی اسے ارحم خان کے گیسٹ ہونے کا پتہ چلا تھا وہ نہ صرف خود جا کر ''سنڈریلا پلے'' کے لئے اپنا نام لکھوا آئی بلکہ اس نے سنڈریلا کے کردار پر دن رات محنت بھی کی تھی، اپنی دوست کے جذبات سے واقف ہونے کے باوجود فاطمہ اسے روکنا چاہتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ راستہ بہت کٹھن اور دشوار ہے اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی دوست انجان راہوں کی مسافر بنے۔

''یہ تو پاگل پن ہوا بھئی۔'' فاطمہ نے چڑ کر کہا۔

''تم اسے میرا پاگل پن سمجھو یا کچھ اور مگر میری تو یہی خواہش ہے کہ جتنی شدت سے میں اسے چاہتی ہوں وہ بھی اتنی ہی شدت سے میرا طلب گار بنے اور آج جب خدا مجھے یہ موقع دے رہا ہے کہ میں اسے متوجہ کر سکوں تو میں اسے کھونا نہیں چاہتی۔'' اساور نے پرسوچ نظروں سے آئینہ میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے کہا تو فاطمہ یک ٹک اسے دیکھنے لگی۔

کیا تھی یہ لڑکی بھی بہت باوقار اور انا پرست تو کبھی اپنے قیمتی جذبے بے مول لوٹانے والی، کسی نے سچ کہا ہے کہ انسان کو سمجھنا بے حد مشکل ہے۔

''یار! تم آج تو اس عبائے کو گھر رکھ آتیں۔'' اساور نے گویا موضوع تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

''وہ کس لئے بھلا؟'' فاطمہ نے ابرو اچکائی۔

''ظاہر ہے، آج اتنا بڑا فنکشن ہے، پورا کالج اکٹھا ہو گا۔'' وہ پلکوں پر مسکارے کا دوسرا کوٹ کرنے لگی۔

''مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا، کیونکہ میں یہ عبایا لوگوں کو دکھانے کے لئے نہیں پہنتی، بلکہ اللہ کی رضا کے لئے پہنتی ہوں۔'' فاطمہ نے نہایت پرسکون لہجے میں کہا اور کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

اس کے جواب پر اساور ساکت رہ گئی، مسکارا لگاتا اس کا ہاتھ ہوا میں معلق ہو کر رہ گیا، اسے لگا جیسے فاطمہ نے اسے جتایا ہو، اس نے گردن گھما کر فاطمہ کے پرسکون چہرے کو دیکھا، تیزی سے مسکارا بند کر کے ڈریسنگ ٹیبل پر ڈالا اور ''آؤ چلیں'' کہتے ہوئے کمرے کا دروازہ عبور کر گئی، فاطمہ نے چونک کر آنکھیں کھولیں، حیرت سے کمرے سے باہر جاتی اساور کو دیکھا پھر شانے اچکاتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑی، نصف گھنٹہ کی ڈرائیو کے بعد وہ دونوں کالج گیٹ پر تھیں، اساور کا اندازہ بالکل غلط ثابت ہوا تھا نہ صرف مہمان خصوصی آئے ہوئے تھے بلکہ فنکشن بھی اپنے مقررہ وقت پر ہی شروع ہوا تھا، انچارج ثمینہ اس کے دیر سے آنے پر بے حد خفا تھی، مگر جلد ہی ڈرامہ میں اس کی اداکاری دیکھ کر اس کی ساری خفگی ختم ہو گئی، اساور مکمل طور پر سنڈریلا کے کردار میں گم ہو گئی تھی، کہیں سے بھی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ اداکاری کر رہی ہے، سنڈریلا لباس شاید ہی کسی اور پر اتنا خوبصورت لگا ہو جتنا اساور پر لگ رہا تھا اور جب اسٹیج پر اسے اپنا پرائز لینے کے لئے بلایا گیا تو پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا، لڑکے اور لڑکیاں کھڑے ہو ہو کر اسے داد دینے لگے۔

ارحم خان نہایت پرشوق نظروں سے اسے اسٹیج پر آتا دیکھ رہا تھا، کتنا انتظار کیا تھا اس نے اس لمحے کا، کتنی محنت کی تھی اس نے اپنے کردار کو نبھانے کے لئے اور اس کی محنت رائیگاں نہیں گئی تھی، وہ ارحم خان کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی، وہ تعریف کر رہا تھا اس کی اور اس کی اداکاری کی اور ارحم خان کی بے حد مسکراتی نظروں سے وہ کنفیوژ ہو گئی تھی، اپنا پرائز پکڑتے ہوئے ایک لمحہ کے لئے اس کی نظریں ارحم سے ملیں، نجانے پلکوں پر کہاں سے اتنا بوجھ آ گرا کہ اٹھ ہی نہیں رہیں تھیں بامشکل ''تھینکس'' کہہ کر وہ ایک سرشاری کی کیفیت میں اسٹیج سے نیچے اتر آئی، فنکشن کے اختتام پر ارحم خان نے اپنا پسندیدہ سونگ گایا اور گانے کے اختتام پر جیسے ہی وہ اسٹیج سے اترا تمام اسٹوڈنٹس نے مل کر اسے گھیر لیا اور آٹو گراف لینے لگے، اساور بھی اپنی آٹو گراف بک لے کر تیزی سے آگے بڑھی مگر پھر رش دیکھ کر اسٹیج کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی، اسے اتنے رش میں اپنا ارحم خان تک پہنچنا بے حد مشکل نظر آ رہا تھا، اس نے سر گھٹنوں پر رکھا اور دونوں بازوان کے گرد لپیٹ لئے، چپکے سے دو آنسو آ کر پلکوں کے کناروں پر ٹھہر گئے، کچھ دیر بعد اس نے اپنے قریب ''ہیلو'' کی آواز سنی اور سر تیزی سے اٹھایا، ارحم خان اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا، وہ تیزی سے اٹھ کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔

''کیا آپ آٹو گراف نہیں لیں گی؟'' ارحم نے نہایت پرشوق انداز میں اس کی پلکوں پر ٹکے شبنم کے قطروں کو دیکھا۔

''ج..... جی۔'' اس نے گھبرا کر بک سامنے کی، جسے تھام کر ارحم نے آٹو گراف لکھا اور واپس لوٹا دی، پھر اپنے ساتھ موجود سٹوڈنٹس سے باتیں کرتا ہوا پرنسل آفس کی جانب چل پڑا، اساور وہیں کھڑی اسے خود سے دور جاتے دیکھنے

لگی۔

”اب وہ کبھی دوبارہ ارحم خان سے نہ مل سکے گی۔“ اس خیال کے آتے ہی اس کا دل بجھ گیا اور باقی سارا وقت وہ بے حد اداس دل کے ساتھ اِدھر اُدھر پھرتی رہی، گھر پہنچ کر جب اس نے آٹوگراف بک کھولی تو اس میں ایک وزیٹنگ کارڈ رکھا ہوا پایا، وہ حیران رہ گئی۔

”یہ کب ارحم نے اس میں رکھا ہو گا۔“ اسے قطعی اندازہ نہ ہوا، جو بھی تھا اس کا دل ایک انجانی خوشی سے بھر گیا تھا، بے اختیاری میں اس نے اپنے لب کارڈ پر رکھ دیئے اور پھر اپنی اس حرکت پر وہ خود ہی دیر تک ہنستی چلی گئی، وہ جب بھی کارڈ نکال کر دیکھتی اسے ارحم یاد آتا، کبھی پرشوق نظروں سے اسے دیکھتا ہوا تو کبھی مسکرا کر آٹوگراف دیتا ہوا، دن میں کئی کئی بار وہ اس کا نمبر ملاتی اور پھر رنگ جانے سے پہلے ہی کال منقطع کر دیتی، نجانے وہ کون سا جذبہ تھا جو اسے کال ملانے سے روک رہا تھا، اپنی اس کیفیت کو وہ خود بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی، پھر ایک دن وہ ہمت کر بیٹھی، آج اتوار کا دن تھا اور صبح کے دس بجے تھے، اس نے کال ملائی۔

”ہیلو۔“ دوسری جانب نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

”ارحم...... ارحم خان۔“ وہ ہچکچائی۔

”جی...... جی...... میں بول رہا ہوں بات کیجئے۔“ دوسری جانب وہ ایک دم الرٹ ہوا تھا۔

”میں اساور بات کر رہی ہوں، وہ اس دن آپ ہمارے کالج فنکشن میں آئے تھے ناں؟“ وہ پھر ادھوری بات کر کے خاموش ہو گئی۔

”جی...... جی...... اساور...... مجھے تو سب یاد ہے، میں تو کب سے منتظر تھا، آپ کی کال کا، لگتا ہے انتظار کروانا بہت پسند ہے آپ کو؟“ وہ اب مکمل طور پر بیدار ہو چکا تھا۔

”ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ اس بار اس کی آواز میں اعتماد تھا۔

”چلیئے میری خوش نصیبی ہے کہ آپ نے اس کارڈ کی لاج رکھ لی، آپ نے برا تو نہیں مانا، میں نے بغیر اجازت وہ کارڈ آپ کی بک میں رکھا۔“ اس نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

”نہیں...... نہیں...... سچ بتاؤں تو مجھے کارڈ دیکھ کر بے پناہ خوشی ہوئی تھی۔“

”آ...... ہاں۔“ دوسری جانب وہ مسکرایا۔

”آپ سوچ بھی نہیں سکتے، میں آپ کی کتنی بڑی فین ہوں۔“ موبائل کان سے لگائے اس کی نظریں کمرے میں اِدھر اُدھر بھٹکنے لگیں، صوفے پر رکھے ٹیڈی بیئر، قالین پر رکھے کشنز، بطخ کے چھوٹے مجسمے، ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے پرفیومز پر سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں دیوار پر آویزاں دو خوبصورت گلابوں کی پینٹنگ پر جا ٹھہریں۔

”آپ سے ملنے کی، آپ سے بات کرنے کی کتنی خواہش تھی مجھے اور آج میں بہت خوش ہوں کہ میری خواہش پوری ہو گئی۔“

”میں نے کس انجانے جذبے کے تحت وہ کارڈ اس بک میں رکھا تھا یہ تو میں خود نہیں جانتا، مگر اب لگتا ہے کہ جو بھی ہوا اچھا ہوا، مجھے اپنے باذوق، ٹیلینٹڈ اور خوبصورت فین سے مل کر خوشی ہوئی۔“ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں باتیں کرتا وہ اساور کے کانوں میں رس گھولنے لگا اور وہ اس کی باتوں کے زیر اثر اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔

پھر وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا، تمیں منٹوں کے بعد جب اس نے ”اللہ حافظ“ کہا تو وہ مکمل طور پر مطمئن ہو چکی تھی، کیوپڈ کا تیر ہمیشہ کی طرح اس بار بھی نشانے پر لگا تھا اور وہ جان چکی

تھی کہ جس یکطرفہ آگ میں وہ جل رہی تھی اس نے اب ارحم کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

☆☆☆

وہ اکثر خود بخود گنگناتی اور مسکراتی رہتی، چاہنا اور چاہے جانے کس قدر خوبصورت ہوتا ہے یہ صرف وہی جان سکتے ہیں جو خود اس جذبے کو محسوس کرتے ہیں، منٹ گھنٹوں میں بدلنے لگے اور گھنٹے بڑھنے لگے، پھر بات ملاقاتوں تک جا پہنچی، وہ کالج سے نکل کر دائیں بائیں دیکھنے لگی۔

بائیں ہاتھ سے کتابیں سنبھالتے ہوئے اس نے دایاں ہاتھ اوپر اٹھایا اور کلائی پر بندھی گھڑی میں ٹائم دیکھا، گھڑی کی سوئیاں دو بج کر پانچ منٹ بجا رہی تھیں، یہ کالج کا چھٹی ٹائم تھا، گیٹ پر موجود گاڑیوں میں سے ایک بار پھر اس نے اپنی مطلوبہ گاڑی تلاش کرنی چاہی۔

”آپ کو ارحم صاحب بلا رہے ہیں۔“ سفید یونیفارم میں ملبوس ڈرائیور نے اس کے قریب آ کر کہا تو اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا، ڈرائیور واپس مڑ گیا تو وہ بھی اس کے پیچھے چلنے لگی۔

دائیں جانب پہلی گلی میں ایک سیاہ مرسڈیز کھڑی تھی، ڈرائیور نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

وائٹ پینٹ کے ساتھ فیروزی شرٹ پہنے اور آنکھوں پر سن گلاسز لگائے ارحم اپنی پوری وجاہت کے ہمراہ اس کا منتظر تھا، اس نے پہلے کتابیں گاڑی میں رکھیں پھر خود بیٹھ گئی۔

”کیسی ہو؟“ ارحم نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

”فائن...... آپ کیسے ہیں؟“ وہ گاڑی ریورس کر کے مین روڈ پر لے آیا اور بولا۔

”ہمیشہ کی طرح اچھا۔“ اس کے جواب پر وہ مسکرا دی۔

”کہاں چلیں؟“ اس نے سن گلاسز اتار کر ڈیش بورڈ پر رکھ دیئے۔

”سی ویو۔“ اساور نے سوچنے میں ایک لمحہ نہ لگایا۔

”پبلک پلیسز پر جانا، میرے لئے تھوڑا مسئلہ بنتا ہے۔“

”یو نو...... کہ لوگ مجھے پہچانتے ہیں تو۔“ ارحم نے ٹھہر ٹھہر کر کہتے ہوئے اس کی جانب دیکھا، وہ خاموشی سے سامنے سیاہ سڑک کو دیکھ رہی تھی، ارحم نے گہرا سانس لے کر گاڑی سی ویو جانے والی سڑک پر ڈال دی، دس منٹ بعد وہ سی ویو پر تھے۔

ارحم نے ایک جگہ رش دیکھ کر گاڑی پارک کی اور پھر اتر کر آہستہ آہستہ پیدل چلتے ہوئے سمندر کی جانب بڑھنے لگے موسم بے حد خوشگوار تھا، تیز ہوا چل رہی تھی، سورج اور بادل کے درمیان آنکھ مچولی جاری تھی، کبھی بادل چھا جاتے تو کبھی سورج اپنی سنہری کرنیں بکھیر دیتا، دونوں خاموشی سے چلتے ہوئے رش سے دور ایک الگ جگہ پر آ گئے، جہاں سمندر کی لہریں بڑے بڑے پتھروں سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھیں، اساور رک کر آتی جاتی لہروں کو دیکھنے لگی، جن پر چمکتی دھوپ بے حد بھلی محسوس ہو رہی تھی، جبکہ ارحم آگے بڑھ کر ایک اونچے سے پتھر پر جا بیٹھا اور آنکھیں بند کر کے سرد ہوا کو محسوس کرنے لگا، کچھ دیر بعد اساور آئی اور اس کے قریب بیٹھ گئی، ارحم کے وجدان نے اس کی خوشبو کو محسوس کیا تو آنکھیں کھول کر بے حد نرمی اور تکن سے اس کی جانب دیکھنے لگا، سفید یونیفارم میں وہ معصوم سی گڑیا لگ رہی تھی، سیاہ گھنے بالوں کی سادہ سی چٹیا اس کی کمر سے نیچے جا

رہی تھی اور چٹیا سے نکلنے والی لٹیں اس کی گردن اور رخساروں سے کھیل رہی تھیں۔

''میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں آپ کا ہاتھ پکڑے سمندر میں بھاگتی جا رہی ہوں۔'' اس نے آنکھیں بند کر کے ایک جذبے کے عالم میں کہا، جیسے اس خواب کو محسوس کر رہی ہو۔

ارحم نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔

''چلو آؤ، پھر تمہارے خواب کو سچ کرتے ہیں۔''

''نہیں۔'' اساور نے سختی سے کہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں اور اس کے چہرے پر خوف پھیل گیا۔

''نہیں...... مگر کیوں؟'' اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

''سمندر کے درمیان میں پہنچ کر میں تنہا رہ گئی تھی اور آپ کہیں کھو گئے تھے، میں دونوں ہاتھ آسمان کی جانب پھیلا کر رونے لگی تھی، میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی ارحم۔'' خوف اب اس کی آواز میں سرائیت کر گیا تھا، اس کی بات پر ارحم ہنستا چلا گیا، اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا اور سمندر کی جانب دوڑنے لگا، دونوں کے پاؤں اس طرح اکٹھے اٹھنے لگے جیسے ازل سے ہی ساتھ چلتے آ رہے ہوں۔

''دیکھو! میں تو کہیں نہیں کھویا۔'' وہ کافی آگے نکل آئے کہ پانی ان کے گھٹنوں سے بھی اوپر پہنچ گیا تو ارحم نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر گھما ڈالا۔

اساور نے اپنے دونوں ہاتھ چھڑائے اور آسمان کی جانب پھیلا کر ہنستی چلی گئی۔

''کچھ خوابوں کی تعبیر الٹ بھی ہو جایا کرتی ہے۔'' ارحم نے محبت سے اس کی جانب دیکھا۔

بادل زور سے گرجا اور پانی ننھی ننھی بوندوں کی مانند ان پر برسنے لگا، وہ جلدی سے سمندر سے نکلے اور واپس گاڑی میں آ بیٹھے، آہستہ آہستہ بارش کا زور بڑھنے لگا، اساور نے اس کا بازو پکڑ کر روکا اور پھر کھڑکی سے باہر نظر آنے والے سمندر کی جانب اشارہ کیا۔

بارش کی بوندیں سمندر کی سطح پر پڑتیں اور چھوٹے چھوٹے گول دائرے بناتے ہوئے سمندر میں جذب ہو جاتیں، دونوں مبہوت ہو کر یہ منظر دیکھنے لگے۔

''اساور! کیا تم پہلی نظر کی محبت پر یقین رکھتی ہو؟'' ارحم نے کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا، اساور نے ایک لمحہ سوچا اور بولی۔

''اس منظر کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ خوبصورت چیزیں اور جذبے کتنی تیزی سے دل پر اپنا اثر چھوڑتے ہیں۔''

''ھمم...... م۔'' ارحم نے آہستہ سے ہنکارا بھرا۔

''اور آپ۔'' اس نے گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا اور چہرے پر آئی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔

''میں...... پتا نہیں۔'' ارحم نے اس کی جانب دیکھ کر آہستگی سے کہا، اساور کو اس کی آنکھوں میں الجھن نظر آئی۔

''جب انسان کو اپنے احساسات کی سمجھ نہ آئے تو بہتر ہوتا ہے کہ خود کو وقت کے دھاروں پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ اگر جذبے سچے ہوں تو وہ جلد اپنا آپ منوا لیتے ہیں۔'' اس نے اختصار سے کہا اور ایک بار پھر سمندر کی جانب دیکھنے لگی جہاں بارش کے ساتھ ساتھ اب دھوپ بھی نکل آئی تھی۔

☆☆☆

محبت کے جذبے نے بہت جلد اپنا آپ منوایا تھا اور تیسری ہی ملاقات میں ارحم نے اس کے سامنے ڈائمنڈ رنگ رکھ دی۔

''آپ کو معلوم ہے، کسی لڑکی کو رنگ دینے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟'' اس نے حیرت سے رنگ اور پھر ارحم کی جانب دیکھ کر بے حد سنجیدگی سے کہا۔

''بالکل جناب! میں ارحم خان ولد نواب زادہ حشمت علی خان، اساور رضا، دختر رضا احمد کی زندگی بھر کے لئے اپنا ہم سفر بنانا چاہتا ہوں۔'' اس کی بات پر اساور کا چہرہ ایک دم سرخ پڑ گیا۔

''یہ بات آپ کو مجھ سے نہیں بلکہ میری دادو سے کرنی چاہیے۔'' اس نے اپنے جذبات پر قابو پا کر دستوران میں اِدھر اُدھر دیکھا، اسے اس کی جانب دیکھنا مشکل لگ رہا تھا، وہاں کے علاوہ اور بھی کچھ لوگ تھے مگر کوئی بھی ان کی جانب متوجہ نہ تھا۔

''ظاہر ہے بڑوں سے تو بات کرنی ہی ہے، مگر میں پہلے تمہاری مرضی جاننا چاہتا ہوں اور یقیناً تمہیں کوئی اعتراز نہ ہو گا۔'' اس نے انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنانی چاہی مگر اساور نے ہاتھ کھینچ لیا۔

''کیا بات ہے، کیا تمہیں کوئی اعتراز ہے یا تم مجھے پسند نہیں کرتیں۔'' ارحم نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا، اسے اساور کا یوں ہاتھ کھینچنا اپنی توہین لگا تھا اور اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''بات پسند نہ پسند یا اعتراز کی نہیں ہے مگر مجھے لگتا ہے یہ بہت جلدی ہے۔'' اس نے نظریں جھکا کر ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''کیا یہ جلدی ہے؟'' وہ ناراضگی سے چلایا، وہ دونوں ہاتھ کو میز پر رکھ کر تھوڑا آگے کی جانب جھکی۔

''ناراض مت ہوئیے، ارحم، دیکھئے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں کتنا ہیں ابھی، چند فون کالز اور ایک دو ملاقاتیں...... بس۔''

''کسی کو جاننے کے لئے ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے اساور، شاید میں ہی پاگل ہوں جو چند ہی دنوں میں تم سے اتنی محبت کرنے لگا ہوں۔'' وہ اب مکمل طور پر خفا ہو گیا تھا اور یہ ناراضگی اساور کو کاٹنے لگی تھی، اس نے میز پر رکھے اپنے دونوں ہاتھ آپس میں ملے، کچھ کہنا چاہا اور پھر رک گئی، جیسے ہاں اور ناں کی کشمکش میں پھنسی ہوں۔

ارحم نے گہری نگاہوں سے اس کے تاثرات نوٹ کیے اور پھر بولا۔

''جانے دو اساور، میرا ہی دماغ خراب تھا جو میرے دل نے تمہیں پہلی نظر میں دیکھتے ہی سوچ لیا تھا کہ اگر میری زندگی کی راہ پر کوئی ہم سفر بنے گی تو وہ یہی لڑکی ہو گی ورنہ کوئی نہیں۔''

''اچھا...... ایم سوری ناں پلیز۔'' اس نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

ارحم نے خفا خفا انداز میں ایک ترچھی نظر اس پر ڈالی اور پر میز پر رکھے ٹشو پیپر کے ڈبے کو دیکھنے لگا، یعنی وہ اب بھی خفا تھا، اساور نے گہرا سانس لیا اور پھر اپنا بایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

ارحم نے اس کے بڑھے ہاتھ کو دیکھ کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا تو اساور نے اثبات میں سر ہلا دیا، اس نے میز پر رکھی انگوٹھی اٹھا کر اس کی انگلی میں پہنا دی، دونوں چند لمحے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر مسکرا دیئے۔

تبھی رستوران میں دو لڑکیاں داخل ہوئیں، دروازے پر رک کر انہوں نے خالی میز دیکھنا چاہی، ایک کی نظر ارحم پر پڑی، لڑکی نے دوسری کو ارحم کی جانب متوجہ کروایا اور وہ دونوں مسکراتے ہوئے ان کی جانب آئیں اور ارحم سے آٹوگراف لینے لگیں، ایک لڑکی جو خاصی ماڈرن

اور خوبصورت تھی ارحم سے خاصی متاثر نظر آ رہی تھی، وہ بار بار پرجوش انداز میں ارحم کے چہرے کو دیکھتی اور مسکرا مسکرا کر اس کی تعریفیں کرتی جاتی، اساور کو اس کا انداز بے حد برا لگا اور پھر جب اس نے ارحم کو امیں کی آٹوگراف بک میں اپنا وزیٹنگ کارڈ رکھتے دیکھا تو وہ بری طرح چونکی۔

''آپ نے اسے اپنا کارڈ دیا؟'' ان کے جانے کے بعد اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا، اسے لگا جیسے اس کے دل پر منوں بوجھ آ گرا ہو۔

''ہاں سوئیٹی! ماڈلنگ کا شوق تھا بیچاری کو...... اور تم جانتی ہو کہ میں صرف سنگر ہی نہیں بلکہ ایک ایڈورٹائیزنگ کمپنی کا ملک بھی ہوں، ہمیں بھی نئے چہروں کی ضرورت پڑتی رہتی ہے، اس لئے اگر میں نے اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے اپنا کارڈ دے دیا تو کیا غلط کیا، کسی کے کام آنا تو اچھی بات ہے ناں؟''

''جی...... یہ تو ہے۔'' اس نے مری مری آواز میں کہا۔

''اگر میں کسی کی ہیلپ کر سکوں اور اگر میری وجہ سے کوئی کچھ بن جاتا ہے، تو مجھے خوشی ہوتی ہے اور تم کیا ابھی سے شکی بیویوں کی مانند دیکھنے لگی ہو مجھے۔'' ارحم کی وضاحت پر اس کے دل سے منوں بوجھ ہٹ گیا اور وہ مطمئن ہو کر بھرپور انداز سے مسکرا دی۔

''آپ نے مجھے تو کبھی ماڈلنگ کے لئے

ہو، میں نے سوچا میری آفر کا کہیں تم برا ہی نہ مان جاؤ۔''

''آپ نے بالکل ٹھیک سوچا ہے، مجھے واقعی شوبز میں کوئی دلچسپی نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا، اسے خوشی تھی کہ وہ اسے جانتا تھا، سمجھتا تھا اور اس کا بے حد خیال رکھتا تھا۔

☆☆☆

تھرڈ ائیر کے امتحانات شروع ہوئے تو وہ دن رات اپنی پڑھائی میں جت گئی اور جس دن وہ اپنا آخری پیپر دے کر گھر آئی، اس نے سب سے پہلے ارحم کو کال کی، مگر دوسری جانب اس کا نمبر آف تھا۔

''ان کا نمبر آف ہے، یہ کیسے ممکن ہے، پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔'' اس کا دل بے حد مضطرب ہو گیا۔

''ہو سکتا ہے، ریکارڈنگ وغیرہ میں بزی ہوں۔'' اس نے خود کو مطمئن کرنا چاہا۔

شام تک وہ بار بار ٹرائی کرتی رہی مگر نمبر مسلسل آف تھا، اگست کے آخر تک عموماً موسم خوشگوار ہو جاتا ہے، مگر اس بار تو گرمیاں جانے کا نام نہیں لے رہی تھیں، سارا دن سورج اپنی تیز روشنی پھیلائے رکھتا اور شام ہوتے ہی بادل اپنا سفر شروع کر دیتے۔

سمندر سے آنے والی ہوا دھوپ کی تمازت کے اثر کو ختم کر دیتی، مگر اس کے اندر تو جیسے سردی گرمی کا احساس ہی ختم ہو گیا تھا، وہ بوکھلائی ... پھر ایک جگہ بیٹھ

کا فون آیا تو اس نے روتے ہوئے کہا۔

''آئی ایم سوری اساور! پچھلے کچھ دنوں میں بے حد اپ سیٹ رہا ہوں، کسی چیز کا ہوش ہی نہ تھا۔'' اس کی آواز بے حد مضمحل اور تھکی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا ارحم؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟'' وہ ساری ناراضگی بھول کر اس کے لئے پریشان ہو گئی۔

''میں تم سے ابھی اور اسی وقت ملنا چاہتا ہوں۔''

''اس وقت، رات کے دس بجے ہیں ارحم۔'' اس نے سامنے دیوار پر لگی نصب گھڑی کی جانب دیکھا۔

''ایسا کرتے ہیں، ہم صبح ملتے ہیں۔''

''پلیز انکار مت کرو اساور، میں بہت اپ سیٹ ہوں، مجھے تمہاری ضرورت ہے، پلیز چلی آؤ۔'' اس کی آواز میں لاچاری اور منت تھی۔

''او کے میں آتی ہوں، بتائیے کہاں آنا ہے؟'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''دس منٹ بعد میں تمہیں تمہارے گھر سے پک کر لوں گا۔'' ارحم نے کہہ کر کال منقطع کر دی۔

ٹھیک دس منٹ بعد وہ دونوں ایک رستوران کی جانب جا رہے تھے، کار میں بیٹھتے ہی ایک تیز بو اس کی ناک سے ٹکرائی، اس نے حیرت سے ارحم کی جانب دیکھا وہ نہایت سنجیدگی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا، اس کی الجھی نظریں، گاڑی

''یہ تو شراب ہے۔'' وہ حیرانی سے چلائی۔

ارحم نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور پھر اطمینان سے ڈرائیونگ کرتا رہا، اس کے مضبوط ہاتھ اسٹیئرنگ پر ادھر سے ادھر حرکت کر رہے تھے اور نگاہیں سامنے روڈ پر تھیں۔

''آپ...... شراب پیتے ہیں؟''

''ہاں...... کبھی کبھی...... جب زیادہ ڈپریس ہوتا ہوں۔'' ارحم کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

''مگر یہ...... یہ تو حرام ہے اور ہمارے مذہب میں جائز بھی نہیں۔'' اس نے بوتل واپس ڈیش بورڈ پر ڈال دی۔

اس کی بات پر ارحم نے قہقہہ لگایا، ان کی گاڑی سے آگے تین اور گاڑیاں رستوران میں داخل ہو رہی تھیں، ان کے پیچھے ارحم نے بھی آہستہ آہستہ گاڑی گیٹ سے اندر کی اور مناسب جگہ دیکھ کر پارک کر دی، گاڑی سے اتر کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ دونوں رستوران کے اندر چلے گئے اور پہلی لائن میں موجود تیسری میز پر جا بیٹھے، ارحم نے ویٹر کو کافی لانے کا کہا، کچھ دیر دونوں خاموش بیٹھے رہے، ارحم نجانے کیا سوچتا رہا اور اساور اس کا جائزہ لیتی رہی، کتنے دنوں سے اس نے شیو نہیں بنائی تھی، آنکھوں کے نیچے حلقے خاصے نمایاں تھے اور وہ سرخ ہو رہی تھیں، وہ اسے پہلے کی نسبت کمزور بھی لگا تھا۔

''سب خیریت تو ہے ناں ارحم، آپ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔'' اس کی حالت دیکھ کر اسے حقیقت میں دھچکا لگا تھا۔

''ہاں تم...... صرف تم...... پلیز انکار مت کرنا۔'' وہ بہت ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔

''ایسا کیا ہوا ہے، پلیز آپ کچھ بتائیے بھی۔''

''میری ایڈورٹائزنگ کمپنی پچھلے دو سالوں سے کچھ بھی بزنس نہیں کر پائی اور اب مجھے ایک کنٹریکٹ ملا ہے، جسے میں کسی حالت میں کھونا نہیں چاہتا۔''

''تو مسئلہ کیا ہے؟'' وہ پوری توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی۔

''میرے پاس اس وقت کوئی بھی نیو ماڈل نہیں اور جو ماڈلز ہیں وہ اس کام کے لئے سوٹ ایبل نہیں، کیونکہ انہیں نیو فریش اور خوبصورت چہرہ چاہیے، اس لئے میں تم سے ریکویسٹ کر رہا ہوں، کہ میری کمپنی جوائن کرلو، سچ میں بہت مجبور ہوں ورنہ تم سے کبھی نہ کہتا۔''

''لازمی ہے کہ...... آپ یہ کنٹریکٹ لیں؟ آپ بہترین سنگر ہیں اور پھر آپ کا لیدر گارمنٹس کا بزنس بھی تو ہے، کیوں اتنے کاموں میں خود کو الجھا رہے ہیں۔''

''بزنس میرا نہیں، بلکہ میرے فادر کا ہے، چار بھائیوں کے بعد، میرے حصہ میں کیا آئے گا، تم خود سوچو، جبکہ میں ایک دن بھی آفس نہیں گیا اور میں آخر کب تک اچھا گا سکتا ہوں، آٹھ سال دس سال مزید پھر اس کے بعد؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

''یہ کمپنی صرف کمپنی نہیں بلکہ میرا خواب ہے، میرا مستقبل ہے، بلکہ ہمارا مستقبل ہے، مجھے اسے ہر صورت میں کامیاب بنانا ہے اور تم نہیں جانتی کامیابی کا نشہ کیا ہوتا ہے۔'' اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

''مگر آپ جانتے ہیں، مجھے کوئی شوق نہیں اس کام کا اور نہ ہی تجربہ۔'' وہ عجیب الجھن میں پھنس گئی تھی نہ ارحم کو پریشان اور خفا دیکھ سکتی تھی اور نہ ہی شوبز میں کام کرنا چاہتی تھی۔

''پلیز اساور! انکار مت کرو، ٹیلنٹ ہو تو تجربہ بھی آجاتا ہے اور پھر میں ہوں ناں تمہارے ساتھ، میں نے اپنی پوری زندگی تمہارے نام کر دی ہے، کیا تم اپنی زندگی کا ایک سال صرف ایک سال مجھے نہیں دے سکتیں۔'' اس نے بے حد جذباتی ہو کر محبت بھرے انداز میں کہا۔

اساور نے مضطرب اور اداس دل کے ہمراہ میز پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''مجھے آپ کی خوشی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔'' اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔

''مگر...... میری ایک شرط ہے؟'' اس نے اس کے ہاتھ پر سے ہاتھ اٹھالیا۔

''شرط کیسی شرط؟'' وہ ٹھٹکا۔

''آپ آئندہ کبھی شراب نہیں پئیں گے، یہ انسانی عقل سلب کر دیتی ہے اور انسان کو جانور سے بھی بدتر بنا دیتی ہے، پلیز ارحم یہ حرام ہے اور کسی بھی صورت جائز نہیں۔'' وہ اس کے لئے فکر مند تھی۔

''جائز تو...... اور بھی بہت سے کام نہیں اساور، مگر ہم وہ کام کرنے پر مجبور ہیں اگر دیکھا جائے تو تمہارا اس وقت یہاں میرے ساتھ ہونا بھی جائز نہیں، مگر ہم مجبور ہیں، اپنے دلوں کے ہاتھوں، کیونکہ ہم ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور ملے بغیر رہ نہیں سکتے، اسی طرح پینا میری عادت بن چکی ہے، میں جب اپ سٹ ہوتا ہوں تو ڈرنک کرنے پر مجبور ہوتا ہوں مگر......'' وہ سانس لینے کو رکا، اساور حیرت سے سانس روکے اسے سن رہی تھی۔

''مگر صرف تمہاری خاطر میں یہ چھوڑنے کو

تیار ہوں۔'' ارحم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بے حد لگن سے کہا تو اس نے کب کا رکا ہوا سانس خارج کیا اور مسکرا دی۔

''اوہ...... یہ کافی تو ٹھنڈی ہو گئی۔'' ارحم نے کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا اور ویٹر کو بلا کر دوسری کافی لانے کو کہا۔

کچھ دیر بعد ہی ویٹر دوسری کافی لے آیا، کافی پینے کے ساتھ ساتھ دونوں ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔

ریستوران سے نکلے تو گیارہ بج کر تیس منٹ ہو رہے تھے، تارا ٹمٹما رہا تھا اور سڑک پر ٹریفک کا خاصا رش تھا۔

''میرا مان رکھ کر جو احسان تم نے مجھ پر کیا ہے، اس کا بدلہ میں چاہ کر بھی نہیں لوٹا پاؤں گا۔'' اس نے سگنل پر گاڑی روکتے ہوئے کہا۔

''گجرے لے لو صاحب، ایک دم تازہ ہیں۔'' اس سے پہلے کہ اساور کچھ کہتی ایک بچہ گاڑی کے قریب آ کر بولا، اتنی رات گئے چھوٹے سے بچے کو گجرے بیچتا دیکھ کر دونوں کو بہت افسوس ہوا۔

''نجانے کیسے والدین ہیں اس کے۔'' ارحم نے تاسف سے کہا اور تمام گجرے خرید کر اساور کی گود میں ڈال دیئے۔

''نجانے والدین حیات بھی ہیں یا...... اچھا خیر چھوڑیئے یہ بتائیے، میں اتنے سارے گجروں کا کیا کروں گی؟''

''اپنے پاس سنبھال کر رکھنا، پھولوں کی یہ ادا مجھے بہت پسند ہے، کہ یہ مرجھا بھی جائیں تب بھی پتیوں سے خوشبو جدا نہیں ہوتی، میں تمہارے ساتھ رہوں یا نہ رہوں، یہ خوشبو تمہیں میری یاد دلائے گی۔'' ارحم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''پلیز ایسی باتیں مت کیجئے، مرجھائے ہوئے پھولوں کی خوشبو، کبھی انسانی دل کو خوشی نہیں دے سکتی اور میری خوشی تو صرف آپ کے ساتھ ہی ہے۔'' اس نے جذبات سے مغلوب آواز میں کہا اور ارحم کے بازو سے سر ٹکا دیا۔

زندگی میں انسان کو جب اس کا اصل قدر دان مل جاتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے سارے جہان کی خوشی اس کے وجود میں سما گئی ہو، اس وقت ارحم کی ہمراہی میں اساور بھی ایسی ہی خوشی محسوس کر رہی تھی۔

''ہمارے پاس ٹائم کم اور کام زیادہ ہے۔'' ارحم نے ایک دم سنجیدگی سے کہا تو وہ اس کے بازو سے سر ہٹا کر اسے دیکھنے لگی۔

''سب سے پہلے ہمیں تمہاری پبلسٹی کرنا ہو گی۔'' اس کی بات پر اساور نے ایک دم ابرو اچکائیں تو وہ گڑبڑا گیا۔

''میرا مطلب ہے، تمہارے چہرے کی۔'' اس نے گردن گھما کر ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی پھر سامنے سڑک پر دیکھنے لگا۔

''اس وقت میرے پاس دو کمرشلز کی آفرز موجود ہیں، تم کل گیارہ بجے آفس پہنچ جانا، پہلے تمہارا فوٹو شوٹ ہو گا، پھر کمرشلز کو بھی دیکھ لیں گے۔'' ارحم نے گاڑی گھر کے گیٹ کے سامنے روکتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر اتر گئی۔

ارحم کچھ دیر رک کر اسے گیٹ سے اندر جاتا دیکھتا رہا پھر گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

☆☆☆

''یہ لڑکی کتنی خوبصورت ہے اور اس کی شکل اپنی اساور سے کتنی ملتی ہے۔'' دادو نے اپنی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی بانو سے کہا۔

وہ اپنی میڈ بانو کے ہمراہ گھر کا کچھ ضروری سامان لینے مارکیٹ جا رہی تھیں کہ راستے میں

سڑک کنارے لگے ایک سائن بورڈ پر بنی لڑکی کی تصویر نے ان کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔

''اس کی شکل اپنی اساور بی بی سے نہیں ملتی بلکہ یہ اپنی اساور بی بی ہی ہیں دادو۔'' بانو نے ہنس کر کہا تو دادو نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

''ٹی وی پر دو تین کمرشلز آرہی ہیں ان کی اور بی بی تو ہیں اتنی خوبصورت ٹی وی پر تو مزید پیاری لگتیں ہیں۔'' بانو نے پرجوش انداز میں بتایا۔

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی بانو۔'' انہوں نے بامشکل کہا۔

''غلط فہمی کیسی دادو، چھوٹی سی تھیں بی بی، جب سے دیکھ رہے ہیں، جو وقار اور رکھ رکھاؤ، اپنی بی بی کے انداز میں ہے، وہ ہر ماڈل میں کہاں۔'' بانو کی بات نے انہیں سن کر دیا تھا، وہ مزید کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہیں۔

''نہیں ...... نہیں ...... یہ اساور نہیں ہو سکتی، وہ تو اتنی سادہ اور معصوم ہے وہ بھلا کیسے اتنا بڑا قدم اٹھا سکتی ہے اور پھر مجھے بتائے بغیر، یقیناً بانو کو غلط فہمی ہوئی ہو گی۔'' وہ جیسے خود کو بہلانے کی کوشش کرنے لگیں، مگر ان کا ذہن مسلسل خطرے کی گھنٹی بجا رہا تھا، وہ پچھلے کچھ دنوں سے اساور کی روٹین دیکھ کر چونکی تو ضرور تھیں مگر اس سے کچھ پوچھنا انہوں نے مناسب نہیں سمجھا اور اب انہیں افسوس ہو رہا تھا انہیں پوچھنا چاہیے تھا اس سے، اچانک ان کا دل خریداری سے اچاٹ ہو گیا اور وہ واپس گھر آ گئیں۔

☆☆☆

''یہ تمہارے گھر آنے کا ٹائم ہے؟'' رات کے گیارہ بجے جب اساور لوٹی تو وہ اپنی کرسی پر بیٹھیں اس کا انتظار کر رہی تھیں، اساور کے قدم جہاں تھے وہیں تھم گئے۔

''اس وقت تو ہمارے خاندان کے لڑکے بھی گھر سے باہر نہیں رہتے، جس وقت تم لوٹ رہی ہو۔'' دادو نے سختی سے پوچھا، وہ یقیناً آج غصے میں تھیں کیونکہ آج اسے پہلے کبھی انہوں نے اساور سے سخت یا اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی۔

''وہ...... وہ...... دادو...... میں سٹڈی کے لئے لائبریری گئی تھی اور وہاں فاطمہ مل گئی تو......'' اس نے نظریں چرا کر کہا۔

''اب تم ہم سے جھوٹ بھی بولنے لگی ہو، آج ہمیں اپنی تربیت پر بہت افسوس ہو رہا ہے، تم ہم سے پوچھے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتی ہو بھلا؟'' انہوں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے درشتی سے کہا۔

''اوہ...... تو دادو کو پتا چل گیا، تبھی اتنی ناراض ہیں۔'' آخر وہ لمحہ آن پہنچا تھا جس سے وہ خوفزدہ تھی، وہ آہستہ سے آگے بڑھی اور پیار سے ان کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

''پلیز دادو! اب غصہ ختم بھی کر دیں، اگر آپ سے پوچھتی تو آپ کبھی اجازت نہ دیتیں، اور میں ارحم کو خفا نہیں کر سکتی۔''

''ارحم...... کون ارحم...... وہ سنگر، تو وہ بہکا رہا ہے تمہیں۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ جھڑک دیئے، ان سے زیادہ وہ غیر اس کے لئے اتنا اہم ہو گیا تھا۔

''وہ بہکا نہیں رہا مجھے، بلکہ یہ میری اپنی خواہش ہے۔'' اس نے ایک بار پھر نظریں چرائیں۔

''خواہشوں کے پیچھے نہیں بھاگتے بیٹا، خواہشیں بے لگام ہوتی ہیں اور ان کے پیچھے بھاگنے والوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوتی۔'' نجانے کیا سوچ کر وہ کچھ نرم پڑ گئیں۔

''خواہشیں نہیں دادو، صرف ایک خواہش اور اسے میں نے اپنی مٹھی میں بند کر لیا ہے، اب میں اسے کہیں جانے نہیں دوں گی، ویسے بھی دادو ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور ایک سال بعد شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' اس کا لہجہ پریقین تھا۔

''اپنے قدم روک لو بیٹا، یہیں سے واپس چلی آؤ، ویسے بھی تمہاری بات ہم نے عمر کے ساتھ طے کر دی ہے۔'' اس کے یقین کے سامنے دادو کمزور پڑ گئیں۔

''کیا...... مجھ سے پوچھے بغیر، میری مرضی جانے بغیر آپ میری زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کیسے کر سکتی ہیں بھلا، آپ نے تو ہمیشہ میری خواہش میری پسند کو مقدم رکھا ہے، پھر اب......؟ سوری دادو، میں ایسے کسی فیصلے کو نہیں مانتی اور رہی بات ارحم کی، آپ کو روکنا ہی تھا تو اس وقت روکتیں جب میں اس کی ایک کیسٹ دس دس بار خریدتی تھی، مینگو کے بجائے اورنج جوس سے فریج بھرتی تھی، کیونکہ وہ ارحم کو پسند تھا اور آپ یہ بھی جانتی تھیں ناں کو فائن آرٹس کی کلاس بھی میں نے صرف ارحم کی وجہ سے اٹینڈ کی تھیں، سوری دادو، آئی ایم سوری، اب میں اتنی آگے جا چکی ہوں کہ واپسی کا راستہ ناممکن ہے۔'' اس نے رکھائی سے کہا اور ان کے قریب سے گزر کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

دادو وہیں ساکت کھڑیں اسے حیرت سے جاتا دیکھتی رہیں، اس سے بات کرنے سے پہلے انہیں لگا تھا کہ شاید ان سے اس کی تربیت میں کوئی کمی رہ گئی ہے مگر اس سے بات کرنے کے بعد انہیں اپنی بہت ساری کوتاہیوں کا اندازہ ہو رہا تھا، دنیا میں ہزاروں بچے یتیم ہو جاتے ہیں، کیا وہ سب بچے ضدی اور خودسر بنتے ہیں، نہیں یقیناً ایسا نہیں ہوتا، آج انہیں احساس ہوا تھا کہ بچپن سے اساور کی ہر جائز اور ناجائز بات مان کر انہوں نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔

جیسے ہی وہ کمرے میں آئی اس کا موبائل بجنے لگا، اس کا دل اداس تھا اور وہ بے حد تلخ ہو رہی تھی، مگر کیونکہ فاطمہ شام سے کئی بار کال کر چکی تھی اور فوٹو شوٹ میں بزی ہونے کی وجہ سے وہ اس کی کال ریسیو نہیں کر پائی تھی، اس لئے اب کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو اساور! کیسی ہو تم؟'' کچھ دیر تک جب وہ کچھ نہ بولی تو فاطمہ کو ہی پہل کرنا پڑی۔

''ٹھیک۔'' اس نے آہستگی سے کہا اور بیڈ پر بیٹھ کر تکیہ گود میں رکھ لیا۔

''مبارک ہو، آج کل ٹی وی پر بہت نظر آ رہی ہو۔'' فاطمہ نے کچھ دیر رک کر اس کے مزید بولنے کا انتظار کیا پھر بولی۔

''طنز کر رہی ہو۔'' اب وہ بائیں ہاتھ سے تکیے پر بنے پھولوں پر انگلی پھیرنے لگی۔

''نہیں...... مگر مجھے حیرت ہے، دادو کیسے مان گئیں؟'' فاطمہ واقعی حیران تھی۔

''وہ خفا ہیں مجھ سے۔'' اس نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

''دیکھو اساور جب ہمارے بڑے ہمیں کسی کام سے منع کرتے ہیں تو اس میں ہماری ہی بہتری ہوتی ہے اور جہاں تک میں جانتی ہوں، شوبز کبھی بھی تمہیں اس لحاظ سے پسند نہیں رہا، پھر اب تم کیسے خوش ہو؟''

''یہ میری نہیں، ارحم کی خوشی ہے۔'' فاطمہ سے کچھ بھی چھپانا اس کے لئے مشکل تھا۔

''صرف ارحم کی خوشی کے لئے، تم نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا، ہم ساری زندگی لوگوں کو خوش

کرنے میں لگے رہتے ہیں، لوگ پھر بھی ہم سے خوش نہیں ہوتے، آخر ہم اپنے اللہ کو خوش کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔" فاطمہ نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"مگر ارحم تو مجھ سے خوش ہے، بہت خوش، وہ بہت تعریف کرتا ہے، میری اور میرے کام کی۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا، تکیہ پر رکھا اس کا بایاں ہاتھ ساکت ہو گیا۔

"وہ تمہاری نہیں بلکہ اس سونے کی چڑیا کی تعریف کرتا ہے، جو تمہاری بیوقوفی سے اس کی قید میں چلی گئی ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" وہ چونکی۔

"میں تمہیں صرف اتنا احساس دلوانا چاہ رہی ہوں کہ وہ تمہیں استعمال کر رہا ہے اور تم اسے محبت سمجھ کر پاگل بن رہی ہو۔"

"پاگل...... میں نہیں بلکہ تم ہو رہی ہو، وہ بھی جیلسی میں۔" اس نے بے رخی سے کہا۔

"اساور!" دوسری جانب سے فاطمہ کی حیرت میں ڈوبی آواز ابھری تھی۔

"آج کے بعد مجھے کال مت کرنا۔" وہ اس کے ارحم کو برا کہہ رہی تھی، وہ بھلا کیسے برداشت کرتی۔

"میری بات سنو پلیز، میں نہیں چاہتی کہ آئندہ زندگی میں پچھاوے تمہارا مقدر بنیں۔" فاطمہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی مگر اس نے کال منقطع کر دی، موبائل بیڈ پر پھینکا اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

سارا کالج اس کی اور فاطمہ کی دوستی پر حیران تھا، کیونکہ وہ دونوں مکمل طور پر ایک دوسرے سے مختلف تھیں، ایک مشرق تھی تو دوسری مغرب، ایک ماڈرن تھی تو دوسری باپردہ، اتنا ہی فرق ان کے گھر کے ماحول اور سوچوں میں تھا، یعنی وہ ایک دوسرے کی ضد تھیں، پھر بھی پچھلے تین سال سے دوست تھیں اور آج اساور کو لگا تھا کہ اس نے اس کے ساتھ دوستی کر کے بہت بڑی غلطی کی تھی۔

محبت کا پنچھی جنگل میں لگے ہر درخت پر نہیں بیٹھتا مگر جس پر بیٹھ جاتا ہے اسے مکمل طور پر اپنے وجود کے حصار سے ڈھانپ لیتا ہے، کچھ اس طرح کہ اس کی عقل و بینائی چھین کر اسے اپنی نظر و فہم عطا کر دیتا ہے، پھر ان آنکھوں سے صرف محبوب کی اچھائیاں ہی دکھتی ہیں، اساور بھی محبت کی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، بہت کچھ دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ پا رہی تھی اور بہت کچھ سمجھتے ہوئے بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

☆☆☆

"ٹھیک ہے، تم دس دن کے لئے کراچی جا سکتے ہو، مگر دس دن تک اگر تم کوئی ثبوت حاصل نہ کر سکے تو اس فائل کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے گا۔" کمشنر صاحب نے تمام تفصیل سننے کے بعد کہا۔

میرے لئے اتنا بھی کافی تھا، میں نے "یس سر!" کہا اور کھڑے ہو کر انہیں سلوٹ کیا، سلوٹ کرتے ہوئے میری نگاہ ان کے پیچھے لگی قائداعظم کی تصویر پر پڑی، یہ تصویر ہمیشہ میرا حوصلہ بڑھاتی تھی، میں دل ہی دل میں مسکرایا اور کمشنر صاحب کے آفس سے باہر نکل آیا۔

آن نجانے کیوں سر بھاری بھاری محسوس ہو رہا تھا، حالانکہ آج تو میں خاصا خوش تھا، وہ کیس جس کے لئے میں نے دن رات محنت کی تھی بالآخر مکمل طور پر میرے سپرد کر دیا گیا تھا۔

مجھے پوری امید تھی کہ میں جلد ہی ایک مرے ہوئے انسان کی دی گئی قسمیں اور وعدہ

پورا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا، سر درد کے پیش نظر وہ بہت ہلکی رفتار سے ڈرائیونگ کر رہا تھا، کہ اچانک ایک سائیکل سوار جیپ کے سامنے آ گیا، میں نے تیزی سے بریک لگائے، سائیکل سوار نے بھی جلدی سے بریک لگائے اور دونوں پاؤں زمین پر رکھے، پھر جیپ کو روکتا دیکھ کر "سلام صاحب" کہتا ہوا جیپ کی دائیں جانب سے نکلتا چلا گیا، خدا کا شکر، ایک بڑا حادثہ ہونے سے بچ گیا تھا، مگر میرے ہاتھ پاؤں سنسنانے لگے تھے اور نگاہوں کے سامنے چھ ماہ پہلے ہونے والا حادثہ آ کر ٹھہر گیا اور ایک آواز بار بار میرے کانوں میں آنے لگی، میں نہایت احتیاط سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔

"کیا بات ہے بیٹا، آج بہت دیر کر دی؟" گھر میں داخل ہوتے ہی میں نے مما کی آواز سنی، وہ سامنے صوفے پر بیٹھیں تھیں اور روز کی طرح میری منتظر تھیں۔

"جی مما! ایک میٹنگ تھی، اس لئے لیٹ ہو گیا۔" میں نے اسٹک اور کیپ میز پر رکھی اور ان کے قریب بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔

"کھانا لگواؤں بیٹا؟" مما نے شفقت سے پوچھا۔

"نہیں مما، کھانے کی طلب نہیں، بس میں سونا چاہتا ہوں۔"

"طبیعت تو ٹھیک ہے ناں، تمہاری؟" انہوں نے فکرمندی سے میری جانب دیکھا۔

"جی بس کچھ سر درد ہے۔" اس نے موزے اتار کر دونوں جوتوں میں لگا دیئے، مما نے ملازم کو بلا کر سر درد کی دوا اور دودھ لانے کو کہا۔

"میری پیکنگ کروا دیجئے گا مما، میں کچھ دنوں کے لئے کراچی جا رہا ہوں۔" میں صوفے پر ہی ترچھا ہو کر لیٹا اور سر مما کی گود میں رکھ دیا، وہ آہستہ آہستہ سر سہلانے لگیں، ماں کی گود میں بھی قدرت نے کتنا سکون رکھا ہے، میری آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔

"یہ تو اچھی بات ہے، بہت مہینوں سے ہم لوگ کراچی نہیں گئے، میں تمہاری نانو کو بھی فون کر دوں گی، وہ سنیں گی تو بے حد خوش ہوں گی۔"

"نو مما پلیز، نانو کو فون مت کیجئے گا، میں وہاں ایک کیس کے سلسلے میں جا رہا ہوں، معلوم نہیں نانو کی طرف جا بھی پاؤں یا نہیں۔" میں نے ویسے ہی آنکھیں بند کیے جواب دیا۔

"ہاں اگر فارغ ہو گیا تو ضرور جاؤں گا۔" وہ اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

ملازم دودھ اور دوا لے کر آ گیا تو اس کے اٹھ بیٹھا، دودھ سے دوا لینے کے بعد میں نے ایک ہاتھ سے جوتے اور دوسرے ہاتھ سے چھڑی اور ٹوپی اٹھائی، مما کو شب بخیر کہا اور اپنے کمرے میں آ گیا، پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، چند سیکنڈ لگے آنکھوں کو اندھیرے سے شناسائی حاصل کرنے میں پھر سب کچھ ہلکا ہلکا نظر آنے لگا۔

ہاتھوں میں پکڑی چیزوں کو ایک جانب رکھ کر اے سی آن کیا اور بیڈ پر اوندھا لیٹ گیا، دل کیا اداس تھا، ایسا لگتا تھا جیسے سارے وجود پر ہی افسردگی چھائی ہو، آنکھیں بند کرتے ہی ایک بار پھر زریں گل کا چہرہ میری نگاہوں میں گھومنے لگا، میں نے دو تین بار سر جھٹک کر سونا چاہا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور جا چکی تھی، زریں گل کا چہرہ اور آواز مجھے ماضی میں لے جانے لگیں، تو میں نے تھک کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور سوچوں کی لہروں پر بہنے لگا۔

یہ آج سے چھ ماہ پہلے کی بات ہے، اس دن

میری نائٹ ڈیوٹی تھی، میں روز کی طرح ضروری کام نمٹا کر گشت پر نکلا تھا، ماہ مارچ کا آغاز ہوا تھا، ہوا میں ہلکی ہلکی خنکی محسوس ہو رہی تھی، آسمان کسی دلہن کے دوپٹے پر لگے گوٹے کی مانند چاند ستاروں سے سجا تھا، میرے ہمراہ دو اہلکار اور بھی تھے، ابھی ہم صرف ایک چکر لگا کر ہی مین روڈ پر آئے تھے کہ سامنے کے منظر نے ہمیں ایک لمحہ کے لئے ساکت کر دیا، دائیں جانب سے آتی ہوئی کار اپنے سامنے سے آتے ہوئے ٹرک سے بری طرح ٹکرائی تھی، جس کے نتیجے میں ٹرک کار کو کچلتا ہوا آگے کی جانب بڑھ گیا تھا، یہ سب اس قدر تیز رفتاری سے ہوا تھا کہ ہم سب ہکا بکا رہ گئے تھے، ٹرک رکے بغیر تیزی سے آگے کی جانب بڑھتا چلا گیا اور ہم چاہ کر بھی اس کا نمبر نوٹ نہ کر سکے، اگلے ہی لمحے ہم جلدی سے جائے وقوعہ پر پہنچے، کار چلانے والی ایک لڑکی تھی، جو آدھی سے زیادہ کار سے باہر نکلی ہوئی تھی، شاید وہ سامنے سے آتے اتنے بڑے ٹرک کو دیکھ کر گھبرا گئی اور کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلنا چاہا، مگر ظالم ٹرک نے اسے اتنی مہلت نہ دی، کار کے ساتھ ساتھ لڑکی کی گھٹنوں سے اوپر تک کی دونوں ٹانگیں بھی بری طرح کچلی گئی تھیں، اس کے علاوہ اس کے سر پر بھی شدید چوٹ لگی تھی اور کافی خون بہہ رہا تھا، یقیناً اس کا سر سڑک سے ٹکرایا ہو گا، کچلی ہوئی ٹانگیں کٹ کر الگ نہیں ہوئی تھیں کار میں پھنسی ہوئی تھیں، میں کوئی بہت نازک دل کا آفسر نہیں ہوں مگر ہوں تو انسان ہی ناں اور یہ حادثہ دیکھ کر میری روح تک کانپ گئی تھی، میں نے ایمبولینس کو فون کیا اور خود لڑکی کو کار سے باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگا، میرے دونوں اہلکار جائے وقوعہ کا جائزہ لینے لگے، سڑک پر موجود افراد اردگرد آ کر کھڑے ہو گئے۔

لڑکی نے بند آنکھیں کھول لیں اور اپنے اردگرد موجود لوگوں کو دیکھا، پھر اس کی نظریں مجھ پر آ کر ٹھہر گئیں اور وہ میرے کاندھے پر سجے انسپکٹر کے بیج کو دیکھنے گئی، وہ بلاشبہ بہت خوبصورت اور باہمت لڑکی تھی، اسے کار سے باہر کھینچنے کی کوشش میں، میں اس طرح زمین پر بیٹھا تھا کہ اس کا سر میری گود میں تھا اور میرے دونوں ہاتھ اس کے دونوں بازو پکڑے ہوئے تھے، اس کے سر سے نکلنے والا خون میرے یونیفارم پر نشانات چھوڑ رہا تھا، میرے اردگرد کھڑے لوگوں میں سے کسی نے بھی بڑھ کر میری مدد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، یا تو لوگ اس قدر بے حس ہو چکے تھے کہ ایک مرتے ہوئے انسان کو دیکھ کر بھی ان کے احساسات میں ہل چل نہیں ہوئی تھی یا پھر جس کا کام اسے ہی ساجھے کے فارمولے پر عمل کر رہے تھے۔

''ابھی ایمبولینس آتی ہی ہو گی، بہت جلد تم ہاسپٹل پہنچ جاؤ گی، پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' میں نے اسے حوصلہ دینا چاہا۔

''میں...... میں جانتی ہوں، اب کچھ ٹھیک نہیں ہو گا۔'' وہ اٹک اٹک کر بولنے لگی۔

''میری...... زندگی ختم...... ہونے میں چند منٹ ہی باقی ہیں اور...... میں...... آپ کو کچھ بتا... چاہتی ہوں۔'' وہ درد کی شدت سے آنکھیں بند کرتی کھولتی اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی۔

''آغا...... خان...... آغا خان۔''

''ہاں ...... ہاں...... بولو...... کیا آغا خان۔'' آغا خان کے نام پر میری تمام حس بیدار ہو گئی، حالانکہ میرے اندر کا انسان اسے خاموش رہنے کا کہنا چاہتا تھا، مگر میرے اندر کے انسان پر ایک انسپکٹر حاوی ہو گیا۔

''وہ...... وہ ہمیں تباہ کر رہا ہے، اس ملک کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے، وہ لڑکیوں کو بلیک میل کر کے ان سے ہیروئن اور اسلحہ کی سمگلنگ کرواتا ہے۔'' درد کی شدت سے اس نے سر میری گود میں اِدھر اُدھر مارا۔

''تمہیں یہ سب کیسے پتا؟'' میں نے تیزی سے پوچھا، اس نے آنکھیں بند کیں اور نچلے ہونٹ کو دانتوں میں اس طرح دبایا کہ دانت نازک ہونٹ میں گڑتے چلے گئے، پھر چند لمحے رک کر گہرے گہرے سانس لینے کی کوشش کی، جیسے بہت سے سانسوں کو اکٹھا کرنا چاہتی ہو۔

''میرا نام زریں گل ہے اور میرا تعلق کشمیر سے ہے۔'' اس نے آہستہ آہستہ بتانا شروع کیا۔

''مجھے آغا خان کام کے لالچ میں یہاں لایا تھا، اس نے مجھے غلط کام کرنے پر مجبور کیا، میں نے احتجاج کیا تو اس نے ایک جعلی ویڈیو دیکھا کر مجھے دھمکایا، کہ میں نے اگر انکار کیا تو وہ مجھے بدنام کر دے گا۔'' وہ سانس لینے کے لئے رکی اور پھر جلدی جلدی بولنے لگی۔

''تین سال سے میں اس کے لئے کام کر رہی تھی، مگر اب مجھ میں مزید ہمت نہ تھی، اس لئے اسے بتائے بغیر بھاگ رہی تھی، مگر شاید قدرت کو میرا آزاد ہونا منظور نہ تھا، تم...... تم۔'' بات کرتے کرتے اس کی سانس اکھڑنے لگی، اس نے پوری قوت لگا کر کچھ بولنا چاہا، مگر اس کی آواز مدھم سے مدھم ہوتی چلی گئی، اتنے میں ایمبولینس کی آواز ہر طرف گونجنے لگی، میں نے کان اس کے منہ کے قریب لے جا کر سننا چاہا وہ کہہ رہی تھی۔

''تم...... تم...... تم صاحب اسے مت چھوڑنا، وعدہ کرو...... صاحب...... تم اسے سزا دلواؤ گے، قسم ہے تمہیں صاحب۔'' اور پھر مجھے جیسے سکتا ہو گیا، ایمبولینس والے آئے اور اسے میری گود سے اٹھا کر لے گئے، میں خالی خالی نگاہوں سے سب دیکھتا رہا، اس کی قسم دیتی آواز بار بار میرے کانوں میں گونجتی رہی، زریں گل تو خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے نہ بچ سکی تھی اور اس کے کیس کو محض ایک روڈ ایکسیڈنٹ قرار دے دیا گیا تھا، مگر جاتے جاتے وہ مجھے ایک پلیٹ فارم ضرور دے گئی تھی، جس پر کھڑے ہو کر میں نے اپنی پوری انرجی لگا دی تھی، کبھی بھیس بدل کر مئے خانوں میں گیا تو کبھی سڑکوں اور گلیوں میں بھیک مانگی، مگر مجرم بہت چالاک تھا وہ پیچھے جرم اور شک کے سوا کچھ نہ چھوڑتا تھا اور پھر اسی جرم اور شک کی بنیاد پر میں ایک ایسے شخص تک پہنچ گیا جو آغا خان کا رائٹ ہینڈ سمجھا جاتا تھا، حیرت انگیز بات یہ تھی کہ کسی نے بھی آج تک آغا خان کو نہ دیکھا تھا، شراب کا کاروبار ہو یا اسلحہ اور لڑکیوں کی سمگلنگ یہ سب ڈیلنگ درانی ہی کرتا تھا، بہت سوچ و بچار کے بعد میں نے کمشنر صاحب سے بات کی، وہ میرے فادر کے خاص دوستوں میں سے تھے اس لئے اکثر نرمی کر جاتے تھے اور یہ ان کی نرمی کا نتیجہ ہی تھا کہ ایک ایسا کیس جس کی بنیاد ہی ایک مرے ہوئے شخص کے بیان پر تھی نہ صرف مکمل طور پر میرے حوالے کر دیا بلکہ مجھے دس دن کا وقت بھی دیا، لیکن اگر دس دن تک میں کچھ ثابت نہ کر سکا تو اس فائل کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے گا، ماضی کے جھرنکوں میں جھانکتے جھانکتے میں کب نیند کی نرم آغوش میں سو گیا کہ اندازہ ہی نہ ہو سکا۔

☆☆☆

کاتب تقدیر ہماری قسمت میں کیا لکھ رہا ہے یہ تو کسی کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ اگر یہ راز معلوم ہو جائے تو شاید جستجو کا سفر ہی ختم ہو جائے، رات کے آٹھ بجے تھے وہ فریش ہو کر کمرے سے باہر

نکلی، یہ رات اس کی زندگی کی اہم ترین رات تھی، اس نے میڈ کو اورنج جوس لانے کو کہا اور خود ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی تبھی اس کی توجہ لاؤنج سے آتی آوازوں نے کھینچ لی، وہ خوشگوار حیرت کے ہمراہ اٹھی اور مسکراتی ہوئی لاؤنج کی جانب چل پڑی۔

''السلام علیکم!'' اس نے لاؤنج میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔

''وعلیکم السلام اساور کیسی ہو؟'' سلام کا جواب صرف میں نے ہی دیا جبکہ نانو ایک دم خاموش ہوگئیں، اس کو دیکھ کر جس طرح انہوں نے پہلو بدلا تھا مجھے ہنسی آگئی تھی، جسے میں نے بامشکل نچلا دانت ہونٹوں میں دبا کر روکا، وہ یقیناً اساور سے خفا تھیں اور خفا کیوں تھیں اس کا بھی مجھے اندازہ تھا، ابھی کچھ ہی دیر پہلے انہوں نے مجھے اس کے ماڈلنگ جوائن کرنے کے بارے میں بتایا تھا، وہ ہمارے سامنے صوفے پر آ بیٹھی اور ٹانگ پر ٹانگ جما کر شاہانہ انداز میں بولی۔

''میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو اور کب آئے؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں اور کافی دیر سے آیا ہوا تھا، بس ابھی نکلنے ہی لگا تھا۔'' میں نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔

''پھپھو کیسی ہیں؟ وہ کیوں نہیں آئیں؟ آج ہی آئے ہو آج ہی واپسی، یہ کیا بات ہوئی بھلا؟'' اس نے حیرت بھری ناراضگی سے کہا۔

''وہ ٹھیک ہیں، دراصل میں ایک کیس کے سلسلے میں آیا ہوا ہوں، آج بھی تم سے ایک ضروری بات کرنا تھی اس لئے چلا آیا، مگر تم تو خوب سوئیں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ میری جانب اس طرح دیکھنے لگی جیسے جانتی ہو میں نے اس سے کیا بات کرنی ہے، نانو نے اورنج جوس میز پر لا کر رکھا پھر قالین پر بیٹھ کر جوس کانچ کے تین نازک گلاسوں میں انڈیلا اور چلی گئی۔

''رات بھر شوٹنگ میں بزی رہی ہوں ناں اور ابھی بھی مجھے فوراً پہنچنا ہے اگر مزید رکی ناں تو لیٹ ہو جاؤں گی۔'' اس نے جوس کا گلاس اٹھایا اور پھر میری جانب دیکھتے ہوئے پرسوچ انداز میں بولی۔

''ایسا کرتے ہیں، دونوں اکٹھا نکلتے ہیں، تم راستے میں مجھے سیلون ڈراپ کر دینا، اس طرح باتیں بھی ہو جائیں گیں۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' میں نے بھی ایک گلاس اٹھا لیا جبکہ نانو کا گلاس ایسے ہی رکھا رہا۔

''یہ کیا بات ہے عمر بیٹا! کچھ دیر تو مزید رکتے۔'' نانو نے شکوہ کیا۔

''آپ دعا کیجئے جس کیس پر میں کام کر رہا ہوں وہ کامیابی سے مکمل ہو جائے، پھر انشاء اللہ زیادہ ٹائم کے لئے آؤں گا۔''

''ضرور کامیاب ہو گے، انشاء اللہ۔'' نانو نے دعا دی اتنے میں اساور اپنے کمرے سے ایک شاپنگ بیگ اٹھا لائی۔

''اوکے نانو! اجازت دیں پھر۔'' میں نے گلاس خالی کر کے میز پر رکھا اور کھڑا ہو کر نانو کے سامنے جھکا، انہوں نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا تو ہم دونوں لاؤنج، گیلری اور چھوٹے سے لان سے گزر کر گیرج کی جانب آ گئے۔

میں نے کار ڈرائیو کر کے باہر نکالی اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا، اساور نے پہلے اپنا شاپنگ بیگ رکھا اور پھر خود بیٹھ گئی۔

''کار کا ماڈل کب چینج کیا تم نے؟'' اس نے کار کا دروازہ بند کرتے ہوئے پوچھا۔

''رینٹ کی ہے۔'' میں نے آہستہ سے کار

گیٹ سے باہر نکالی اور مین روڈ پر لے آیا۔

''ہم کزنز ہی نہیں بہت اچھے دوست بھی ہیں۔'' اس نے خفگی سے میری جانب دیکھ کر کہا جیسے مجھے یاد دلوانا چاہتی ہو، اس کے انداز پر میں مسکرا دیا۔

''تم نے کار رینٹ پر کیوں لی، تم میری کار بھی تو استعمال کر سکتے تھے ناں۔''

''ہاں میں جانتا ہوں کہ میں ایسا کر سکتا ہوں مگر...... جب کسی کیس کی تفتیش کو خفیہ رکھنا ہوتا ہے تو ہمیں صرف کار ہی نہیں بلکہ...... اپنا بیس بھی بدلنا پڑتا ہے۔''

''ایک تو تم پولیس والے بھی ناں۔'' وہ آدھی بات کہہ کر سامنے سڑک پر رواں دواں ٹریفک کو دیکھنے لگی۔

''ہاں...... ہاں کیا تم پولیس والے بھی۔'' میں نے اسے چھیڑا۔

''آدھے پاگل ہوتے ہو اور کیا۔'' اس نے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی تو کنپٹی پر رکھ کر گھمایا تو میں نے بے ساختہ قہقہہ لگا اور وہ بھی ہنسنے لگی پھر کچھ دیر ہمارے درمیان خاموشی چھا گئی، ابھی میں ذہن میں الفاظ کو ترتیب دے رہا تھا کہ بات کا آغاز کیسے کروں وہ بول پڑی۔

''دیکھو تم...... اگر تم بھی ماڈلنگ کی فیلڈ پسند نہیں کرتے اور مجھے اس کام سے روکنا چاہتے ہو تو پلیز۔'' اس نے ٹریفک سے نظریں ہٹا کر میری جانب دیکھا اور بائیں ہاتھ کو تھوڑا سا اوپر کی جانب اٹھایا۔

''دیکھو اساور!'' میں نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

''میں کسی بھی فیلڈ کو برا نہیں سمجھتا اور ماڈلنگ میں تو اب عزت دار گھرانوں کی بہت سی لڑکیاں آ رہی ہیں، مگر تم ایک بات تو جانتی ہو نہ کہ......'' میں نے رک کر اس کی جانب دیکھا تو وہ سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھنے لگی۔

''کہ اچھے اور برے افراد ہر جگہ اور ہر فیلڈ میں ہوتے ہیں۔''

''مگر مجھے ابھی تک بہت عزت کرنے والے اور خیال رکھنے والے افراد ہی ملے ہیں۔''

''مگر اساور!'' میں نے کچھ کہنا چاہا کہ اس نے ایک بار پھر ہاتھ اٹھایا اور بولی۔

''میرا تم سے وعدہ ہے، جس دن بھی میں اس فیلڈ میں برے افراد دیکھوں گی اسی دن یہ فیلڈ چھوڑ دوں گی، سو پلیز مزید کچھ نہیں۔'' اس نے دوٹوک انداز میں مجھے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

درانی کی خفیہ نگرانی سے ہمیں پتا چلا تھا کہ وہ ارحم خان کا خاص دوست اور پارٹنر ہے، اساور ان کے لئے کام کر رہی ہے، درانی کو تو بہت جلد پولیس کی حراست میں ہونا تھا اور اس کا اثر ارحم اور اس کے کاروبار پر بھی پڑنا تھا، اس لئے میں اساور کو ان لوگوں سے دور رکھنا چاہتا تھا، مگر وہ کچھ سننے کو تیار ہی نہ تھی، میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کیا کیونکہ اس کی ضدی طبیعت سے میں اچھی طرح واقف تھا، اب جب تک وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتی، تجربہ نہ کر لیتی، نہ مانتی، میں نے مطلوبہ سیلون آنے پر گاڑی روکی۔

''میں کبھی بھی ایسا کام نہیں کرونگی، جس سے مجھے کسی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے، خصوصاً دادو اور عمر کے سامنے۔'' اس نے خود سے عہد کیا اور ''اللہ حافظ'' کہتی ہوئی گاڑی سے اتر کر سیلون میں داخل ہوگئی اور میں گاڑی پولیس اسٹیشن کی جانب بڑھا لے گیا۔

☆☆☆

رات اپنا سیاہ اندھیرا چاروں طرف میں پھیلا چکی تھی، تاہم یہ اندھیرا آسمان کی جانب دیکھنے پر زیادہ محسوس ہوتا تھا کیونکہ زمین کا بیشتر حصہ تو برقی قمقموں سے روشن تھا اور ان کی تیز چمکدار روشنی میں آسمان پر موجود ستارے بہت کم دکھائی دے رہے تھے، سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی سیاہ سڑک پر ایک مرسڈیز تیزی سے آگے کی جانب بڑھتی چلی جا رہی تھی، جس میں ارحم اور اساور بیٹھے تھے۔

''خوبصورت تو تم ہو ہی، مگر ساڑھی میں تو اور بھی غضب ڈھاتی ہو۔'' ارحم نے اسٹیرنگ گھماتے ہوئے سڑک پر نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھا، وہ مسکرا دی، ارحم کی سرسری سے کی گئی تعریف بھی اسے آسمان پر پہنچانے کے لئے کافی ہوتی تھی، اس وقت بھی وہ اپنے پر پھیلائے آسمان پر اڑنے لگی تھی۔

ارحم نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے گاڑی کی پچھلی نشستوں پر رکھا البم اٹھا کر اس کی گود میں رکھ دیا۔

''اس میں تمہارے اب تک کے تمام فوٹو گراف ہیں یہ نہیں دکھانا اور پورے اعتماد سے بات کرنا، یاد رہے کہ ہمیں یہ کنٹریکٹ ہر حال میں حاصل کرنا ہے۔''

''تم بھی ساتھ چلتے تو اچھا ہوتا۔'' اساور نے البم پکڑتے ہوئے کہا وہ کچھ کنفیوژ تھی۔

''مجھے آفس میں کام نہ ہوتا تو ضرور چلتا وہاں درانی میرا منتظر ہے، تم فارغ ہو کر وہیں آ جانا، پیدل کا تو راستہ ہے یا پھر وہاں سے مجھے فون کر دینا، جیسا تم مناسب سمجھو۔'' ارحم کی بات پر اس نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

''آج خوشی کا موقع ہے تو کیوں ناں ایک چھوٹی سی پارٹی ہو جائے۔'' ارحم نے کار کی سپیڈ کم کی۔

''ہاں کیوں نہیں کنٹریکٹ ملنے کے بعد، کوئی بھی اچھا سا ٹائم سیٹ کر لینا۔'' اس نے اختصار سے کہا اور گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

''کل کس نے دیکھی جان من، چلو آؤ، اس خوشی کو ابھی اور اسی وقت سیلبریٹ کرتے ہیں۔'' ارحم نے ڈیش بورڈ کے نیچے بنی دراز سے ایک درمیانی سائز کی بوتل نکالی اور ڈیش بورڈ پر رکھ دی، اساور نے لیبل پڑھا۔

''یہ تو...... یہ تو شراب ہے۔'' اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''یہی تو اصل سیلبریشن کوئن ہے میری جان۔'' ارحم نے بوتل اٹھائی اور اس کے ڈھکن کو دانتوں سے دبا کر جھٹکا دیا تو بوتل کا ڈھکن کھل گیا۔

''لو۔'' اس نے بوتل اس کی جانب بڑھائی۔

''اور تم نے بھی وعدہ کیا تھا مجھ سے، پلیز ہٹاؤ اس کو۔'' اس نے آہستہ سے ہاتھ لگا کر بوتل ہٹائی۔

''وعدہ نبھانے کے لئے تو پوری زندگی پڑی ہے، مگر یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔'' اس نے بوتل ایک مرتبہ پھر اس کی جانب بڑھائی، مگر وہ منہ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

''پلیز میری جان پی لو اسے، میری خاطر تم اسے پی کر تو دیکھو، یہ تمہارے وجود میں جائے گی تو تمہیں ایک نیا اعتماد ملے گا، پلیز تم اسے تھوڑا سا پی لو، پھر تمہیں اس کی اصل طاقت کا اندازہ ہو گا۔'' اس بار ارحم نے بوتل زبردستی اس کے منہ سے لگائی، اساور کو شدت سے عمر سے کی گئیں اپنی باتیں اور وعدہ یاد آیا۔

''نو...... نو...... پلیز۔'' وہ بے بسی سے چلائی اور دونوں ہاتھوں کی مدد سے زور سے بوتل کو خود سے دور کیا۔

بوتل ارحم کے ہاتھوں سے چھٹی اور گاڑی کی کھڑکی سے گزر کر سڑک پر گری اور چکنا چور ہو گئی۔

''یہ...... کیا...... کیا تم نے جاہل عورت؟'' وہ غصے سے چلایا اور ارحم کے منہ سے اپنے لئے ایسے الفاظ سن کر آسمان پر اڑتی اساور منہ کے بل زمین پر گری تھی۔

''بہت اچھا ہوا اب سیدھے سیدھے گاڑی چلاؤ یا مجھے یہیں اتار دو۔'' اس نے جذبات سے عاری الفاظ میں کہا، اسے ارحم کا یہ رویہ دیکھ کر دکھ ہوا تھا۔

''یہ بات ذہن نشین کر لو کہ تمہیں ہر صورت میں یہ کنٹریکٹ حاصل کر کے ہی آنا ہے چاہے اس کے لئے تمہیں کچھ بھی کرنا پڑے۔'' ارحم نے سیاہ گیٹ کے نزدیک گاڑی روکی تو گیٹ پر کھڑا چوکیدار الرٹ ہو گیا، جونہی اساور فائل سنبھالتی گاڑی سے اتری وہ گاڑی دوڑا لے گیا، سرد ہوا نے اس کی ریڈھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا دی، وہ مرے مرے قدموں سے گیٹ کی جانب بڑھنے لگی، چوکیدار نے بڑے گیٹ کے ایک جانب بنا چھوٹا دروازہ کھولا تو وہ اندر داخل ہو گئی سنگ مرمر کی روش پر چلتے ہوئے اس نے دائیں بائیں گردن گھما کر دیکھا، ایک جانب بڑا سا لان تھا جس کے درمیان فوارہ لگا تھا، جس کے پانی سے رنگ برنگی روشنی نکل کر نہ صرف فوارے کو بلکہ اردگرد کی ہر چیز کو روشن کر رہی تھی، دوسری جانب گیرج اور ملازموں کی انیکسیاں تھیں کیونکہ گیٹ کھولنے کے بعد چوکیدار وہیں چلا گیا تھا، بے اختیار اس کا دل چاہا کہ وہ واپس مڑے اور بھاگتی چلی جائے مگر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بڑھتی رہی، سامنے ایک بڑا جنگلہ لگا تھا، ارحم یقیناً اس سے خفا ہو گیا تھا، مگر جب وہ کنٹریکٹ لے کر جائے گی تو وہ بہت خوش ہو گا، وہ اپنی ہی سوچوں میں الجھی آگے بڑھ رہی تھی، جنگلے کے قریب پہنچ کر اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے کھولنا چاہا کہ دوسری جانب سے وہ خود ہی اندر کی جانب کھلتا چلا گیا، وہ چونک کر پیچھے مڑی سامنے سوٹ بوٹ میں ملبوس ایک شخص کھڑا تھا۔

''ویلکم...... اساور...... ویلکم...... آیئے۔''

وہ آگے کی جانب چل پڑا، سامنے لائن میں بہت سے کمرے بنے ہوئے تھے، ایک کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گیا، تو وہ بھی اس کے پیچھے اندر داخل ہوئی اور پھر ٹھٹک کر دروازے کے درمیان میں ہی رک گئی، وہ کمرہ یقیناً بیڈ روم تھا، قالین، فرنیچر، پردے ڈیکوریشن پیسز سب کچھ لگژری اور خوبصورت وہ مبہوت سی ہر چیز کو دیکھے گئی۔

''وہاں کیوں کھڑی ہیں اندر آیئے۔'' وہ شخص ایک اونچی سی گھومنے والی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

اساور آگے بڑھی اور پھر اس سے کچھ فاصلے پر رک گئی، اس کے عین اوپر فانوس لگا تھا جس سے ہلکے نیلے رنگ کی روشنی نکل کر ماحول کو خوابناک بنا رہی تھی، وہ البم سینے سے لگائے کھڑی تھی اور حیرت سے سامنے موجود اس اڈھیر عمر شخص کو دیکھ رہی تھی جس کی کنپٹیوں کے بال سفید تھے، وہ کرسی پر اس شان سے بیٹھا تھا جیسے بادشاہ ہو اور اس کے سامنے اس کی مودب کنیز کھڑی ہو، اس نے آہستہ آہستہ گہرا سانس لیا اور اپنے پورے اعتماد کو جمع کرتے ہوئے بولی۔

''مجھے ایک کنٹریکٹ کے سلسلے میں ارحم

خان نے بھیجا ہے، آپ پلیز حاشر یزدانی......"

"میں حاشر یزدانی ہی ہوں۔" وہ شخص اس کی بات کاٹ کر بولا، اس نے اثبات میں سر ہلایا اور البم آگے کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

"اس میں آپ کو ہر سیزن کی کولیکشن ملے گی۔" اس نے البم تھاما اور کھول کر دیکھنے لگا۔

"اعلیٰ، بہت ہی اعلیٰ۔" اس نے دو صفحات پلٹ کر دیکھے پھر البم بند کر کے ساتھ موجود میز پر رکھ دیا، جہاں پر پہلے سے ہی پھلوں کی چھوٹی خوبصورت ٹوکری سرخ پپیوں سے بھری رکھی تھی اور ساتھ ہی ایک پلیٹ میں چھری اور سیب کا آدھا حصہ رکھا ہوا تھا۔

"تمہاری تصویریں بہت خوبصورت ہیں اور تم خود ان تصویروں سے بھی کہیں زیادہ خوبصورت۔" وہ تھوڑا سا مسکرائی اور بولی۔

"میں آپ کو یقین دلاتی ہوں، اگر آپ یہ کنٹریکٹ ہمیں دے دیں تو ہم اپنی پوری محنت اور ایمانداری کام کریں گے۔" اس کی بات پر وہ قہقہہ لگاتا ہوا اٹھا اور اس کے اردگرد چکر لگا کر سر سے پاؤں تک گھورنے لگا۔

سفید ساڑھی اس کے متناسب سراپے پر خوب بچ رہی تھی، مہارت سے کیئے گئے میک اپ نے چہرے کے خدوخال کو مزید دلکشی بخشی تھی، بالوں کو سمیٹ کر ایک بڑے سفید موتی کے ذریعے جوڑے کی شکل دی گئی تھی جس نے اس کی ہنس مکھ جیسی گردن مزید نمایاں کر دی تھی اور چند بل کھاتی لٹیں اڑ اڑ کر اس کے چہرے کا طواف کرنے میں مشغول تھیں۔

"تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ خوبصورت لڑکیوں کو زیادہ محنت نہیں کرنی چاہیے اس سے ان کا حسن میلا پڑ جاتا ہے۔" اس اس کے پیچھے رک کر جوڑے میں لگے سفید موتی کو کھینچا، موتی کے ساتھ جوڑا پن نکل آئی اور سیاہ گھنے بال اس کی کمر اور شانوں پر بکھر گئے۔

"یہ...... یہ...... کیا کر رہے ہیں آپ؟" وہ تیزی سے مڑی اور اس کے ہاتھ میں پکڑی جوڑا پن کو حیرت سے دیکھنے لگی، اس کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

"کھلے بال آپ پر زیادہ سوٹ کر رہے ہیں۔" اس نے دایاں بازو اس کی کمر کے گرد حائل کر کے اسے خود سے قریب کرنا چاہا، مگر وہ تڑپ کر پیچھے ہٹی۔

"میرا خیال ہے ہمیں کنٹریکٹ کے حوالے سے بات کرنی چاہیے، اگر آپ کی کوئی شرائط وغیرہ ہیں تو بتائیں پلیز۔" اس کا لہجہ خود بہ خود سخت ہو گیا۔

"شرائط۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"شرائط کی وجہ سے تو تم یہاں کھڑی ہو، کنٹریکٹ تو بہت پہلے ہی ہو چکا ہے، آج تم ہمیں خوش کر دو اور ہم کل تم لوگوں کا افغانستان سے آنے والا ٹرک بغیر چیکنگ کے ہی کلیئر کر دیں گے، تمہیں تو بس صبح اپنے ہمراہ فائل لے کر جانی ہے۔" اساور کو زمین گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"تمہیں ہر صورت میں یہ کنٹریکٹ حاصل کر کے ہی آنا ہے، چاہے اس کے لئے تمہیں کچھ بھی کرنا پڑے۔" ارحم کی آواز سیسے کی مانند اس کے کانوں میں ٹپکی۔

"اور یہ...... کوئی نئی بات نہیں، ہر بار ایسا ہی تو ہوتا ہے، کچھ لوگوں کو قائداعظم کی تصویروں کا لالچ ہوتا ہے، تو کچھ شریف لوگ تم جیسی جل پریوں کے شوقین ہوتے ہیں، ہر بار اک نئی جل پری۔" وہ پھر قہقہہ لگا کر ہنسا اور اس کی ساڑھی کا پلو پکڑ کر بولا۔

"ماننا پڑے گا بھئی، ماننا پڑے گا، ارحم جتنا اچھا سنگر ہے اس سے کہیں گھاگ شکاری، ہر بار کیا خوب پیس سلیکٹ کرتا ہے۔"

ساڑھی کا پلو بائیں ہاتھ پر لپٹتا وہ اس کی سوچوں سے بے خبر بولے جا رہا تھا۔

"دھوکہ...... اتنا بڑا دھوکہ، کتنا فریبی اور مکار ہے یہ شخص، مجھے باتوں میں الجھا کر رات روکنا چاہتا ہے مگر مجھے ہر صورت یہاں سے نکلنا ہے اور اس شخص کی حقیقت ارحم کو بتانی ہے۔" وہ آنسو بھری آنکھیں پھیلائے حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی اور من ہی من میں خود کو مضبوط کر کے یہاں سے فرار کا راستہ تلاش کر رہی تھی۔

"لاسٹ ملتھ کوئی اور تھی، آج تم ہو، اور کل کوئی اور ہو گی، یہ سلسلہ تو ہمیشہ سے یونہی چلتا آیا ہے اور چلتا رہے گا۔" اس نے ہاتھ پر لپیٹے پلو کے بلوں کو آہستہ آہستہ کھولا اور اس کے مزید قریب ہوا، یہاں تک کہ اساور کو اس کا سانس اپنے چہرے پر محسوس ہونے لگا۔

"ہٹو...... ہٹو...... دور رہو مجھ سے۔" ہاتھوں سے اسے پرے دھکیلتے ہوئے وہ بری طرح کانپنے لگی، مگر اس کے نازک ہاتھوں کے زور کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا، اس نے اساور کے دونوں کندھے پکڑ لئے اور بولا۔

"خوبصورت اور ان چھوئی، بالکل ٹھیک کہا تھا ارحم نے۔"

"خدا کے لئے مجھے جانے دو، میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔

"میں...... میں تمہارے پاؤں پکڑتی ہوں، دیکھو میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔" وہ نیچے اس کے قدموں میں بیٹھ گئی اور تبھی اس کی نظر میز پر رکھی آدھے سیب کی پلیٹ پر پڑی۔

"اچھا پھر کیسی لڑکی ہو تم؟" وہ پرشوق انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"ایسی لڑکی ہوں میں۔" وہ تیزی سے اٹھی اور ہاتھ بڑھا کر پلیٹ میں سیب کے ساتھ رکھی چھری کو اٹھا لیا۔

"میں کہتی ہوں، میرے سامنے سے ہٹ جاؤ اور مجھے جانے دو، ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

"اوئی میں ڈر گیا۔" حاشر یزدانی نے ڈرنے کی اداکاری کی اور پھر اساور کے چھری والے ہاتھ پر جھپٹ کر اس کے ہاتھوں پر دباؤ ڈال کر چھری گرانے کی کوشش کرنے لگا۔

اس نے اپنے ہاتھ چھڑوانے کے لئے پوری قوت سے نیچے کی جانب کھینچے، اساور چھینا جھپٹی میں چھری حاشر یزدانی کی ران پر جا لگی، وہ چیخا اور نیچے کی جانب جھکتا چلا گیا، اساور نے حیرت اور خوف سے بہتے خون کو دیکھا اور پھر دروازے کی سمت دوڑ لگا دی۔

"ارے روکو...... روکو۔" بڑا سیاہ گیٹ عبور کرتے ہوئے اس نے اپنے پیچھے چوکیدار کی آواز سنی مگر وہ بغیر مڑے اور رکے آگے بڑھ گئی، اس نے ارحم ایڈورٹائزنگ کمپنی میں داخل ہو کر ہی سانس لیا، چوکیدار اسے دیکھتے ہی پہچان گیا، وہ شیشے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی، ویٹنگ روم خالی پڑا تھا اور سامنے لکڑی کا آدھ کھلا دروازہ تھا۔

"اساور...... اساور...... اساور...... آخر کیا ہے، اس لڑکی میں، جو تم نے اتنے بڑے کنٹریکٹ کے لئے اس کا انتخاب کیا، مجھے تو بہت بھولی، سیدھی سادھی اور خاصی حد تک بیوقوف لگی ہے وہ۔" اندر سے آتی بازگشت نے دروازہ کھولتا اس کا ہاتھ جکڑ لیا، اس نے آدھ کھلے دروازے سے

اندر جھانکا، اسے درانی کی پیٹھ نظر آئی، وہ دونوں ہاتھ میز پر رکھے آگے کی جانب جھکا ہوا تھا۔

''سیدھی سادی اور بھولی بھالی لڑکیاں ہی ہمارے کام کے لئے بہتر ہیں، وہ لڑکی نہیں سونے کی چڑیا ہے، بہت محنت کی ہے میں نے اس پر۔'' اس نے ارحم کو کہتے سنا، وہ جانتی تھی اس طرح چھپ کر باتیں سننا غیر اخلاقی حرکت ہے مگر جب سامنے اپنے وجود کی کرچیاں بکھری نظر آئیں تو بھلا کون قدم بڑھانے کی ہمت کر سکتا ہے۔

''زیادہ نہ اڑانا اس چڑیا کو، جلد ہی پر کاٹ دینا تو بہتر ہوگا۔'' درانی نے خاصی ناگواری سے کہا اساور جانتی تھی کہ وہ ارحم کا دوست تھا اور کبھی کبھار آفس آتا رہتا تھا، مگر اس وقت اس کے بات کرنے کا انداز اسے کھٹک رہا تھا۔

''آخر مسئلہ کیا ہے درانی، وہ ہمیں اگلے پانچ سالوں تک ماڈلنگ سے ہی اتنا منافع دے سکتی ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے، اس لئے جب تک اس کی خوبصورتی کیش ہوتی ہے کرواتے جاؤ، پھر سوچیں گے۔'' ارحم نے قدرے لاپرواہی سے کہا اور باہر کھڑی اساور کی روح تک کانپ گئی۔

''نہ یہ ہمارے بزنس کا اصول ہے اور نہ میں تمہاری وجہ سے اس کو اتنی ڈھیل دے سکتا ہوں جتنی جلدی ہو سکے اپنا اصل جال پھینک کر اس جل پری کو قید کر لو اور ہمیشہ کی طرح اپنا حصہ لے کر الگ ہو جاؤ، پھر ہم جانیں اور وہ۔'' درانی خباثت سے ہنسا۔

''آخر تمہیں اتنی جلدی کیا ہے؟'' ارحم جھنجھلایا۔

''یاد رکھو، اس کمپنی کے تم صرف پچیس فیصد کے پارٹنر ہو اور پچھتر فیصد میرے ہیں ماس لئے فیصلہ بھی میرا ہی مانا جائے گا اساور سے پہلے بھی تو تم بہت سی لڑکیاں لاتے رہے ہو، تب تو کبھی اتنی بحث نہیں کی، کہیں اس حسن کی دیوی سے سچ مچ محبت تو نہیں کر بیٹھے۔'' نہایت راز داری سے کہتا ہوا درانی سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''تم جانتے ہو ارحم خوبصورتی سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ اس کا استعمال کرتا ہے اور محبت بازاروں میں تھوک کے بھاؤ بکتی ہے آج کل، جب گرم ہو تو جتنی چاہے خرید لو۔'' اساور کو لگا جیسے وہ گر جائے گی اس نے ہاتھ بڑھا کر دیوار کا سہارا لیا اور اپنے کانپتے وجود کو گرنے سے بچایا۔

''ٹھیک ہے پھر جلد از جلد اپنا اصل کام مکمل کرو، شیخ نے صرف اساور کی تصویر کو ہی پسند کیا ہے وہ ساتھ لے جانا چاہتا ہے اسے۔'' درانی نے اپنا دایاں ہاتھ آگے کیا۔

''کون شیخ، وہ جو دبئی سے مال لایا ہے؟'' ارحم نے کھڑے ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا، درانی نے ''ہاں'' کہتے ہوا اثبات میں سر ہلایا۔

ان کی باتیں اساور پر بجلی گرا رہی تھیں، اس نے ساری ہمت مجتمع کی اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی، دماغ اسے آگے بڑھنے سے منع کر رہا تھا، مگر دل اب بھی باضد تھا، نہیں میرا ارحم، ایسا نہیں ہو سکتا، وہ مجھے اتنا بڑا دھوکہ نہیں دے سکتا۔

''ارحم...... ارحم...... وہ۔'' وہ دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے جیسے اتنی جلدی آنے کی امید نہ ہو۔

''ارحم...... وہ...... بہت خراب شخص ہے وہ تم لوگوں کے بارے میں بہت غلط کہہ رہا تھا، اس نے اس نے...... میں اب کبھی اس کے پاس نہیں جاؤں گی۔''

''تم یہاں کیسے آ گئی ہو۔'' ارحم نے وہیں

کھڑے کھڑے سختی سے کہا، درانی بھی اس کی جانب مڑ کر غصے سے گھورنے لگا۔

''بتایا ناں...... ارحم...... وہ...... بہت مکار شخص ہے...... میں بہت مشکل سے خود کو بچا کر وہاں سے بھاگی ہوں۔''

''کیا...... تم وہاں سے بھاگ آئی ہو، میں نے کیا کہا تھا تمہیں، کہ یہ کنٹریکٹ ہر حال میں حاصل کر کے ہی آنا ہے۔'' ارحم تیزی سے میز اور کرسی کے درمیان سے نکل کر اس کی جانب آیا تھا۔

جبھی اس کا موبائل بجا، ارحم نے واپس مڑ کر میز پر رکھا موبائل اٹھایا اور نمبر دیکھ کر کھا جانے والی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

''ہیلو سر...... جی سر...... سوری سر...... معاف کر دیں...... پلیز غلط ہو گئی...... جی...... جی...... وہ لڑکی ابھی کچھ دیر تک واپس آپ کے قدموں میں ہو گی...... جی...... جی...... نہیں...... مجھے لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں...... مجھے صرف اپنے کنٹریکٹ سے مطلب ہے۔'' وہ رک رک کر دوسری جانب سے آواز سن کر جواب دینے لگا۔

''یہ حاشر یزدانی کو زخمی کر کے بھاگ آئی اور وہ اب وہ ہر حال میں اسے واپس مانگتا ہے۔'' ارحم نے موبائل بند کر کے میز پر رکھا اور ساتھ کھڑے درانی کو مختصر بتایا۔

''نہیں...... نہیں...... اب میں وہاں کبھی نہیں جاؤں گی۔'' وہ تیزی سے کہتی واپس مڑی اور اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے بھاگتی درانی نے آگے بڑھ کر اسے بازوؤں سے پکڑا اور گھسیٹتا ہوا لا کر کرسی پر پٹخ دیا اور بولا۔

''یہ ایسے نہیں مانے گی آغا خان، تم اسے اس کے کارنامے دکھاؤ ذرا۔''

''کتنی بار کہا ہے مجھے اس نام سے نہ پکارا کرو۔'' ارحم جھنجھلایا اور میز کی طرف جا کر دراز میں سے کچھ تلاش کرنے لگا۔

''جان بوجھ کر نہیں کہا یار، منہ سے نکل گیا ویسے بھی یہاں کون سا کوئی اور ہے۔'' درانی منمنایا۔

''دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔'' ارحم نے دراز سے ایک سی ڈی نکالی اور سی پی یو میں لگانے لگا، اساور بے حد شاکڈ کے عالم میں ان دونوں کو دیکھنے لگی۔

☆☆☆

اسٹیشن پہنچا تو دو خبریں میری منتظر تھیں، ایک یہ کہ انسپکٹر ارشد جو کے کراچی تھانے کا انچارج تھا نے ایس ایچ او صاحب سے درانی کو گرفتار کرنے کی پرمیشن لے لی تھی اور دوسری خبر ملی تھی کہ درانی اس وقت ارحم خان کی ایڈورٹائیزنگ کمپنی کے آفس میں موجود تھا، ہم نے فوراً فورس تیار کی اور ارحم کے آفس جا پہنچے، عمارت کو چاروں جانب سے گھیرنے کے بعد میں اور انسپکٹر ارشد اندر داخل ہو گئے، ابھی ہم ویٹنگ روم میں ہی داخل ہوئے تھے کہ اندر سے آتی آوازوں نے ہماری ساری حسوں کو چونکا دیا۔

''یہ ایسے نہیں مانے گی آغا خان، تم اسے اس کے کارنامے دکھاؤ ذرا۔''

''کتنی بار کہا ہے مجھے اس نام سے مت پکارا کرو۔'' ارحم نے جھنجھلائی ہوئی آواز آئی تو ہم دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

ارحم خان کا مکمل نام آغا ارحم خان تھا یہ تو ہم اچھی طرح جانتے تھے مگر ہمارا شک قطع اس کی جانب نہیں گیا تھا، شاید ایسا اس لئے تھا کہ ہم بھی اسے ایک سنگر کے طور پر پسند کرتے تھے اور وہ

ایسے گھناؤنے فعال میں ملوث ہوسکتا ہے ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے، سوچتے سوچتے میں کچھ عرصہ پہلے منعقد ہونے والے کنسرٹ میں جا پہنچا کہ اساور کی روتی ہوئی آواز مجھے واپس حال میں لے آئی، سامنے موجود دروازہ مکمل کھلا تھا اور اندر کی آوازیں با آسانی ہم تک پہنچ رہی تھیں، میں آہستہ آگے بڑھا اور اپنی کمر کو دیوار سے لگاتے ہوئے ہلکا سا ترچھا ہو کر اندر دیکھا۔

''ارحم آخر تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو؟'' بے حد بکھری اور شاکڈ وہ حالت میں اساور کرسی پر بیٹھی تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، درانی بے حد سانولا اور موٹا شخص اس کے دائیں سائیڈ کھڑا اس کی پیٹھ میری جانب تھی، سفید قمیض شلوار کے ساتھ سفید ٹوپی پہنے ہوئے تھا، اساور کی بات پر کمپیوٹر پر جھکا اور ایک دم سیدھا ہوا تھا اور چلتا ہوا اساور کے بالکل سامنے آیا تھا، وہ دراز قد، سفید رنگ اور شربتی آنکھوں والا ایک خوبصورت نوجوان تھا، لڑکیاں اس کی آواز اور پرسنالٹی کی دیوانی تھیں۔

''ہم تو بہت جلد شادی کرنے والے ہیں ناں پھر یہ سب کیوں؟'' اساور نے ارحم کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو میرے دل کی ایک بیٹ بری طرح مس ہوئی، میں نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا، ارحم کے مقابلے میں، میں ایک سیدھا سادھا پولیس انسپکٹر تھا، اگر اساور نے ارحم کا انتخاب کیا تھا تو کیا غلط کیا تھا، میرے دل نے فوراً دلیل پیش کی حالانکہ میں نے تو اسے کچھ کہا بھی نہیں تھا۔

''شادی اور وہ بھی تم سے۔'' ارحم نے قہقہہ لگایا، درانی بھی ہنسنے لگا۔

''کیا میری اپنی فیملی یا سٹیٹس میں لڑکیاں ختم ہوگئیں ہیں جو میں تم جیسی متوسط طبقے کی اور پیسے کے پیچھے لوگوں کے سامنے خود کو تماشا بنانے والی لڑکی سے شادی کروں گا۔''

''پیسے کے پیچھے نہیں، ارحم بلکہ تمہارے، یہ سب میں نے تمہاری خوشی کے لئے کیا تھا۔'' اساور چلائی۔

''میری خوشی، میری خوشی کا اتنا ہی خیال تھا تو کیوں بھاگ آئیں وہاں سے صبح آتیں ناں، کنٹریکٹ فائل کے ہمراہ۔'' ارحم کرسی کے دونوں ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر اس پر جھکا تھا۔

''تم جانتے ہو ارحم، میں یہ نہیں کرسکتی، کسی بھی کنٹریکٹ کے بدلے میں اپنے ضمیر اپنی روح کا سودا نہیں کرسکتی۔'' ارحم نے سیدھا ہو کر ایک زور کا تھپڑ اس کے گال پر لگایا، اساور نے چیخ کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ بائیں گال پر رکھے، میں نے اندر داخل ہونا چاہا مگر میرے ساتھ دیوار سے لگے ارشد نے میرا بازو پکڑ لیا، نجانے ابھی وہ مزید کیا سننا چاہتا تھا۔

''میرے خوابوں کی اتنی بڑی سزا تو مت دو۔'' وہ سمجھ گئی تھی دھوکہ اسے حاشر یزدانی نے نہیں بلکہ ارحم نے دیا تھا اور جب ہمیں ایسا شخص دھوکہ دیتا ہے جسے ہم اپنا سمجھتے ہیں تو دل بری طرح دکھتا ہے، ایک دم اتنا کھوکھلا بے جان اور سرد ہو کر دھڑکتا ہے جیسے برف کی بے شمار سلوں کے نیچے جا دبا ہو۔

''کیوں دیکھے تھے تم نے خواب، رشتہ کیا ہے میرا تم سے، تم جیسی بیوقوف لڑکیاں جو کسی انجانے کے خواب اپنی آنکھوں میں سجاتی ہیں، وہ اسی قابل ہوتی ہیں، کہ ان کے ساتھ ٹائم پاس کیا جائے اور اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا جائے اور بس، تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ جو کہتے ہیں خاموشی سے کرتی جاؤ۔'' ارحم نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اوپر کی جانب اٹھایا اور پھر

واپس کرسی پر پھینک دیا، جیسے وہ کوئی فالتو اور بے مقصد شے ہو، پھر گھوم کر کمپیوٹر کی جانب آیا اور ماؤس گھمانے لگا، سکرین پر ابھرنے والا عکس اساور کے لئے ایک اور صدمہ لایا تھا۔

''یہ...... یہ...... یہ کیا ہے ارحم؟''

''تمہیں دکھائی نہیں دے رہا کہ...... یہ کیا ہے؟'' درانی اور ارحم ہنسے۔

''نہیں...... نہیں...... ارحم یہ میں نہیں ہوں، تم جانتے ہو ناں...... یہ میں نہیں ہوں۔'' محبت کا پنچھی کب کا اڑ چکا تھا، درخت نیم جاں ہو چکا تھا، اساور اب اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی تھی، محبت کی آنکھیں تو اسے کب کی دھوکہ دے کر جا چکی تھیں۔

''ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ تم نہیں ہو، مگر باقیوں کو کیسے یقین دلاؤ گی اور کون یقین کرے گا؟'' مجھ سے اساور کی تڑپ مزید برداشت نہ ہو سکی اور میں اندر داخل ہو گیا۔

''میں یقین کروں گا۔'' کمرے میں موجود تینوں نفوس نے چونک کر میری جانب دیکھا۔

''ہینڈز اپ۔'' ارشد بھی میرے پیچھے اندر داخل ہوا، میں نے کمپیوٹر پر چلتی ویڈیو بند کی اور ارشد نے انہوں ہتھکڑیاں پہنائیں۔

''اپنے کارنامے تم بہتر جانتے ہو، ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں ہو گی یقیناً۔'' ارشد نے ارحم کو ہتھکڑی لگاتے ہوئے کہا اور دونوں کو باہر لے گیا، حیرت انگیز طور پر دونوں خاموشی سے پولیس موبائل میں جا بیٹھے، شاید انہیں اس سب کا یقین نہ آ رہا ہو یا پھر ہوسکتا ہے انہیں یقین ہو گا کہ وہ کچھ ہی دیر میں رہا ہو جائیں گے، جو بھی تھا انہوں نے ہم سے الجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی، آفس کی تلاشی پر بے شمار سی ڈیز، اسلحہ اور شراب کے کارٹن برآمد ہوئے تھے، محبت جب نفرت میں بدلتی ہے تو وہ محبت کی نسبت کتنی طاقتور ہوتی ہے یہ ارحم نہیں جانتا تھا، اساور نے نہ صرف اس کے خلاف بیان درج کروایا تھا، بلکہ پاکستان میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے والے اس کے ٹرک کے بارے میں بھی بتایا تھا، تمام قانونی کاروائی پوری ہونے کے بعد میں اساور کو گھر ڈراپ کر کے آ گیا تھا کیونکہ مجھے ابھی اور بھی بہت سے کام نمٹانے تھے، خدا کا شکر ہے زریں گل سے کیا گیا عہد پورا ہوا تھا۔

☆☆☆

گھر پہنچ کر اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا، لاؤنج سے گزرتے ہوئے دادو نے اسے پکارا تھا مگر وہ ان سنی کر آئی تھی، وہ ایک سنگر تھا، بہت سی لڑکیاں اسے پسند کرتی تھیں، اگر اساور نے بھی اس کی چاہ کی تھی تو یہ بات اس کے لئے اہم نہ تھی، اس کے لئے اہمیت تھی تو اس خوبصورتی کی جو اساور کے پاس تھی، اس چہرے کی جو اساور کے پاس تھا، اس نے استعمال کیا تھا، نہ صرف اسے بلکہ اور نجانے کتنی لڑکیوں کو، وہ بیوپاری تھا لڑکیوں کا، وہ سوداگر تھا، وہ اسے کیا سمجھی تھی اور وہ کیا نکلا تھا، سارے خواب ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے تھے، وہ نیچے قالین پر بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

''خواہشات کے پیچھے نہیں بھاگتے اساور، خواہشیں بے لگام ہوتی ہیں اور ان کے پیچھے بھاگنے والوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوتی۔''

''وہ تمہاری نہیں بلکہ اس سونے کی چڑیا کی تعریف کرتا ہے، جو تمہاری بیوقوفی سے اس کی قید میں چلی گئی ہے۔'' کہیں دور سے آوازیں سفر کرتیں اس تک پہنچنے لگیں، اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں پہنی انگوٹھی دیکھنے لگی۔

''میں صرف تمہیں اتنا احساس دلانا چاہتی

ہوں کہ وہ تمہیں استعمال کر رہا ہے اور تم اسے محبت سمجھ کر پاگل بن رہی ہو۔'' اس نے نفرت سے انگوٹھی اتاری اور ڈسٹ بن میں اچھال دی پھر تیزی سے اٹھی، الماری کھولی اور ایک سیاہ شاپر باہر نکالا، شاپر کی گرہ کھولی اور اسے بیڈ پر الٹ دیا، سفید موتیا کے پھولوں سے بنے بہت سارے گجرے بیڈ پر بکھر گئے۔

''پھولوں کی یہ ادا مجھے بہت پسند ہے یہ مرجھا بھی جائیں تب بھی پتیوں سے خوشبو جدا نہیں ہوتی، میں تمہارے ساتھ رہوں یا نہ رہوں، یہ خوشبو تمہیں میری یاد دلائے گی۔'' وہ بیڈ پر بیٹھ کر ایک ایک گجرہ جمع کرنے لگی۔

''خواب، کیوں دیکھے تھے تم نے خواب، رشتہ کیا ہے میرا تم سے، تم جیسی بیوقوف لڑکیاں جو کسی انجانے کے خواب اپنی آنکھوں میں سجاتی ہیں، وہ اسی قابل ہوتی ہیں، کہ ان کے ساتھ ٹائم پاس کیا جائے اور اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا جائے۔'' ایک چیختی ہوئی آواز آئی تھی اور وہ چیختے ہوئے پاگلوں کی طرح گجرے نوچ نوچ کر پھینکنے لگی۔

کتنا بڑا دھوکہ ہوا تھا اس کے ساتھ، کیسی سزا پائی تھی اس نے غلطی بھی تو بہت بڑی کی تھی، ایک انجان شخص کے خواب اپنی آنکھوں میں سجائے تھے، اس سے محبت کی تھی، اس کی باتوں پر یقین کیا تھا اور یہ بھول گئی تھی کہ بنت حوا تو ازل سے لفظوں کے جال سے شکار ہوتی آئی ہے۔

کتنا چاہا تھا اسے، ہر لمحہ ہر پل اگر اتنا خدا کو چاہتی تو کیا آج اتنی نامراد اور مایوس ہوتی، کوئی اس کے اندر بار بار چلا رہا تھا۔

اپنے دل میں بٹھا کر کسی بت کی مانند پوجا کی تھی اس کی، بت...... بت...... بت اس کے ذہن میں بار بار اس لفظ کی تکرار ہونے لگی۔

☆☆☆

رات ہمیشہ کی طرح سیاہ تھی، ستارے ویسے ہی آسمان پر نکلتے تھے جیسے ہر روز نکلتے تھے، چاند اپنی پسندیدہ جگہ پر مسکرا رہا تھا، سرد ہوا روز کی طرح ادھر سے ادھر لہرا رہی تھی، کہیں بھی تو کچھ تبدیلی نہیں آئی تھی، ہاں بدلی تھی تو صرف اس کی ذات، ٹوٹ کر بکھرا تھا تو صرف اس کا وجود اور جب اپنے وجود کی بکھری کرچیوں پر چلتے چلتے اس کے پاؤں لہولہان ہو گئے اور ندامت کا بوجھ اٹھانا بے حد مشکل ہو گیا، تو وہ وضو کرنے چل پڑی، باقی ساری رات وہ اپنے رب کے سامنے روتی اور التجائیں کرتی رہی۔

صبح جب اس نے سجدے سے سر اٹھایا تو ایک سکون اور اطمینان خود میں اترتا محسوس کیا، فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ دادو کے کمرے میں آئی، وہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں، اساور وہیں دروازے سے سر ٹکائے ان کی تلاوت ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی، نصف گھنٹے بعد دادو نے قرآن پاک بند کیا، بیڈ سے اتر کر الماری میں رکھا اور اپنی تسبیح نکال کر جیسے ہی پلٹیں، اساور کو دروازے میں کھڑے دیکھ کر چونکیں۔

''مجھے معاف کر دیں دادو۔'' اساور ان کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

دادو نے دیکھا بڑی سی سفید چادر میں وہ معصوم سی گڑیا لگ رہی تھی۔

''کیا بات ہے...... اساور تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' انہوں نے پیار سے پکڑ کر اسے بیڈ پر اپنے قریب بٹھا لیا۔

''مجھے معاف کر دیں دادو، میں نے آپ کی بات نہیں مانی ناں، آپ کا دل دکھایا۔'' اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا، بچے تو غلطی کرتے رہتے ہیں، بڑوں کا کام ہوتا ہے درگزر کرنا۔''

''خواہش کی جس رنگین تتلی کو پکڑنے میں دوڑی تھی دادو، وہ تو بہت آگے نکل گئی اور میں راستہ بھٹک گئی، آپ کی اساور راستہ بھٹک گئی دادو۔'' ایک بار ایک پھر اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

''نہیں بیٹا نہیں۔'' دادو نے شفقت سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

''تم راستہ نہیں بھٹکیں، بلکہ اب تو تم صحیح راستہ پر پہنچی ہو۔'' انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے اور خود سے لگایا۔

''تمہاری غلطی صرف اتنی ہے، کہ جسے تم منزل سمجھ بیٹھی تھیں، وہ تمہاری منزل نہ تھی۔''

''مجھے معاف کر دیں دادو، مجھے معاف کر دیں۔'' اساور سسکتی ہوئی ان کی نرم محبت بھری آغوش میں سمٹ گئی۔

☆☆☆

سورج اپنی ہلکی زردی مائل دھوپ سمیٹا مغربی افق کی جانب بڑھ رہا تھا، مگر ابھی بھی ٹیرس کے کافی حصہ پر دھوپ موجود تھی، اساور کے سر اور شانوں پر بھی دھوپ تھی مگر وہ دھوپ سے بے نیاز دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے اور ان پر تھوڑی ٹکائے کسی اور ہی دنیا میں پہنچی ہوئی تھی، نجانے اساور کو کیا ہو گیا ہے، گھنٹوں ایک ہی زاویہ میں بیٹھی روتی رہتی یا زیادہ تر وقت عبادت میں مشغول رہتی ہے، دادو اس کے لئے بے حد پریشان تھیں اور فکر مند تو میں بھی تھا، وہ نہ صرف میری کزن اور دوست تھی بلکہ جو فیصلہ بڑوں نے ہمارے متعلق کیا تھا اسے میں نے دل و جان سے قبول کیا تھا، میرے دو تین بار بلانے پر بھی جب وہ متوجہ نہ ہوئی تو میں نے قریب جا کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا، وہ بری طرح ڈر گئی اور اس کے چہرے پر خوف نظر آنے لگا۔

''کیا بات ہے اساور، پہلے تو تم کبھی اس طرح نہیں ڈرتی تھیں، پھر اب کیا ہوا ہے۔'' میں اس کے قریب ہی بیٹھ گیا، اس بات پر اس نے مجھے جن نظروں سے دیکھا کہ میں چونک پڑا، کیا تھا ان نظروں میں افسوس، ندامت، پچھتاوے کی جلن یا شکست کا احساس، کون سا جذبہ تھا جو نہ تھا۔

''خوف تو انسان کے اندر ہوتا ہے عمر اور جب انسان کا اعتبار ٹوٹتا ہے اور زندگی وسوسوں میں گھرتی ہے تو یہ خوف انسان کے وجود کے ہر حصہ میں کنڈلی مار کر بیٹھ جاتا ہے پھر انسان کو ہر آہٹ پر ڈستا ہے۔'' وہ بولی تو اس کا لہجہ بھی اتنا ٹوٹا ہوا تھا کہ کچھ دیر کے لئے تو میں بھول ہی گیا کہ کیا بات کرنے آیا تھا۔

''میں کل واپس جا رہا ہوں۔'' میں نے اس کی جانب دیکھا کہ شاید وہ کچھ کہے مگر وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔

''یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے، تمہیں اندازہ ہے، دادو تمہارے لئے کتنی پریشان ہیں، پلیز جو ہوا اسے بھول جاؤ اور نئے سرے سے زندگی شروع کرو۔''

''زندگی...... زندگی تو کب کی ختم ہو گئی۔'' اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھتے ہوئے مایوسی سے کہا، اس کی بات پر مجھے نجانے کیوں بے پناہ غصہ آیا۔

''کیا کسی ایک شخص کے جانے سے زندگی ختم ہو جاتی ہے؟'' میں نے غصے سے کہا تو اس نے حیران نگاہوں سے میری جانب دیکھا شاید اسے مجھ سے غصہ کی امید نہ تھی۔

''مانا جو ہوا بہت برا تھا، مگر جو گزر گیا اسے

بھول کیوں نہیں جاتیں آخر، تمہارا دشمن پکڑا گیا، شراب اور اسلحہ سمگلنگ کے کیس میں ساری عمر کے لئے جیل کی سلاخوں کے پیچھے گیا وہ، سب لڑکیوں کی تمام سی ڈیز جلا دیں میں نے اور کیا چاہتی ہو تم۔'' میں نے اسے بازو سے پکڑ کر ہلایا۔

''اسے اب عمر قید ہو یا پھانسی میرے لئے اہم نہیں ہے یہ۔'' وہ اپنا بازو چھڑوا کر اٹھی اور پیچھے ہوتی ہوئی چلائی۔

''کیونکہ اس سے میری پرانی زندگی لوٹ کر نہیں آ سکتی، میرا مان میرا اعتبار مجھے واپس نہیں مل سکتا، کیسے بھول جاؤں میں ان لمحوں کو، ان دنوں کو جو میری جھولی میں پچھتاؤں کی آگ ڈال گئے جن میں لحہ بہ لحہ میرا وجود جلتا ہے، کاش ہم لڑکیاں کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے سوچ لیں کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی، بعض کانچ کے ٹکڑے بھی اندھیروں میں ہیروں کی مانند چمکتے ہیں مگر انہیں اٹھانے سے اپنے ہی ہاتھ زخمی ہوتے ہیں، اپنی ہی انگلیاں لہولہان ہوتی ہیں، جو غلطی مجھ سے ہوئی اس کا مداوا اب ممکن ہی نہیں، کتنی بڑی بھول کر بیٹھی ہوں میں، کتنی بڑی غلطی ہوئی ہے مجھ سے۔'' وہ وہیں بیٹھ کر بلند آواز سے رونے لگی۔

میرا دل چاہا اس بکھری ہوئی لڑکی کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں اور اسے یقین دلاؤں وہ میرے لئے اب بھی اتنی ہی پاکیزہ اور اہم ہے جتنی پہلے تھی، اس کا رونا مجھے تکلیف دے رہا تھا، مگر میں اسے روتا ہوا چھوڑ کر پلٹ آیا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ دکھ اگر آنسوؤں کے راستے بہہ نکلیں تو بہتر ہے ورنہ اندر ہی اندر لاوا بن جاتا ہے اور جب یہ آتش فشاں پھٹتا ہے تو لاوا سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کچھ وقت لگے گا پھر وہ اس کرائسس سے نکل آئے گی، کچھ وقت لگے گا پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور مجھے انتظار کرنا تھا اس وقت کا جب سب کچھ ٹھیک ہو جانا تھا۔

ویسے بھی کچھ فیصلے ہمارے بڑوں کو کرنے چاہئیں اگر وہ بڑے ہی کریں تو بہتر ہوتا ہے۔

وہ شروع سے ہی میری تھی اور ہمیشہ میری ہی رہے گی۔

☆☆☆

''کچھ کھائے گا؟'' فہد نے زین سے پوچھا جونماز تراویح کے بعد گھر میں داخل ہوا تھا۔

''نہیں یار میں نے آج مسجد میں ہی افطاری کر لی تھی اور کھانا بھی وہیں کھا لیا تھا پیٹ بھر گیا آج تو۔'' زین نے صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا ایسا کیا کھا لیا بھائی نے؟'' فہد بھی اس کے مقابل بچھی ہوئی دوسری چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہا تھا، زین پر جوش انداز میں بتانے لگا۔

''یار آج تو کمال ہی ہو گیا بھئی اپنے شیخ صاحب نے تو آج حاتم طائی کی قبر پر لات دے ماری، اب وہ بے چارہ اگلے رمضان تک قبر میں تڑپتا رہے گا۔''

ناولٹ

''مطلب؟'' فہد نے ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔

''زردے پلاؤ کی دیگیں پکوائی تھیں شیخ صاحب نے۔''

''نہ کر یار، شیخ صاحب تو اپنے جسم پر بیٹھی مکھی کسی کو نہ دیں، زردے پلاؤ کی دیگیں پکوا کے مسجد کیوں دینے لگے؟'' فہد نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''یار سچ کہہ رہا ہوں ایسا ہی ہوا ہے آج ہم تو یہ سمجھے تھے کہ شیخ صاحب کے گھر سے افطاری آ رہی ہے تو سوکھی کھجوریں، پانی یا زیادہ سے زیادہ شربت ہو گا کم میٹھا اور کم ٹھنڈا بے مزا سا، مگر یار آج تو سب کو حیرت میں ڈال دیا شیخ صاحب نے شربت اور کھجوروں کے ساتھ زردے پلاؤ کی دیگیں بھجوا کر، کافی زردہ، پلاؤ بچ بھی گیا تھا وہ مولوی صاحب نے اپنے گھر بھجوا دیا۔''

کسی کے خالی پیٹ کی بھوک کا خیال کیوں آنے لگا بھلا؟'' فہد نے چارپائی پر بچھی دری کو جھاڑتے ہوئے تلخی سے کہا اور چارپائی پر لیٹ گیا۔

''مولوی صاحب پوچھ رہے تھے تیرا کہ تو مسجد کیوں نہیں آتا؟'' زین نے اپنی چارپائی پر لیٹتے ہوئے اس سے کہا تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

''کیونکہ مجھے گھر میں کھانا مل جاتا ہے۔''

''تو تیرے خیال میں مسجد میں لوگ کھانا کھانے رزوہ افطار کرنے جاتے ہیں؟'' زین خفگی بھرے لہجے میں بولا۔

''نہیں، نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اس بہانے۔''

''مولوی صاحب! پوچھ رہے تھے کہ تمہارا دوست فہد نماز پڑھتا ہے کے نہیں وہ مسلمان ہے مگر اسے مسجد میں آتے جاتے نہیں دیکھا۔'' زین نے کہا۔

''کل جا کر ان سے پوچھنا کے وہ جنہیں نماز پڑھاتے ہیں وہ سب مسلمان ہو گئے کیا؟'' فہد نے سادہ لہجے میں گہری بات کہی تھی زین جمائی لیتے ہوئے بولا۔

''کیا بک رہا ہے؟ مسجد میں مسلمان ہی جاتے ہیں اور نماز پڑھنے ہی جاتے ہیں۔''

''نہیں سب نماز پڑھنے نہیں جاتے اور نہ ہی سب مسلمان جاتے ہیں، کچھ لوگ خود کو مسلمان ظاہر کر کے بم بلاسٹ کرنے بھی جاتے ہیں، مسلمانوں میں موت بانٹنے جاتے ہیں۔''

''او اچھا یار، اب سو جا مجھے تیری یہ باتیں سمجھ میں نہیں آ رہیں، مجھے اس وقت بہت نیند آ رہی ہے سو جا تو بھی، مجھے بھی سونے دے، سحری کے وقت اٹھنا بھی ہے۔'' زین نے فہد کے فلسفیانہ اور معنی خیز باتوں کو سنی ان سنی کرتے ہوئے نیند اور تھکن میں ڈوبی آواز میں کہا اور آنکھیں موند لیں۔

''سحری کے وقت اٹھنا ہے اور وقت پڑھنے پر نہیں اٹھنا۔'' فہد خود کلامی کرتے ہوئے مسکرا دیا اور پھر آسمان کو دیکھنے لگا جہاں ستارے چمک رہے تھے اس نے آنکھیں بند کر لیں نیند کی دیوی فوراً ہی اس پر مہربان ہو گئی۔

زیادہ دیر تو نہیں ہوئی تھی فہد کو سوئے ہوئے کم از کم اسے تو زین کے جگانے پر ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا زین وہیں صحن میں جائے نماز بچھائے تہجد کی نماز پڑھ رہا تھا، سلام پھیرنے کے بعد اس نے قریب ہی چارپائی پر سوئے فہد کو جگایا۔

''اٹھ جا بھائی سحری کا وقت ہو رہا ہے۔''

''تو جاگ گیا ہے نا، تو میں اٹھ کے کیا کروں گا؟'' فہد نے آنکھیں بند کیے ہوئے ہی نیند میں ڈوبی آواز میں جواب دیا۔

''سحری تو تو نے ہی بنانی ہے سگھڑ باورچی زین حمید نے۔''

''تم کم از کم اٹھ کے نماز ہی پڑھ لے۔''

''پڑھ لوں گا تو تو اپنی نماز پوری کر لے پہلے۔'' فہد نے اسی لہجے میں کہا تو زین کو یاد آیا اس نے دعا نہیں مانگی تھی ابھی اور وہ آنکھیں بند کیے ہوئے بھی اس کی ادھوری نماز سے باخبر تھا، زین کو حیرت ہوئی تھی۔

''ہاں میری دعا رہ گئی ہے۔'' زین نے کہا تو فہد بولا۔

''دعا رہ گئی تو سمجھو سب رہ گیا، تو مانگ شاباش دعا مانگ، میں دو گھڑی آنکھ لگا لوں۔''

''دو ہاتھ نہ لگا دوں تجھے۔'' زین تلملایا۔

''دعا پہ فوکس کر۔'' فہد بے نیازی سے بولا، تو زین نے دعا کے لئے ہاتھ پھیلا لئے اور با آواز دعا مانگنے لگا۔

''یا اللہ! میرے اس دوست فہد کو نیکی کی ہدایت دے یہ نہ تو باقاعدگی سے نماز پڑھتا ہے نہ روزے رکھتا ہے، بنا نماز کے روزے رکھتا ہے اور قرآن پاک تو پڑھتا ہی نہیں ہے اور......''

''ابے سالے! تو اپنے لئے دعا مانگ، میری شکایتیں کیوں لگا رہا ہے اللہ جی سے۔'' فہد ایکدم سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا، فہد نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اللہ جی! آپ پلیز اس کی باتوں پر دھیان مت دیجئے گا آپ تو جانتے ہیں ناں کہ میں کافر بالکل نہیں ہوں، نماز روزے کا مفہوم اور اہمیت سب جانتا ہوں۔''

''فائدہ ایسے جاننے کا جب عمل ہی نہیں کرنا۔'' زین نے دعا مکمل کرتے ہوئے اسے طعنہ دیا۔

''جو اپنے کیے کو جتانے لگا، وہ اپنے کیے کو مٹانے لگا، کیا سمجھے؟'' فہد نے اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کچھ نہیں سمجھا۔'' زین جائے نماز کی تہہ لگاتے ہوئے بولا۔

''ارے بھائی، تم نماز پڑھتے ہو تو بتاتے جتاتے کیوں ہو، کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں اور تم نماز نہیں پڑھتے، اپنا قبلہ درست رکھو، عملاً اتنے اچھے مسلمان بن کر دکھاؤ کے کافر کا دل بھی مسلمان ہونے کو مچلنے لگے۔''

''تو اور تیری باتیں، تقریر کروا لو عمل سے عاری۔'' زین چڑ کر بولا اور باورچی خانے کی طرف بڑھ گیا، فہد ہنستے ہوئے چارپائی سے اتر گیا اور غسل کا رخ کیا۔

زین سحری کے لئے آملیٹ بنانے کی تیاری کر رہا تھا، پراٹھے بنانے کے لئے توا چولہے پر رکھا تھا دوسرے چولہے پر چائے پکنے کے لئے رکھی ہوئی تھی، فہد بھی منہ ہاتھ دو کر وہیں باورچی خانے میں چلا آیا۔

''منہ دھل گئے شیروں کے؟'' زین نے ایک نظر فہد کے اونچے لمبے دلکش سراپے پر ڈال کر آملیٹ کے لئے پیاز کاٹتے ہوئے کہا۔

''ہاں منہ تو دھل گئے ہیں اب یہ بتا ہاتھ کس پہ صاف کروں؟'' فہد نے معنی خیز جملہ کہا تھا۔

''ہاتھ صاف کرنے کو ابھی کچھ نہیں ہے مجھے تین انڈے تو دینا۔''

''میں کوئی مرغی ہوں جو انڈے دوں؟'' فہد نے فوراً اس کی بات کے جواب میں کہا تو وہ چڑ کر بولا۔

''ابے فریج میں سے نکال کے دے، تو اتنے کام کا ہوتا تو رونا کس بات کا تھا۔''

''لے پکڑ۔'' فہد نے ہنستے ہوئے فریج میں سے تین انڈے نکالے اور زین کے پاس سلیب پر رکھی ہوئی پلیٹ میں رکھ دیئے۔

''بڑی ہنسی آ رہی ہے تجھے، بیٹا اہل محلہ مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے ہیں تجھے۔''

''کیوں بھئی میرا نماز نہ پڑھنا ان کی مسلمانی کو ٹھیس پہنچا رہا ہے یا ان کے ایمان میں روڑے اٹکا رہا ہے۔'' فہد نے حیرانگی سے زنی کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''انہیں لگتا ہے کہ تو اخلاقیات کے دائرے سے باہر نکل رہا ہے اس لئے تجھے لگام ڈالنا بہت ضروری ہے۔'' زین نے تیزی سے انڈے پھینٹتے ہوئے کہا۔

''وہ خود جو اسلامیات کے دائرے سے باہر نکلے ہوئے ہیں اس کا کیا؟ اب اگر تجھے کچھ کہیں تو ان سے کہنا کہ سیدھا سیدھا فہد مصطفیٰ سے بات کریں، میں انہیں بتاؤں گا کے

اخلاقیات کے دائرے سے کون باہر نکل رہا ہے۔" فہد نے پانی پیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو زین الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

فہد مصطفیٰ اور زین مجتبیٰ آپس میں تایا اور چچا زاد تھے، فہد اپنی نوکری کی وجہ سے کئی ماہ سے اپنے آبائی گھر "مرتضیٰ ہاؤس" میں مقیم تھا، ویسے تو تعلیم کی غرض سے لاہور شفٹ ہو گیا تھا اس کی امی ابو، بہن بھائی بھی لاہور میں ہی مقیم تھے، گوجرانوالہ چھٹیوں میں وہ سب "مرتضیٰ ہاؤس" جو کے ان کے دادا کے نام پر تھا، وہیں آ جاتے تھے اور سب خوب مزے سے رہتے تھے، ان کا گھرانہ متوسط طبقے میں شمار ہوتا تھا، مگر آپس میں محبت اور بھائی چارہ اعلیٰ پیمانے کا تھا، فہد کے تایا مجتبیٰ احمد اور ان کی بیوی اسماء ان دنوں عمرے کی سعادت کے لئے مدینہ منورہ میں تھے، زین کی ایک ہی بہن تھا جو اس سے عمر میں تین سال بڑی تھی اور فہد کی بھابھی بن کر اس کے گھر میں رہ رہی تھی، اس کا یعنی زویا کا ایک بیٹا تھا دو سال کا وہ بہت خوش تھی اپنے شوہر اور بیٹے کے ساتھ اپنے سسرال میں، گھر میں چونکہ آج کل فہد اور زین ہی ہوتے تھے تو کھانے پکانے، سحری اور افطاری بنانے کا کام بھی دونوں مل جل کر کر لیتے تھے، دونوں نے بچپن، لڑکپن ساتھ گزارا تھا بلکہ کالج تک اکٹھے پڑھے تھے لہٰذا آپس بھائی چارہ اور دوستی بھی بہت تھی اور بے تکلفی اور محبت بھی تھی، فہد آج کل محلے کے نکڑ والے گھر میں روز شام کو افطاری اور کھانے کا سامان سجا کر دینے جا رہا تھا اور اس کی یہ حرکت اہل محلہ کو خاصی معیوب و مشکوک محسوس ہو رہی تھی اور آپس میں چہ میگوئیاں بھی شروع ہو گئیں تھیں، نکڑ والا گھر میجر برکت شہید کا تھا، محلے والوں نے الٹے سیدھے سوال اٹھانے شروع کر دیئے تھے کے آخر فہد ان کے گھر کیوں جاتا ہے؟

افطار سے پہلے کا وقت تھا، فہد باورچی خانے میں افطاری کے لوازمات تیار کر کے ٹرے میں سجا رہا تھا، سموسے، پکوڑے، فروٹ چاٹ، جوس کا بڑا جگ، چپاتیاں، ڈونگے میں آلو گوشت کا سالن، لمبی چوڑی ٹرے فل بھری جا رہی تھی، زین ن یہ اہتمام دیکھا تو کہنے لگا۔

"تو پھر نکڑ والے گھر کے لئے ٹرے سجا رہا ہے۔"

"جب جانتا ہے تو پوچھ کیوں رہا ہے؟" فہد نے چولہا بند کر کے اس کی طرف دیکھا۔

"کبھی کبھار محلے کی مسجد میں بھی ایسی ٹرے سجا کے بھیج دیا کر۔"

"وہاں کھانا سحری و افطاری بھیجنے والوں کی کمی تھوڑی ہے۔" فہد نے سالن ڈونگے میں نکالتے ہوئے کہا تو زین بولا۔

"ہاں لیکن مسجد کا حق بھی بنتا ہے نا۔"

"مسجد کا حق کیا یہ ہے کہ وہاں مسلمان صدق دل سے نماز ادا کرے دل سے اللہ کے حضور سجدہ و قیام کرے جس کو ایک مان کر مسجد میں داخل ہوا ہے اس کی باتیں بھی دل سے مانے۔" فہد نے سنجیدگی سے اپنا کام کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں آں، لیکن تو مسجد کا رخ نہیں کرتا، وہاں افطاری اور کھانا نہیں بھیجتا الٹا محلے کی غیر عورتوں کے گھر ٹرے سجا کر لے جاتا ہے اس لئے محلے والے اور مولوی صاحب تجھے بے دین اور کافر قرار دینے پر تلے ہیں۔"

"اچھا۔" فہد استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"ہاں اس لئے میری مان مسجد میں بھی افطاری دے آیا کر۔"

"کیوں؟" فہد جذباتی اور جوشیلے پن سے بولا۔

"تیری کیوں مانوں میں؟ اللہ کی کیوں نہ مانوں جس نے مسجد میں افطاری بھیجنے کا خاص حکم نہیں دیا بلکہ بھوکے کو پیٹ بھر کے کھانا کھلانے کا حکم ضرور دیا ہے، مسجد میں ثواب سمجھ کر کھانا بھیجتے ہیں اور محلے میں ثواب کمانے کے لئے کھانا نہیں بھیج سکتے، کس قسم کے لوگ ہیں؟ مسجد میں جس اللہ کے نام پہ کھانا بھیجتے ہیں ناں اللہ کو میرے تمہارے ان کھانوں کی ضرورت نہیں ہے وہ تو خود رزاق ہے سب کو رزق دینے والا ہے، پوری کائنات کا رازق ہے، ہر ذی روح کو کھانا پہنچاتا ہے، اسے ہمارے سموسوں، پکوڑوں، زردے، پلاؤ، حلوہ پوری کی حاجت نہیں ہے اس کے نزدیک اگر قدر اور اہمیت ہے تو ہمارے زہد و تقویٰ کی ہمارے حسن اخلاق کی قدر ہے، ٹھیک ہے مولوی صاحب کے لئے کھانا ضرور بجھوائیں، روزہ داروں کے روزے افطار کرائیں مسجد میں یہ نیک عمل ہے، لیکن اسے فرض سمجھ کر اپنے باقی فرائض سے آنکھیں بند کر لینا کہاں کی دانشمندی اور مسلمانی ہے؟ یہ جو ہم مسجد میں پکوان بجھواتے ہیں ناں ثواب کے لالچ میں ملا مولوی اور اہل محلہ کی نظروں میں اچھا بننے کی غرض سے، تو یہ سب آپ کو وقتی اطمینان تو دے سکتا ہے مگر دائمی سکون نہیں دے سکتا، ہاں اگر یہی کھانا بھوکے فاقہ زدہ اور مفلس کے گھر بجھوا دیں انہیں کھلا دیں تو ثواب کی جنت بھی کما سکتے ہیں ہم، مگر نہیں ہمیں تو اللہ کے بندوں تہمتوں، الزام اور طعنہ زنی سے تار تار کرنا آتا ہے، کسی کی مفلسی کا مذاق اڑانے میں کی فاقہ زدہ کی بھوک کا اشتہار لگانے میں ہم پیش پیش ہوتے ہیں، لاچار و بے بس انسان کی مجبوری اور کمزوری کو سر عام اچھال کر خوشی محسوس کرتے ہیں اور خود کو مسجد کا مسلمان بھی کہلواتے ہیں۔"

"ہاں تو ٹھیک کہہ رہا ہے مگر یہاں کون سمجھتا ہے، تو ایک دو دفعہ مسجد میں بھی کھانا افطاری وغیرہ بجھوا دے، لوگوں کے منہ بند ہو جائیں گے۔" زین نے اس کی لمبی چوڑی تقریر سن کر سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں ہزار دو ہزار روپے مولوی صاحب کو دے دوں گا افطاری کا انتظام کرا لیں گے تو میری طرف سے بھی حصہ شامل ہو جائے گا اور رہی بات ٹرے سجا کر بھیجنے کی تو وہ تو ہی لے جانا، میں کس منہ سے مسجد میں کھانا لے کر جاؤں گا مالک (اللہ) مجھ سے سوال نہیں کرے گا کہ بھوکے کو کھانا کیوں نہیں کھلایا؟ مجھ میں تو اس کا سامنا کرنے کی ہمت ہے نہ جرأت، جو نظریں کسی ضرورت مند اور مستحق کو نہیں پہچان سکتیں وہ اپنے رب سے کیسے نظریں ملا سکتی ہیں، وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ ہم نے اس کے گھر (مسجد) میں زردے پلاؤ کی کتنی دیگیں پکوا کے بھیجی، کتنے پکوان پکا کر بجھوائے؟ وہ تو یہ دیکھے گا کہ ہم نے کتنے مستحق اور ضرورت مندوں تک ان کا حق پہنچایا، کتنے حقداروں کو ان کا حق اور حصہ دلایا؟ کتنے بھوکوں کو کھانا کھلایا، کھلایا بھی کے نہیں؟ جو اپنے گھر میں پیٹ بھر کے کھانا کھاتے ہیں انہیں کھلانے کو کون سا ثواب ملے گا؟ بھوکے کو فاقہ زدہ کو کھانا کھلاؤ اور جنت کماؤ، یہ بات جتنی جلدی سمجھ جائیں ہمارے لئے اتنا ہی بہتر ہے دنیا اور آخرت دونوں سنور سکتے ہیں، ورنہ مرنا تو ہے ہی ایک دن پھر جب حشر کا میدان سجے گا وہاں تو سارا حساب کتاب کلیئر ہو جائے گا، دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا، کھرا، کھوٹا سب الگ ہو گا، گناہ ثواب کے رستے واضح ہو جائیں گے اپنی منزل بھی واضح ہو جائے گی جنت یا جہنم۔"

''او بھائی مولوی سے لمبی تقریر تو تو نے کر دی، خالی پیٹ روزے کی حالت میں تیرا خطبہ کچھ ہضم نہیں ہو رہا مجھے اندازہ نہیں تھا کے اندر سے تو سچا اور پکا مسلمان نکلے گا۔'' زین اپنا سر پکڑ بے چارگی سے کہا اپنی حیرت اس پر دانستہ ظاہر نہیں کر رہا تھا۔

''ہاں تو پتا چل گیا نا اب، چل کھانا دینے میرے ساتھ ہی چل تو بھی۔'' فہد نے ٹرے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''سالے اپنے ساتھ مجھے بھی مروائے گا۔'' زین چل کر بولا تو فہد مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''فکر کیوں کرتا ہے؟ جس کے کہے پہ چل رہے ہیں وہ بچائے گا نا ہمیں۔''

''اللہ اکبر، چل بھائی۔'' زین نے گہرا سانس لیا اور مسکین سی صورت بنا کر اس کے ساتھ چل دیا، محلے کے نکڑ والے، میجر برکت اللہ شہید کے گھر کی جانب، زین سے رہا نہ گیا چلتے چلتے فہد سے پوچھنے لگا۔

''تو روز شام کو اس گھر میں کھانا دینے کیوں جاتا ہے کوئی اور تو نہیں جاتا محلے میں سے؟''

''کوئی اور نہیں جاتا اسی لئے میں جاتا ہوں۔'' فہد کا جواب کافی معنی خیز تھا زین نے بھنویں اچکا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''کیا مطلب؟''

''تمہاری یاد داشت بھی محلے والوں کی طرح کمزور ہو گئی ہے کیا؟ بھول گئے یہ میجر برکت اللہ شہید کی بیوہ کا گھر ہے جہاں وہ اپنی جوان بیٹی کے ساتھ رہائش پذیر ہیں۔'' فہد نے اسے طعنہ دیتے ہوئے یاد دلایا۔

''او اچھا، اب سمجھا تو وہاں کھانا لے کر کیوں جاتا ہے اور محلے والے طرح طرح کی باتیں کیوں بنا رہے ہیں؟ اصل وجہ ہے جوان لڑکی...... ہوں۔'' زین نے جیسے مجھنے والے انداز میں تیزی سے کہا۔

''بس اتنا ہی جانتا ہے تو مجھے...... تیری اور محلے والوں کی سوچ میں کوئی فرق نہیں ہے، پتا بھی ہے کچھ اس گھر میں بیمار بیوہ عورت اپنی جوان بیٹی کے ساتھ فاقے کاٹ رہی ہے مفلسی کی زندگی گزار رہی ہے لاچار و بے یار و مددگار پڑی ہے میجر برکت شہید کی بیوہ، دو سال ہو گئے اسے بیوہ ہوئے محلے کے کسی گھر میں سے کسی فرد نے جا کر اس کا حال پوچھا، اس کی خیریت دریافت کی کسی نے، یا کسی نے اس سے یہ پوچھا ہو کے اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے، نہیں پوچھا نہ کسی نے، اس کا شوہر وزیرستان میں شہید ہو گیا اس وطن کے لئے جان ہار دی اس نے اور ہم کیا چاہتے ہیں کے اس شہید کی بیوہ اور بیٹی ہماری بے حسی کی وجہ سے اپنی جان ہار دیں، موت کے دہانے پر کھڑی ان ماں بیٹی کی زندگی کی گاڑی چلائے رکھنے کے لئے میرا ان کے ہاں جانا اور کھانا دے کر آنا سب کو نظر آتا ہے، ان کی غربت اور فاقہ کشی کسی کو نظر نہیں آتی، کتنے بے حس اور بے درد لوگ ہیں ہم۔''

''ایمان سے مجھے نہیں پتا تھا کے ان کے گھر کے حالات اتنے ابتر ہیں۔'' زین کھسیانا سا ہو کر بولا۔

''ان کے گھر کے حالات ہمارے بے حس خیالات بلکہ بدتر خیالات کی وجہ سے ابتر ہیں۔'' فہد غصے سے بولا۔

''محلے کی مسجد میں تو محلے والے روز کھانا بھیجتے ہیں ثواب کے لالچ میں، مگر محلے کے ایک گھر میں کھانا نہیں بھیج سکتے، انسانیت کا احساس ہی نہیں ہو، درد انسانیت کی مر گیا ہو تو بھلے کوئی انسان ان کے سامنے بھوکا پیاسا مر جائے انہیں

کیا فرق پڑے گا؟ لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اور ہماری شکم ہی سیر نہیں ہوتی، مسجد میں کھانا بھجوا کر چندہ دے کر سمجھتے ہیں مسلمانی کا حق فرض ادا ہو گیا، ہم نے اپنی آخرت سنوار لی، جنت کھری کر لی، یاد رکھنا میرے بھائی، اللہ نے اپنے حقوق معاف کرنے کی رعایت دی ہے لیکن اپنے بندوں کے حقوق ادا نہ کرنے پر وہ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔''

''بات تو تیری ٹھیک ہے مگر۔''

''بس یہ اگر مگر ہی ہمیں لے ڈوبی ہے۔'' فہد نے زین کی بات کاٹ کر تلخی سے کہا۔

''تم بھی سمجھتے ہو کے نماز ادا کر لی، مسجد میں ہو آئے تو مسلمان ہونے کا فرض ادا کر دیا، مسجد میں جا کر تم سمجھتے ہو کے تم سونے چاندی کے ہو گئے، نیک فرشتے بن گئے، میرے بھائی میرے دوست صرف اللہ کو ماننے سے ایمان مکمل نہیں ہوتا، ایمان مکمل ہوتا ہے اللہ کی ماننے سے مسجد میں مصلے پر بیٹھنے والا ہر آدمی مومن اور مسلمان تو ہوتا، دل سے اللہ کو ایک ماننے اور اللہ کے بندوں کا احساس و خیال کرنے سے ان کے حقوق ادا کرنے سے انسان سچا اور اچھا مسلمان بنتا ہے۔''

''مان لیا بھائی، چل اب دروازے پہ دستک دے دماغ اور آنکھیں تو کھل گئیں ہیں اب دروازہ بھی کھل جائے اس سے پہلے کے روزہ کھل جائے۔'' زین نے میجر برکت شہید کے گھر کے قریب پہنچ کر رک کر اسے دیکھتے ہوئے کہا تو فہد نے مسکراتے ہوئے ایک ہاتھ میں ٹرے پکڑی، دوسرے ہاتھ سے دروازے پر دستک دی۔

''فہد بھائی۔'' اندر سے کسی لڑکی کی مدھم سی آواز آئی۔

''ہاں میں ہوں دروازہ کھولو۔'' فہد نے جواب دیا تو چند لمحوں میں دروازہ کھل گیا اور فہد نے اندر قدم رکھا اس کے پیچھے زین نے بھی گھر کے صحن میں قدم رکھا تھا۔

''السلام علیکم!'' اس دھان پان سی پیاری سی لڑکی نے فہد کے ساتھ زین کو بھی دیکھا تھا تو آنکھوں میں حیرت در آئی تھی۔

''وعلیکم السلام!'' فہد اور زین نے ایک ساتھ سلام کا جواب دیا۔

''امی کہاں ہیں؟'' فہد نے ٹرے اس لڑکی کو دیتے ہوئے پوچھا۔

''اپنے کمرے میں ہیں آیئے آپ ان کے پاس بیٹھیے روزہ کھلنے والا ہے۔'' لڑکی نے دھیمے پن سے کہا۔

''ہاں، ارے یاد آیا یہ زین ہے اور زین یہ حورم ہے لیکن میں اسے گڑیا کہتا ہوں بی اے اے گریڈ میں کیا ہے اسی سال اور اب بی ایڈ کے پیپرز دے رہی ہے اسکول ٹیچر بننے کا ارادہ ہے گڑیا کا۔'' فہد نے حورم سے زین کا تفصیلی تعارف کراتے ہوئے بتایا تو وہ اخلاقاً مسکراتے ہوئے بولا۔

''اللہ آپ کو کامیاب کریں۔''

''شکریہ۔'' حورم اخلاقاً مسکرا دی۔

پھر وہ مسز برکت کے کمرے میں آ گئے، حورم نے میز پر وہ ٹرے رکھ دی، شربت اور کھجوریں بھی لے آئی، مسز برکت چالیس سال کی عمر میں برسوں کی بیمار اور کمزور دکھائی دے رہی تھیں، وہ دل کی مریضہ تھیں، ان کا دایاں ہاتھ فالج کی زد میں آ کر مفلوج ہو چکا تھا، شوہر کی شہادت کے بعد وہ اکیلی رہ گئیں تھیں، قریبی رشتے داروں نے محکمے کی طرف سے ملنے والی رقم ہتھیا لی تھی، ان کا کوئی بیٹا بھی نہیں تھا کہ اسے شہید شوہر کی جگہ فوج میں بھرتی کروا دیتیں، لے

دے کر تین مرلے کا یہ گھر ہی بچا تھا جس میں دونوں ماں بیٹی سر چھپائے بیٹھی تھیں، جو جمع پونجی تھی، وہ بیماری، بجلی، گیس کے بلوں اور روزمرہ کی ضروریات پر خرچ ہو گئی تھی، گھر میں کوئی مرد نہیں تھا جوان کی کفالت کرتا اور وہ بھی اپنے ہاتھ کے مفلوج ہو جانے سے ایک مفلوج اور مفلسانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئی تھیں، ہاتھ کام کرتا رہتا تو وہ کپڑے سی کر گزارہ کر لیتیں مگر اس سے بھی گئیں، حورم نے محلے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانا شروع کی مگر ٹیوشن فیس کوئی دیتا ہی نہیں تھا تو کوئی آدھی دیتا تھا، پھر حورم نے ٹیوشن پڑھانا چھوڑ دی اور اپنی ساری توجہ اپنی تعلیم پر مرکوز کر لی تاکہ وہ اعلیٰ گریڈز میں کامیاب ہو کر خود ایک اعلیٰ مقام پر پہنچ سکے، مسز برکت محلے کے بچوں کو قرآن پاک پڑھانے لگیں، لیکن کچھ عرصے بعد یہ سلسلہ بھی بند ہو گیا، محلے والوں کو مولوی صاحب اور قاری صاحب جو میسر آ گئے تھے جو حلوے مانڈے بھی کھاتے، زردے پلاؤ بھی ڈکار جاتے تھے اور بچوں کو چار حرف بھی بڑے رعب سے پڑھا کے جاتے تھے، غرضیکہ محلے والوں نے ان ماں بیٹی کو ہر طرح سے تنہا اور اکیلا کر دیا تھا اور آہستہ آہستہ ان کے گھر فاقوں کی نوبت آ گئی، وہ تین دن سے بھوکی پیاسی تھیں اور محلے کے کسی گھر سے کھانا مانگ کر لانے کی اجازت ان کی خودداری نے انہیں کبھی نہ دی۔

''امی! کھانا نہیں ملے گا تو ہم مر جائیں گے، تڑپ تڑپ کر مرنے سے بہتر ہے کے ہم ایک ہی بار زہر کھا کر مر جائیں۔'' حورم نے بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر بے بسی سے کہا تھا۔

''پاگل مت بنو، شہید کی بیٹی ہو کر حرام موت مرنے کی باتیں کر رہی ہو۔'' مسز برکت نے اسے ڈپٹا تھا۔

''مرنا تو ہے ہی امی، موت اگر کھانا نہ ملنے کی وجہ سے آ گئی تو کتنا غصہ آئے گا نا اللہ جی کو بھی کے میرے بندے بھوک سے مر گئے اور کسی نے انہیں پوچھا تک نہیں، اللہ کی پکڑ میں آ جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے ہمیں اس حال تک پہنچا دیا کے ہم حرام موت مرنے کے بارے میں سوچنے لگیں۔'' حورم نے بہت گہری بات کہی تھی۔

اور یہ محض ایک اتفاق ہی تھا کے فہد ان کے گھر کے قریب کھڑا کسی کا انتظار کر رہا تھا ادھ کھلی کھڑکی سے آتی ان ماں بیٹی کی آوازیں ان کی باتیں اسے دکھ اور شرمندگی سے دوچار کر دیا تھا، وہ ایک حساس انسان تھا اس کو اس وقت کچھ اور نہیں سوجھا بس فوراً قریبی ہوٹل میں گیا چار لوگوں کا کھانا پیک کروایا اور مسز برکت کے گھر یہ کہہ کر دے آیا کہ ''اللہ کے نام کی نیاز دلوائی تھی یہ آپ کا حصہ ہے۔''

مسز برکت کی آنکھوں میں آنے والے آنسو فہد کو تڑپا گئے تھے اور وہ فوراً وہاں سے واپس پلٹ آیا تھا اور پھر اس نے مہینے بھر کا راشن ان کے گھر پہنچا دیا۔

''بیٹا یہ سب کس لئے؟'' مسز برکت حیرانگی سے پوچھ رہی تھیں۔

''بیٹا کہہ دیا ہے تو سمجھیں کے بیٹا اپنا فرض ادا کر رہا ہے کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بلا جھجک بتایئے گا جو میرے بس میں ہوا میں وہ آپ دونوں کے لئے ضرور کروں گا، آج سے آپ بھی میری ماں ہیں اور حورم میرے لئے بہن جیسی ہے۔'' فہد نے بہت خلوص اور سعادت مندی سے کہا تھا اور وہ دونوں ماں بیٹی ممنون سی ہو گئیں تھیں اور احسان مندی کے اظہار کے طور پر بے اختیار رو پڑی تھیں۔

''یہ زین ہے نا۔'' مسز برکت نے زین کی

طرف دیکھتے ہوئے فہد سے تصدیق چاہی۔

''جی امی! یہ زین ہے میرا تایا زاد، میرا دوست۔''

''آنٹی! آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا؟'' زین نے حیرانگی سے پوچھا۔

''بیٹا گزشتہ دو برسوں میں، میں نے سب کو جان بھی لیا ہے اور پہچان بھی لیا ہے، کون کیا ہے؟ کیسا ہے؟ کیا چاہتا ہے؟ زندگی میں پیش آنے والے حالات نے سب کی پہچان کروا دی ہے، بہت کچھ سیکھا دیا ہے، یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ اللہ کے نیک دل بندے آج بھی موجود ہیں اور انسانیت کا درد رکھنے والے فرشتوں کی آج بھی کمی نہیں ہے، فہد ہمارے لئے نیکی کا فرشتہ جینے کی امید اور گھپ اندھیروں میں روشنی کی کرن ثابت ہوا ہے، ہمارے دل سے اس کے لئے دعائیں نکلتی ہیں، اللہ اسے زندگی میں آخرت اعلیٰ مقام و مرتبہ اور خوشیاں، کامیابیاں عطا فرمائے۔'' مسز برکت کے لہجے میں خلوص تھا تشکر تھا پیار تھا، زین کے لئے۔

''آمین۔'' فہد اور زین نے آمین کہا۔

زین تو فہد کا یہ روپ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا تھا، کہاں تو وہ نماز روزے کو بہت ایزی لیا کرتا تھا، نماز موڈ ہوا تو پڑھ لی دل چاہا تو روزہ رکھ لیا، قرآن پاک بچپن لڑکپن میں پڑھا تھا اس کے بعد اللہ جانے اس نے دوبارہ قرآن پاک کھول کر بھی دیکھا کے نہیں، مگر اس کے خیالات اور عملی اقدامات ظاہر کر رہے تھے وہ دل کا مسلمان ہے، عمل کا مسلمان ہے، زبانی، اسلامی باتیں نہیں کرتا، عملی طور پر اسلام کی تعلیمات کا احترام کرتا ہے، ثابت کرتا ہے۔

زین عصر کی نماز پڑھ کر آیا تھا، فہد کمرے میں بے فکر سو رہا تھا اسی وقت دروازے پر زور دار دستک ہوئی زین نے پریشانی کے عالم میں دروازے کی سمت دیکھا اور پھر خواب خرگوش کے مزے لیتے فہد کے معصوم وجیہہ و مطمئن چہرے پر نظر ڈالی، دروازہ دوبارہ پہلے سے زیادہ زور سے کھٹکھٹایا گیا تو فہد نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں، زین کو سامنے دیکھ کر پوچھا۔

''دروازے پہ شور کیسا ہے؟''

''محلے والے آئے ہیں۔'' زین نے پریشان لہجے میں جواب دیا تو فہد نیند میں ڈوبی آواز میں بولا۔

''کیوں یہاں کوئی جلسہ ہو رہا ہے کیا؟''

''یہ لوگ تیرا جلوس نکالنے آئے ہیں۔''

''کیوں؟ میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''یہ تو تجھے محلے والے اور مولوی صاحب ہی بتائیں گے، چل اٹھ کے منہ ہاتھ دھولے جلدی سے میں دروازہ کھولتا ہوں۔'' زین گھبرائے ہوئے انداز میں اسے ہدایت دے کر باہر نکل گیا، فہد نفی میں سر ہلا کر بیڈ سے اتر آیا، برآمدے میں لگے واش بیسن کی ٹونٹی کھول کر کلی کی چہرہ دھویا اور گیلے ہاتھوں سے اپنے بالوں کو ٹھیک کرتا ہوا دروازے سے باہر نکل آیا، جہاں محلے کے کچھ افراد اور مولوی صاحب جمع تھے اور اسی کے منتظر تھے، فہد نے ان سب کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''جی فرمایئے، کیسے آنا ہوا؟''

''زین میاں نے کچھ نہیں بتایا آپ کو؟'' مولوی صاحب نے اسے دیکھتے ہوئے کہا، وہ اونچا لمبا دلکش مردانہ وجاہت کا پیکر ان سب کے سامنے کھڑا سب سے الگ اور حسین دکھائی دے رہا تھا اس پر کسی شان بے نیازی لوگوں کو کھل رہی تھی۔

''جی نہیں میں تو سو رہا تھا آپ لوگوں نے دروازہ توڑنا چاہا تو میری آنکھ کھلی ہے، خیریت یہ میرا گھر ہے، مسجد تو نہیں ہے کہ آپ لوگ اکٹھے ہو کر یہاں چلے آئے۔'' فہد نے کمال بے نیازی سے کہا، زین اس کے برابر میں کھڑا بری طرح گھبرایا ہوا تھا، اسے ڈر تھا کہ کہیں کوئی جھگڑا نہ ہو جائے، مولوی سے مسلمان کا جھگڑنا کوئی اچھی بات ہرگز نہیں تھی۔

''آپ تو مسجد تشریف لاتے نہیں ہیں سو ہم نے سوچا کے کیوں نہ ہم ہی آپ سے ملنے چلے آئیں۔'' مولوی صاحب نے سنجیدگی سے بات شروع کی۔

''زہے نصیب، فرمائیے مولوی صاحب آپ کی کیا خدمت کی جائے، ویسے میں کل آپ کے پاس آنے ہی والا تھا افطاری کے لئے کچھ رقم دینے کے لئے۔''

''آپ نے بہت دیر کر دی۔'' مولوی صاحب بولے۔

''وہ کیسے؟ ابھی تو کئی روزے باقی ہیں۔''

''ہاں خیر ہم یہاں کچھ اور بات کرنے آئے ہیں۔''

''ہاں تو کیجئے نا بات، میں سن رہا ہوں۔'' فہد نے مسکراتے ہوئے مہذب لہجے میں کہا۔

''فہد میاں! مولوی صاحب ہیں ذرا لحاظ، شرم والے آدمی ان کی زبان تاب نہیں لا رہی ہے یہ بات کہنے کی اس لئے میں ہی آپ سے کہتا ہوں بلکہ ہم سب محلے والوں اور مولوی صاحب کی طرف سے تم سے سوال کرتا ہوں کے تم میجر برکت مرحوم و شہید کے گھر کھانے کی ٹرے لے کر کیوں جاتے ہو؟'' محلے کے ایک معزز آدمی نے سوال کیا۔

''آپ لوگ کھانے کی ٹرے لے کر مسجد میں کیوں جاتے ہیں؟ ثواب کے لئے یا اللہ کی خوشی کے لئے۔''

''دونوں کے لئے۔'' سبھی افراد ایک ساتھ بولے تھے۔

''بس میں بھی اسی لئے جاتا ہوں۔'' فہد مسکراتے ہوئے بولا۔

''ابے کیا بک رہا ہے؟'' کسی کی آواز آئی۔

''بک نہیں رہا بات کر رہا ہوں آپ لوگوں کو بھی اگر مجھ سے بات کرنی ہے تو کیجئے ورنہ اجازت دیجئے مجھے افطاری بھی بنانی ہے۔'' فہد نے سنجیدگی سے کہا تو شیخ صاحب بولے۔

''یہی تو پوچھنا ہے کے افطاری وہاں دینے جاتے ہو نامحرم خواتین کے گھر میں، مسجد میں کیوں نہیں بھجواتے؟''

''کیونکہ مسجد میں کوئی بھوکا نہیں رہتا انہیں کھانا مل جاتا ہے، مسجد کے باہر جو بھوکا ہو اسے کھانا کھلانا ہمارا فرض ہے، میں بھی اسی لئے ان خواتین کا خیال رکھتا ہوں۔'' فہد نے نرم اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''کس حیثیت سے تم ان کا خیال رکھتے ہو؟'' مولوی صاحب نے اکڑ کر پوچھا تو ایک اور صاحب بولے۔

''ہاں بتاؤ نا، کیا رشتہ ہے تمہارا ان ماں بیٹی سے؟''

''وہی رشتہ ہے جو ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ ہوتا ہے، انسانیت اور احساس کا رشتہ، حقوق العباد کا رشتہ، جس کا حکم میرے مذہب میرے اللہ نے مجھے دیا ہے، وہی ناطہ ہے میرا ان ماں بیٹی کے ساتھ جو ایک اچھے پڑوسی کا دوسرے پڑوسی سے، ایک ہمسایے کا دوسرے ہمسایے کے ساتھ ہوتا ہے، وہی رشتہ ہے میرا ان

ماں بیٹی سے جو ایک بیٹے کا ماں سے ہوتا ہے اور ایک بھائی کا بہن سے ہوتا ہے۔'' فہد نے سنجیدہ اور پراعتماد لہجے میں ایمانداری سے کہا۔

''میاں کتابی باتیں کر کے ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔'' مولوی صاحب نے تیز لہجے میں کہا۔

''ہاں بالکل۔'' باقی سب لوگ بھی تائید میں بولے۔

''او ہاں، کتابی باتیں، آپ کو تو یہ کتابی باتیں ہی لگیں گی نا، کیونکہ اچھی اور سچی باتیں تو صرف کتابوں میں ہی لکھی ہوتی ہیں اور آپ جیسے اسلام کے ٹھیکیدار قرآن پاک کو بھی محض ایک کتاب سمجھ کر ہی تو پڑھتے ہیں اور پڑھ کر طاق نسیاں پر ڈال دیتے ہیں، اس مقدس کتاب میں لکھی باتوں اور تعلیمات پر عمل کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے آپ لوگ۔''

''تمہارے خیال میں ہم سب مسلمان نہیں ہیں۔'' ایک آدمی نے تیز اور جوشیلے انداز میں کہا۔

''آپ کی بات میں ہی آپ کے سوال کا جواب موجود ہے بس میرا خیال اس میں سے نکال دیجئے آپ۔'' فہد نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ کھسانا سا ہو گیا۔

''بحث مت کر یار۔'' زین نے چپکے سے فہد کا ہاتھ پکڑ کر دباتے ہوئے اس کے کان کے قریب ہو کر سرگوشیانہ انداز میں کہا۔

''ہم صرف یہ کہنے آئے ہیں کہ تم نامحرم عورتوں کے گھر نہیں جا سکتے۔'' مولوی صاحب نے فیصلہ صادر کیا۔

''اچھا اور آپ ان نامحرم عورتوں کا ذکر یوں بیچ سڑک کے کر سکتے ہیں نامحرم زبان سے نامحرم مردوں کے سامنے ان معصوم مفلس مفلوج اور لاچار بیمار عورتوں کا ذکر آپ پورے محلے کو جمع کر کے کرنے کو نیک کام سمجھتے ہیں۔'' فہد نے غصے میں آتے ہوئے تیز اور جوشیلے انداز میں کہا تو مولوی صاحب سمیت سب شرمندگی سے نظریں چرانے لگے۔

''مولوی صاحب! آپ نے کتنے بھوکوں کو اپنے حصے کے کھانے میں سے کھانا کھلایا ہے؟ مجھے بتائیں آپ میں سے کس نے اس یتیم لڑکی اور اس کی بیوہ بیمار ماں کی کفالت کی ذمے داری اٹھائی ہے؟ کس نے انہیں ان کی بے چارگی اور مفلسی کا احساس کم کرنے میں ان کی مدد کی ہے؟ آپ کی نظروں کے سامنے لوگ بھوک سے بلک رہے ہیں، بھوکے کو نظر انداز کر کے بھرے پیٹ والوں کو کھانا کھلا کر کون سی نیکی کما رہے ہیں آپ؟''

''کسی کا روزہ افطار کرانا بہت ثواب کا کام ہے۔'' مولوی صاحب بولے تو فہد مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

''بجا فرمایا مولوی صاحب! اگر کسی فاقہ زدہ اور کئی دن کے بھوکے اور بیمار انسان کو کھانا کھلانا اس سے کہیں زیادہ نیکی اور ثواب کا کام ہے۔''

''لو اور سنو، کل کا لڑکا ہمیں واعظ دے رہا ہے۔'' ایک بڑے میاں نے زبان کھلی تو شیخ صاحب بھی بولے۔

''صاحبزادے! مولویوں کے کام میں دخل اندازی کرنا سراسر بے ادبی ہے، فتویٰ جاری ہو جائے گا تمہارے خلاف۔''

''اچھا۔'' فہد استہزائیہ انداز میں مسکرایا اور بولا۔

''تو ایک فتویٰ میں بھی جاری کروں گا اور وہ یہ کہ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی بہن کا اپنے ہمسایے کی جان، آن بھوک پیاس کا خیال نہ

رکھے جس کا ہمسایہ بھوکا رہے اور وہ خود پیٹ بھر کر خوب سیر ہو کر سوئے، اسے مسلمان کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔“

”تمہارے کہنے سے ہم مسلمان نہیں رہیں گے کیا؟“

”مسلمان نام سے نہیں کام سے بنتا ہے، زبان وکلام سے نہیں رویے اور عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہے، آپ کے محلے میں اور آپ کے ہمسایے میں ایک شہید کی بیوہ اور یتیم بیٹی تین چار دن کے فاقے سے تھیں اور ٹرے سجا سجا کر مسجد میں کھانا بھیج رہے تھے، مولوی صاحب ایک شاندار گھر میں رہتے ہیں تو کیا ان کے گھر میں کھانا نہیں پکتا ہوگا، پکتا ہوگا وہ بھی بہت اعلیٰ نسل کا، آپ مسجد میں ٹرے بھر کے کھانا بھجوا کے فخر محسوس کرتے ہیں کے آپ نے اللہ کو خوش کر دیا پکوان کی ایک ٹرے بھیج کر، واہ کیا سوچ ہے آپ لوگوں کی، کبھی کھانا پکاتے اور کھاتے وقت کسی کو ان ماں بیٹی کا خیال آیا، کسی نے پوچھا ان سے کے ان کی گزر اوقات کیسے ہوتی ہے یا یہ جاننے کی کوشش کی کسی نے کے انہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے، نہیں ناں شوہر شہید ہو گیا اس دیس کی خاطر تو آپ نے اس کی بیوہ اور بیٹی کو بھی مرا ہوا سمجھ لیا، اس کے گھر سے ہر ناطہ ہر تعلق توڑ لیا، ان کے گھر فاقوں کی نوبت آ گئی اور آپ لوگوں کو بھنک تک نہیں پڑی، کیسے مسلمان ہمسائے ہیں آپ لوگ؟ اور اب اگر میں ان کی پروا کر رہا ہوں تو آپ لوگوں کو یہ حق کس نے دیا ہے کے مجھ پر انگلی اٹھائیں اور اس طرح اعتراضات کی عدالت لگا کر کھڑے ہو جائیں؟“

”ہم ان کے ہمسائے ہیں ہمیں پورا حق ہے بات کرنے کا۔“ ایک اور صاحب نے رعب سے کہا تو فہد اسی لہجے میں بولا۔

”اچھا تو اس وقت آپ نے ہمسائے ہونے کا حق فرض کیوں ادا نہیں کیا جب وہ ماں بیٹی فاقے کاٹ رہی تھیں، بولیے۔“

سب شرمندہ سے کھسیانے سے نظریں چرائے ہوئے خاموش تھے، زین کو فہد کی دلیلوں اور شعلہ بیانی نے حوصلہ دیا تو وہ سنجیدہ اور پر اعتماد لہجے میں بولا۔

”فہد صحیح کہہ رہا ہے، ہم میں سے کسی نے بھی ان کا خیال نہیں رکھا اور آج الزام لگانے، فتویٰ دینے چلے آئے ہیں سب کے سب، یعنی احساس کسی کو بھی نہیں ہے اپنے فرائض کا، حقوق العباد اور ہمسائے کے حقوق سے کسی کو کوئی لینا دینا نہیں ہے، محلے کے خوشحال گھرانے اگر چاہیں تو اپنے محلے سے تو بھوک افلاس اور فاقے ختم کر سکتے ہیں ہر گھر اگر ایک دن کے لئے محلے کی بیوہ اور یتیم و نادار فیملیز کے لئے کھانا پکا کر بھجوا دیا کرے تو اس عمل سے کم از کم ہمارے اس محلے میں کوئی بھی بھوکا نہیں سوئے گا۔“

”اور یہ تب ہی ہوگا جب ہمارے اہل محلہ کے سوئے ہوئے ضمیر اور احساس جاگیں گے۔“ فہد مسکراتے ہوئے بولا۔

”ہاں بالکل۔“ زین نے بھی برملا فہد کی بات کی تائید کی، اہل محلہ کے چہروں پر خجالت اور شرمندگی سے امنڈ رہی تھی، فہد نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

”سجدے کر کر کے ماتھے پہ محراب بنا لی، نشان پکا کر لیا کے دنیا آپ کو نمازی سمجھے وہ بھی پانچ وقت کا نمازی، ہے نا دوستو، دل میں اگر ذرا سا خوف خدا اور انسانیت کا درد بھی رکھ لیا ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا، آپ لوگ قرآن پاک پڑھتے ہیں محض ثواب کمانے کے لئے، قرآن میں جو لکھا ہے اس پر عمل کر کے نیکی بھی کمائی ہوتا نا، آپ

جنت میں تو جانا چاہتے ہیں مگر جنت میں جانے والے کام نہیں کرنا چاہتے۔“

”میاں تم تو نماز تک نہیں پڑھتے چلے ہو ہمیں نصیحت کرنے۔“ محلے کے ایک آدمی نے کہا۔

”نماز نہیں پڑھتا، یہ کس نے کہہ دیا آپ سے، چلیں مانا کے میں نماز نہیں پڑھتا تو کسی کے پیچھے بھی نہیں پڑتا، اپنا من مار لیتا ہوں بھوکوں کا حق نہیں مارتا، کسی کا حق نہیں کھاتا، کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا اس لئے چین کی نیند سوتا اور سکون کی نیند جاگتا ہوں، میں اپنے حصے کی آدھی روٹی کسی بھوکے کو کھلاتا ہوں تو اس طرح نہ تو میں بھوکا سوتا ہوں نہ ہی وہ غریب اور فاقہ زدہ شخص جسے کھانے کو کچھ میسر نہیں ہے اور ہمارے اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ ”ہمیشہ بھوک رکھ کر کھانا کھاؤ۔“ میں تو سنت پر عمل کرتا ہوں آپ بھی تو مسلمان ہیں آپ سنت پر عمل کب کریں گے؟ آپ اپنے اللہ کا حکم کب مانیں گے؟“ فہد نے نہایت مودب انداز میں نرم مگر سنجیدہ لہجے میں استفسار کیا۔

”لو بھئی اس پہ تو فتویٰ لگے ہی لگے کیوں مولوی صاحب؟“ ایک لڑکے نے طنزیہ انداز میں ہنس کر کہتے ہوئے مولوی صاحب کی جانب دیکھا جو تسبیح کے دانے بڑی تیزی سے گرا رہے تھے، لڑکے کے مخاطب کرنے پر کچھ بولے نہیں۔

”مجھ پر فتویٰ لگائیں گے؟“ فہد دھیرے سے ہنستے ہوئے بولا۔

”ارے آپ لوگوں پر تو دفعہ 302 لگنی چاہیے، آپ کی بے حسی کی رہے ہیں، واعظ اور نصیحت سے پہلے عمل ضروری ہوتا ہے مولوی صاحب، اتنا تو آپ جانتے ہی ہوں گے اور عمل آپ کا ”صفر“ ہے پھر ایمان کے، مسلمان ہونے کے امتحان میں آپ لوگ پاس کیسے ہوں گے؟ دیکھ لیجئے گا اگر آپ لوگوں کا یہی وطیرہ رہا نہ تو روز محشر، کسی نہ کسی مضمون میں آپ کی کمپارٹ (سپلی) ضرور آ جانی ہے اور اگر وہاں کمپارٹ آ گئی تو دوبارہ تیاری کر کے پرچہ دینے کی مہلت بھی نہیں ملے گی اور فیل ہو جانے والے تو پیچھے رہ جاتے ہیں جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں، تو کیا یہ اچھا نہیں ہے کہ ہم امتحان سے پہلے ہی تمام مضمون کی اچھی سی تیاری کر لیں تا کہ آخرت میں رزلٹ اچھا آئے اور آپ کو جنت میں جگہ مل جائے۔“

”ہاں بھئی تم تو جنت کی باتیں کرو گے ہی، ہر روز حور کے درشن جو کر آتے ہو کھانا دینے کے بہانے۔“ محلے کے ایک پکی عمر کے آدمی الیاس نے عامیانہ انداز میں کہا تو فہد کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا مگر زین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دباتے ہوئے اگنور کرنے کا اشارہ دیا۔

”سن رہے ہیں مولوی صاحب یہ سوچ اور خیالات ہیں آپ کی مسجد میں آنے والے نماز پڑھنے والے آدمی کے، اگر آپ ان کی یہ سطحی سوچ اپنے خطبہ واعظ سے نہیں بدل سکے اب تک تو ذرا سوچیئے کے کمی کہاں رہ گئی ہے ایمان میں یا عمل میں؟“

”فہد بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے، ہم انتہائی سطحی سوچ رکھتے ہیں اور وہ ماں بیٹی جو اپنی مفلسی کا پردہ رکھے، خودداری کی بکل مارے چپ چاپ اپنے گھر میں بند رہتی ہیں ہم یہاں ان کی عزت اچھال رہے ہیں اس قسم کی باتیں کر کے، تف ہے ہم پر۔“ شیخ صاحب نے بڑے جوشیلے انداز میں کہا تو اہل محلہ تو اہل محلہ فہد اور زین بھی حیران رہ گئے کہ یہ یکا یک کایا کیسے پلٹ گئی۔

”یہ شیخ کو کیا ہو گیا؟“ فہد نے آہستہ سے

کہا۔

"لگتا ہے تیرے خطبے کا اثر ہو گیا ہے، مولوی صاحب تو گئے کام سے، مسجد میں تیری تقرری ہونے والی ہے۔" زین نے مسکراتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"بالکل ٹھیک کہا ہے فہد بیٹے نے۔" محلے کے بزرگ خاتون جو کب سے ہجوم کے پیچھے کھڑی ان سب کی باتیں سن رہی تھیں، آگے آ کر کہنے لگیں تو سب ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"غلطی ہم سب کی ہے، ہم عورتوں نے اپنے مردوں کی ناراضگی کے خیال سے میجر شہید کی بیوہ اور بیٹی کو تنہا چھوڑ دیا، فہد پہ فتویٰ لگانے، اس بچے سے جرح کرنے چلے آئے جو نیکی کا کام کر رہا ہے، یہ بچہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے، صرف اللہ کو ماننے سے تو ایمان مکمل نہیں ہوتا، نہ مسلمان کا کردار، اللہ نے جو کہا ہے قرآن پاک میں، وہ بھی تو مانو، اس پر عمل کرو گے تبھی تو ایمان کا حق اور مسلمان ہونے کا فرض ادا کر پاؤ گے۔"

"کلثوم خالہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" زین نے فوراً کہا تو فہد کہنے لگا۔

"معزز زین اور مولوی صاحب! تسبیح پھیرنے سے دن نہیں پھرتے، اندھیرے نہیں چھٹتے، دن پھرتے ہیں نیکی کرنے سے، اندھیرے دور ہوتے ہیں عمل کے چراغ روشن کرنے سے، محبت اور مذہب عمل اور یقین کا تقاضا کرتے ہیں اس میں ہم کتنے سچے اچھے اور سچے ہیں یہ بات اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہے، زبان سے کلمہ پڑھنا اور زبان سے اپنی محبت کا اقرار کرنا بہت آسان ہے، آپ کتنے مذہبی ہیں، کتنے محبّ ہیں یہ تو آپ کا عمل ہی ثابت کر سکتا ہے، عمل کے بنا یہ اقرار بھی صرف کتابی ہے۔"

"صحیح کہہ رہا ہے یہ اس لڑکے کی باتوں میں دم ہے، ہم جلد ہی اس بارے میں کوئی اچھا فیصلہ کریں گے تاکہ ہم سے آئندہ ایسی کوتاہی نہ سر زد ہو۔" مولوی صاحب نے اپنی غلطی تسلیم کرنے میں ہی عافیت جانی اور سنجیدگی سے کہا تو بھی اہل محلہ ان کی بات کی تائید میں بولنے لگے۔

"اچھا، فہد میاں، ہم چلتے ہیں زحمت کی معافی چاہتے ہیں اللہ آپ کو اس کار خیر کا اجر عظیم عطا فرمائیں۔"

"آمین۔" فہد نے مولوی صاحب کی بات سن کر کہا۔

"اور ہم سب کو اس کار خیر میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے، ثم آمین۔"

محلے والے چلے گئے تو زین اور فہد گھر میں واپس آ گئے زین اسے دیکھتے ہوئے حیرت و رشک سے بولا۔

"تو......تو پکا مولوی نکلا یار۔"

"مولوی نہیں مسلمان۔" فہد نے اس کے جملے کی درستگی کرتے ہوئے کہا۔

"مولوی وہ تھا جو میرے خلاف یہاں فتویٰ دینے آیا تھا، عجیب ہیں یہ مولوی صاحب بھی خود تو ہر روز قورمے پلاؤ، زردے، حلوے کھاتے ہیں لیکن اپنے ہی گھر کے قریب ایک بیوہ عورت اس کی یتیم بیٹی بھوک سے مر رہی ہیں اس سے وہ بے خبر رہتے ہیں یا بے خبر بنے ہوئے ہیں۔"

"ہاں ٹھیک کہہ رہا ہے تو منبر پر بیٹھ کر تقریریں کرنا واعظ دینا بہت آسان ہے لیکن منبر سے پرے، اسی تقریر اور واعظ پر عمل کرنا اس کے لئے کار دشوار ہے۔"

"ہونہہ اور خود کو سلام کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں۔" فہد تلخی سے بولا تو زین نے کہا۔

"اچھا بس اب خاموش ہو جا، بہت بول

لیا، کسی نے سن لیا تو پھر سے آ جائیں گے فتویٰ دینے، ایسے لوگوں کا کچھ پتا بھی نہیں ہے کہ کب کہاں کیسے مجرم قرار دے کر سنگسار کر دیں، اس لئے میرے بھائی خاموشی ہی بھلی ہے۔" زین نے اسے سمجھایا۔

"ماں مجھے ہمیشہ اللہ سے ڈراتی ہے اور تو مجھے اللہ کی مخلوق سے ڈرا رہا ہے، اللہ کو یہ بات ہر گز پسند نہیں ہے کہ اس کے بندے اس کے سوا کسی اور سے ڈریں اور کسی اور کے آگے جھکیں۔" فہد سنجیدگی سے بولا۔

"تو......تو اچھا خاصا بلکہ اچھا سچا مسلمان نکلا یار، اور میں تیرے ساتھ رہتے ہوئے بھی تجھے نہ سمجھ سکا، حیرت ہے مجھے اپنی سمجھ پہ۔" زین شرمندگی سے بولا۔

"چل اب افطاری بنانے میں ہیلپ کروا، روزہ کیا شرمندگی کے ساتھ کھولے گا؟" فہد نے اس کے شانے پہ ہاتھ سے تھپکی دے کر کہا تو وہ ہنس پڑا اور اس کے پیچھے باورچی خانے میں چلا گیا۔

☆☆☆

فہد اپنے محلے اور مسز برکت کی حالت اور حالات کے متعلق سوچتے ہوئے نیند میں گم ہو گیا تھا، ہوش میں تب آیا جب زین نے اسے سحری کے لئے جگایا۔

"فہد اٹھ جا یار، سحری کر لے پھر ٹائم ختم ہو جائے گا۔" فہد نے آنکھیں بند کیے ہی لیٹے لیٹے مخمور لہجے میں کہا۔

"ہائے وہ سحری نہ جانے کب آئے گی، جب پیاری سی آواز والی کہے گی، اٹھئے نا، پھر اذان ہو جائے گی۔"

"ہاں تو پھر کر لے نا شادی، لڑکی تو تو نے پسند کر ہی رکھی ہے۔" زین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کون سی لڑکی؟" فہد نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"حورم کی بات کر رہا ہوں میں۔"

"دوبارہ یہ بات مت کریں، بلکہ سوچنا بھی نہ، ورنہ محمد علی باکسر والا پنچ مار کر تیرا ناک منہ دانت جبڑا سب توڑ دوں گا، چھوڑ دوں گا سمجھا۔" فہد ایکدم غصے میں آتے ہوئے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کیا ہو گیا ایسا کیا کہہ دیا میں نے؟" زین سٹپٹایا۔

"ہاں تجھے تو کچھ پتا ہی نہیں ہے کہ تو نے کیا کہہ دیا، بہن کہتا ہوں میں اسے اور صرف زبان سے کہتا ہی نہیں ہوں دل سے، بہن مانتا بھی ہوں اور حورم بھی مجھے بھائی ہی سمجھتی ہے۔" فہد تیز لہجے میں بولا۔

"تمہارے کہنے اور سمجھنے سے کیا ہوتا ہے تم دونوں بہن بھائی ہو تو نہیں ناں اور میں تو سمجھا تھا کہ تو نے اپنی سیٹنگ کر رکھی ہے اس کے ساتھ۔" زین کھسیانا سا ہو کر بولا۔

"دوبارہ تو نے یہ بات کہی نا تو تیرے دماغ کی سیٹنگ خراب کر دوں گا سمجھا، پتا نہیں لوگ ہر تعلق کو شک کی نظر سے ہی کیوں دیکھتے ہیں؟ اپنی آنکھوں پر سے یہ شک کی عینک اتار کے بھی دیکھ لیا کرو کسی رشتے کا تو احترام اور وقار باقی رہنے دو، انسانیت کا کچھ تو بھرم رہنے دو، کچھ تو اعتبار باقی رہنے دو، درد اور احساس سے جڑے رشتوں کا، حورم کو میں نے بہن کہا ہے، سمجھا ہے اور بھائی ہونے کا حق بھی انشاء اللہ ادا کروں گا، اس کے بارے میں کوئی فضول بات برداشت نہیں کروں گا میں، سن لے تو بھی۔"

"اچھا بھائی معاف کر دے، غلطی ہو گئی

آئندہ کبھی شک نہیں کروں گا تم دونوں کے رشتے اور تعلق پر، اب فریش ہو کے آجا اور سحری کر لے۔'' زین نے شرمندگی سے بوکھلا کر اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا تو منہ پھلائے ہوئے بولا۔

''آتا ہوں۔''

''جلدی آ۔'' زین سکون کا سانس لیتا ڈائننگ ٹیبل کے گرد رکھی کرسی پر آبیٹھا، چند منٹ بعد فہد بھی فریش ہو کر آگیا اور پراٹھا کھانے لگا۔

''واہ کتنے پرفیکٹ پراٹھے بناتا ہے تو تیری بیوی تو تجھ سے فرمائشیں کر کر کے پکوایا کرے گی پراٹھے۔'' فہد نے اپنے مخصوص موڈ میں کہا۔

''ہاں آں اور میں تو جیسے پکا ہی دوں گا نا۔'' زین نے چڑ کر کہا تو وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہاں تو اور کیا شادی کے بعد سحری میں پراٹھے تو ہی بنایا کرے گا۔''

''ہونہہ۔'' زین نے روٹھے انداز میں سر جھٹکا۔

''اچھا ایک بات بتا۔'' فہد نے پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے کہا۔

''پوچھ۔''

''حورم سے شادی کرے گا۔''

''کیا؟'' زین لسی پی رہا تھا فہد کی اس بات پر اسے اچھو لگ گیا۔

''تو مذاق کر رہا ہے نا؟''

''میں اپنی بہن کی شادی کی بات مذاق کیوں کروں گا وہ میرے لئے قابل عزت ہے، قابل تمسخر نہیں کے اس کی شادی کی بات مذاق میں کروں گا۔''

''پر تو کر ہی کیوں رہا ہے ''حورم'' کی شادی کی بات؟'' زین نے اسے دیکھتے ہوئے بے کلی سے سوال کیا۔

''کیونکہ میں اس کا بھائی ہوں مجھے اپنی بہن کی شادی کرنی ہے اور آج کل میں اس کے لئے کوئی نیک شریف سلجھا ہوا کماؤ لڑکا ڈھونڈ رہا ہوں۔'' فہد نے سنجیدگی سے بتایا۔

''تو مجھے کیوں پرپوز کر رہا ہے؟'' زین کی زبان پھسلی اور فہد نے اس کی بات اچک لی۔

''ہاں واقعی، تیرے میں تو یہ ساری خوبیاں ہیں ہی نہیں، پھر میں تجھے کیوں پرپوز کر رہا ہوں؟''

''کمینے چپ کر کے سحری کر۔'' زین سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو دانت پیس کر کہا۔

''رمضان میں گالی دے رہا ہے، گناہ ملے گا تجھے۔''

''گالی رمضان کے مہینے میں نہ بھی دو گناہ تب بھی ملتا ہے، غلط بات تو کسی بھی مہینے میں جائز نہیں ہے۔'' فہد کی بات سن کر زین نے بڑے عالمانہ انداز میں کہا تو فہد متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

''ارے واہ تجھ پہ بھی بھائی کی صحبت کا اثر ہو رہا ہے آہستہ آہستہ بڑی عقل کی بات کہی ہے۔''

''ہاں تو عقل کی باتیں کرنے کا ٹھیکہ کیا صرف تم نے ہی لے رکھا ہے۔'' زین چڑ کر بولا تو وہ ہانپنے لگا۔

''غصہ نہ کر، سحری کر۔''

''اچھا جی۔'' زین نے طنزاً مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور پھر کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔

''سن میں سنجیدگی سے تجھے اپنی بہن حورم کے لئے پرپوز کیا ہے، اچھی طرح سے سوچ سمجھ کر اپنے دل سے ہر شک اور بدگمانی کو نکال کر پوری ایمانداری اور سچائی سے مجھے جواب دینا،

اگر وہ بھی قبول ہے تو ٹھیک ہے نہیں تو میں نے دو ایک جگہ بات کی ہے اگر ان میں سے مجھے کوئی حورم کے لئے مناسب لگا تو میں وہاں اس کا رشتہ طے کر دوں گا، حورم کی والدہ نے مجھے یہ حق دیا ہے اس لئے میں ان کا بیٹا بن کر اپنی یہ ذمے داری ادا کرنا چاہتا ہوں، کوئی زبردستی نہیں ہے، میری بہن لاکھوں میں ایک ہے، پڑھی لکھی، سلیقہ مند، خود دار اور نیک لڑکی ہے حورم، اسے انشاء اللہ بہت اچھا رشتہ مل جائے گا، تو اپنا کزن ہے، دوست ہے، بھائی ہے اس لئے سوچا کے پہلے تجھ سے بات کر لوں۔''

''ہوں۔'' چیرٹی بی گینز ایٹ ہوم

''او ہیلو، میری بہن کوئی چیرٹی، چندہ یا خیرات نہیں ہے سمجھ آئی بات۔'' فہد ایکدم غصے میں آگیا۔

''کم آن یار میں تو مذاق کر رہا تھا۔''

''میں تجھ سے سیریس بات ڈس کس کر رہا ہوں اور تو مذاق سمجھ رہا ہے اسے اور مذاق کر رہا ہے، بس رہنے دے میں نے غلطی کی جو تیرے سے یہ بات کر لی، بھول جا میں نے جو کہا ہے ابھی، میری بہن کے لئے رشتوں کی کمی نہیں ہے۔'' فہد اسے غصے سے دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں بولا تو زین اندر تک سے نادم و شرمسار ہو گیا۔

''سوری یار پھر سے ایسی بکواس نہیں کروں گا۔''

''کرنا بھی مت، پھر سے میں ایسی بکواس برداشت بھی نہیں کروں گا۔'' فہد نے کرسی کھسکا کر اٹھتے ہوئے کہا تو زین اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''جب سے تو ان ماں بیٹی کا رشتے دار بنا ہے تب سے تو بہت غصہ نہیں کرنے لگا، بہت ٹچی ہے تو ان کے معاملے میں شام میں محلے والوں کی طبیعت صاف کی تھی اور اب سحری میں مجھے لتاڑ رہا ہے۔''

''تو کیا غلط لتاڑا ہے؟'' فہد نے تردید چاہی۔

''نہیں مگر۔''

''اگر مگر چھوڑ، صرف ایک منٹ کے لئے خود کو میری جگہ رکھ کر سوچ کے اگر وہ ماں بیٹی تیری ماں بہن ہوتیں اور کوئی ان کے بارے میں اس قسم کی باتیں کرتا جو ابھی تو نے کی ہیں تو کیا کرتا تو؟''

''منہ توڑ دیتا سالے کا۔'' زین نے فوراً جواب دیا۔

''ہاں لیکن میں نے تیرا منہ نہیں توڑا، کیونکہ میں جانتا ہوں کے تو دل کا صاف اور شریف آدمی ہے اور میرا بھائی ہے، دوست ہے، اس لئے تجھے بری کر دیا سزا سے، لیکن دوبارہ یہ غلطی نہیں ہونی چاہیے۔'' فہد نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہتے ہوئے آخر میں تنبیہہ بھی کر دی۔

''اچھا بھائی نہیں ہو گی یہ غلطی۔'' زین نے ہاتھ جوڑے۔

''ہوں گڈ، پرپوزل ابھی بھی برقرار ہے، مجھے اس عید پر گڑیا حورم کا رشتہ ہر صورت طے کرنا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔'' فہد اپنی بات مکمل کر کے چلا گیا اور زین اس کی باتوں اور پرپوزل پر غور کرنے لگا۔

☆☆☆

حورم ایک حسین و جمیل لڑکی تھی، اکیس برس عمر تھی، گورا چٹا چنبیلی کے جیسا رنگ تھا، گلاب کی سی پنکھڑی جیسے لب، جن کی مسکراہٹ دل میں گدگدی سی کرنے لگتی تھی، سیاہ چمکدار روشن اور ذہین آنکھیں، دلکش خدو خال سے مزین چہرہ، سیاہ ریشم سی دراز زلفیں، پانچ فٹ تین انچ قد

[illegible]
حورم، دھیمے لہجے میں بات کرتی دلوں میں جلترنگ بجا دیتی تھی، یہ احساس زین کو بھی اس سے ایک مختصر سی ملاقات اور چند حرفی بات کرنے پر ہوا تھا اور اب جب وہ اس کے بارے میں سوچ رہا تھا تو اسے وہ ہر لحاظ سے وہ ایک حسین و جمیل نیک سیرت اور باحیا، باوفا، شریک حیات کے پیکر میں ڈھلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، اسے ایک مکمل اور مناسب شریک زندگی دکھائی دے رہی تھی اس نے اللہ کا نام لے کر دل میں ایک فیصلہ کیا اور مسکراتے ہوئے آنکھیں موندلیں۔

صبح کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے، فہد اپنے کمرے میں آفس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا، اسی وقت زین نے دروازے پر دستک دے کر اندر جھانکا اور اسے مخاطب کیا۔

''سن۔''

''سنا۔'' فہد نے ہیر برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا۔

''مجھے تیرا پرپوزل قبول ہے۔'' زین نے مسکراتے ہوئے شرماتے ہوئے کہا تو فہد نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''کیا؟ کیا بولا؟''

''میں تیری بہن حورم سے شادی کے لئے تیار ہوں۔''

''سچ کہہ۔'' فہد خوشی سے اس کی جانب بڑھا تو وہ بھی کمرے میں آ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

''سچی۔''

''دل سے کہہ رہا ہے نا؟''

''ہاں دل سے کہہ رہا ہوں۔'' زین نے جواب دیا۔

''زندگی میں کبھی میری بہن پر شک کیا یا [illegible] سوال اٹھایا یا میری بہن کو کسی قسم کا کوئی طعنہ دیا تو یاد رکھنا میں بھائی ہوں اس کا، ہرگز برداشت نہیں کروں گا یہ سب، سوچ لے پھر سے۔'' فہد نے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''سوچ سمجھ کے ہی کہہ رہا ہوں میرے بھائی، نہیں کروں گا اس پہ شک، عزت سے رکھوں گا، اچھا شوہر بننے کی ہر ممکن کوشش کروں گا اب کیا لکھ کے دوں تب یقین کرے گا؟''

''نہیں یقین کر لیا تیرا، اب اس یقین کو سدا برقرار رکھنا تیرا کام ہے۔''

''میں اپنا کام پوری ایمانداری سے کروں گا، خوش۔''

''بہت خوش ہوں۔'' فہد نے خوشی سے اسے گلے لگا لیا۔

''میں جانتا ہوں تیرے لئے حورم جیسی نیک سیرت، خوبصورت، تعلیم یافتہ، سگھڑ اور خود دار لڑکی ہی بہتر رہے گی، حورم لاکھوں میں ایک ہے، ڈھونڈے سے بھی تجھے اتنی اچھی لڑکی بھی نہ ملتی۔'' فہد خوشی سے کہہ رہا تھا۔

''ہاں ہاں جانتا ہوں میں تیری بہن ہے لاکھوں میں ایک تو ہو گی نا۔'' زین نے شوخی سے کہا تو فہد نے فرط مسرت اور جوش جذبات میں آ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

پھر ان دونوں کی ہنسی بھی بہت بے ساختہ اور زندگی سے بھرپور تھی۔

☆☆☆

چھبیسواں روزہ تھا، فہد کے گھر والے بھی گوجرانوالہ پہنچ گئے تھے عید منانے کے لئے اور زین کے والدین بھی عمرہ کی سعادت حاصل کر کے واپس لوٹ آئے تھے۔

''مرتضیٰ ہاؤس'' میں خوب رونق ہو گئی تھی سب کے اکٹھے ہو جانے سے اور ان کے پیچھے محلے والوں نے جو فہد کی باتیں سنائی تھیں وہ ساری کہانی، ساری روداد بھی ان سب کے علم میں آ چکی تھی، کچھ فہد اور زین کی زبانی انہیں معلوم ہو گیا تھا، مصطفیٰ احمد کو اپنے بیٹے فہد پر بہت فخر محسوس ہو رہا تھا یہ جان کر کہ اس نے بے سہارا خواتین کو سہارا دے کر نیکی کا کام کیا تھا۔

''فہد بیٹا میں تمہارے ساتھ ہوں تم نے بہت نیکی کا کام کیا ہے، ہمیں اپنے ہمسایوں کا خیال رکھنا چاہیے اور اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ایک صحت مند اور خوشحال محلے کی نشانی ہے۔'' مصطفیٰ احمد نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

''بالکل، اینڈ تھینک یو ابو۔'' فہد خوش ہو کر بولا۔

''غلطی ہماری ہی ہے ہم نے مسز برکت اور حورم کو بری طرح نظر انداز کر دیا تھا ان کا محلے والوں کے سوا بچا ہی کون تھا کہ ہم بھی انہیں تنہا چھوڑ کے اپنی زندگیوں میں گم ہو گئے۔'' اسماء نے سنجیدگی سے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے کہا۔

''تو تائی جان آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے حورم کو اپنی بہو بنانے میں۔'' فہد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''بالکل نہیں، مجھے تو وہ بچی شروع سے ہی بہت پسند تھی بہت نیک اور سلجھی ہوئی بچی ہے، ہے نا جی۔'' اسماء نے کہتے ہوئے شوہر کی طرف تصدیق کرنے والے انداز میں دیکھا تو مجتبیٰ احمد مسکراتے ہوئے بولے۔

''ہاں جی بالکل مگر زین سے بھی تو پوچھ لیں کہ زین کی کیا مرضی ہے؟''

''ابو، امی، آپ جو بھی فیصلہ کریں گے مجھے قبول ہو گا۔'' زین نے فرمانبرداری سے کہا۔

''یہ تو پہلے سے ہی راضی ہے آپ کو دکھانے کے لئے فرمانبرداری کا ناٹک کر رہا ہے۔'' فہد نے شرارت سے کہا۔

''سالے تیری وجہ سے ہاں کی تھی میں نے۔'' زین نے کھسیانا سا ہو کر اس کی گردن دبوچتے ہوئے کہا تو وہ سب ہنسنے لگے۔

''اچھا، میں اگر کسی موٹی کالی پیلی بھینگی ناٹی لڑکی سے شادی کرنے کے لئے کہتا تو فوراً مان جاتا نہ جیسے۔'' فہد نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اپنی گردن سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''اب ہر بات بھی میں تیری نہیں مان سکتا، میری اپنی بھی پسند اور چوائس ہے، عقل ہے۔'' زین نے تیزی سے کہا تو وہ شرارت سے بولا۔

''یہ عقل والی بات خاصی مشکوک ہے، ہضم نہیں ہوتی۔'' سب فہد کی بات پر ہنس رہے تھے اور زین اسے کھا جانے والی اور ناراض نظروں سے گھورنے لگا۔

☆☆☆

آج ستائیسواں روزہ تھا محلے کی مسجد میں آج فہد کی طرف سے افطاری کا اہتمام کیا گیا تھا، مولوی صاحب نے فہد کو مسجد آنے کے لئے بہت تاکید کی تھی، سو وہ بھی زین کے ساتھ مغرب کے وقت مسجد میں نماز پڑھنے روزہ افطار کرنے آ گیا، عصر کی نماز کے بعد اور افطار سے کچھ پہلے مسجد میں محلے کے تقریباً سبھی مرد حضرات موجود تھے مولوی صاحب نے سب کو دیکھتے ہوئے مخاطب کیا۔

''حضرات ایک بہت اہم بات کرنی ہے اس لئے میں آپ سب کی توجہ چاہتا ہوں۔''

''جی فرمایئے مولوی صاحب، ہم ہمہ تن گوش ہیں۔'' شیخ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا

تو فہد پر نگاہ ڈال کر مسکراتے ہوئے مولوی صاحب نے کہا۔

''جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ فہد صاحب نے ہماری آنکھوں پر بندھی شک اور غفلت کی پٹی اتاری ہے چند دن پہلے اور ایک اہم مسئلے کی جانب ہم سب کی توجہ مبذول کروائی ہے تو اس سلسلے میں ہم نے فہد صاحب، زین میاں اور کچھ معززین و مخیر حضرات سے بات کی ہے اور ایک کمیٹی بنائی ہے جس کا نام ہے ''خوشی'' جس جس بھائی یا بہن کو خوشی درکار ہو وہ یہاں آئے اور خوشی خرید لے۔''

''مولوی صاحب، خوشی بھی بھلا خریدی جا سکتی ہے؟'' ایک آدمی نے حیرانگی سے سوال کیا، مولوی صاحب مسکراتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولے۔

''بالکل خریدی جاسکتی ہے۔''

''وہ کیسے؟'' ایک ساتھ کئی آوازیں ابھریں۔

''وہ ایسے کہ جب آپ سب اللہ کی مرضی اور خوشی کے لئے کوئی کام کریں گے تو اللہ آپ کو اس کا اجر تو دے گا نا، نیکی کرنا، کسی کے کام آنا، کسی کی مدد کرنا، کسی بھوکے کو کھانا کھلانا، کسی بیمار کو علاج کے لئے پیسے دینا، یہ سب وہ کام ہیں جو اگر ہم کریں گے تو ہمارا اللہ ہم سے بہت خوش ہوگا اور جب ہمارا اللہ ہم سے خوش ہوگا تو وہ ہمیں وہ سب بھی دے گا جو ہمیں خوش کر سکتا ہے اور جانتے ہیں آپ ہماری ایک نیکی کے بدلے میں وہ ہمیں دس گناہ ثواب عطا کرے گا، وہ کسی کا قرض نہیں رکھتا، وہ تو وہاب ہے رزاق ہے خالق ہے سب کو دینے والا ہے صرف اللہ اور ہم نے اگر کسی ضرورت مند کو کچھ دینا ہے تو اللہ کے دیئے ہوئے میں سے ہی دینا ہے نا، اپنے پلے سے تو کچھ نہیں دینا۔''

''سبحان اللہ مولوی صاحب، بالکل درست فرمایا آپ نے۔'' فہد نے خوش ہو کر دل سے کہا۔

''یہ راستہ آپ ہی نے دکھایا ہے ہمیں فہد میاں اور سچا اچھا سیدھا راستہ جو بھی دکھائے وہ ہمارا محسن استاد اور خیر خواہ ہوتا ہے، بہت شکریہ کے آپ نے مجھ مولوی کو میرا اصل کام بتایا، سمجھایا۔''

''ارے نہیں مولوی صاحب، کیوں شرمندہ کر رہے ہیں مجھے، یہ تو آپ کا بڑا پن ہے کے آپ خلوص دل سے میری باتوں کو سمجھا اور عمل کا بیڑا اٹھایا ہے۔'' فہد نے مولوی صاحب کی باتیں سن کر مودب لہجے میں کہا۔

''جیتے رہیے اللہ آپ کے رزق میں اضافہ فرمائے، زندگی میں برکت دے آمین ثم آمین۔''

''جزاک اللہ مولوی صاحب۔'' فہد نے خلوص دل سے شکریہ ادا کیا، پھر مولوی صاحب مسکراتے ہوئے دوبارہ گویا ہوئے۔

''تو بھائیوں میں بات کر رہا تھا خوشی کی ہم نے یہ کمیٹی اس لئے بنائی ہے کے ہم اپنے محلے کے ضرورت مند افراد کی مدد کر سکیں اور مدد بھی اس طریقے سے کریں کے ان کی خودداری اور عزت نفس پر بھی حرف نہ آئے اور ان کی مدد بھی ہو جائے، ضرورت بھی پوری ہو جائے، تو اس کا حل ہم فہد میاں کے مشورے سے یہ نکالا ہے کہ ہم مسجد کے باہر ایک بکس (ڈبہ) رکھوا رہے ہیں تو محلے میں جس بھی غریب بھائی بہن کو جیسی بھی مدد درکار ہو وہ ایک کاغذ پر لکھ کر اپنے نام پتے کے ساتھ اس بکس میں ڈال جایا کرے ہم دن رات میں ہر نماز سے پہلے اس بکس کو چیک کیا کریں گے اور جس کی بھی پرچی ہوگی اور اسے جو

بھی ضرورت ہوگی وہ اپنی خوشی کمیٹی کے اراکین کے ذریعے پوری کرنے کی کوشش کریں اور آپ سب حسب استطاعت مسجد میں رکھے ہوئے اس بند ڈبے میں روپے پیسے ڈال دیا کریں تاکہ وہ محلّہ کے نادار افراد کی ضرورت کے لئے کام میں لائے جاسکیں، یہ کام پوری ایمانداری سے کیا جائے گا اس سے یہ ہوگا کہ آپ جس کی مدد کر رہے ہیں اسے دیکھ کر آپ کو کوئی تکبر یا فخر کا احساس بھی نہیں ہوگا نہ ہی مدد لینے والے کی نظریں احسان مندی اور شرمندگی کے احساس کے مارے جھکنے پائیں گی، ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''نیکی اس طرح کرو کے تم ایک ہاتھ سے دو تو تمہارے دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو۔''

''واہ واہ مولوی صاحب سبحان اللہ کیا پیاری بات کہی ہے آپ نے سبحان اللہ۔'' سامعین میں سے ایک صاحب با آواز بلند بولے باقی افراد بھی سبحان اللہ سبحان اللہ کا ورد کرنے لگے۔

''تو میرے عزیز بھائیو اور دوستو، یہ نیک کام ہم آج کے اس نیک اور مبارک دن سے آغاز کر رہے ہیں آپ سب حسب استطاعت اس بکس میں نیکی ڈالتے جایئے گا، اللہ پاک آپ کی زندگیوں میں اس نیکی کا اجر بھیجتے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اور جو بھائی یا بہن اپنی پریشانی یا ضرورت لکھ کر نہیں بتا سکتے وہ کمیٹی کے کسی بھی رکن سے یا براہ راست مجھے آکر بتا سکتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان کی مدد نیکی نیتی سے کریں گے، اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس نیکی کو قبول فرمائیں، آمین ثم آمین۔''

مولوی صاحب کی بات مکمل ہونے پر سب نے ایک ساتھ آمین کہا۔

''انشاء اللہ تعالیٰ اس عمل سے کم از کم ہمارے محلے میں کوئی فرد بھوکا نہیں سوئے گا اور نہ ہی کوئی بیمار علاج کو ترسے گا۔'' زین نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ کر بکس میں ہزار ہزار کے دو نئے نکور نوٹ ڈال دیئے، اس کی دیکھا دیکھی باقی افراد بھی اپنی جیبوں میں پیسے نکال کر بکس میں ڈالتے چلے گئے، فہد اور زین اس مثبت اور نیک کم کے آغاز پر بہت مسرور انداز میں مسکرا رہے تھے۔

☆☆☆

''ھذا من فضل ربی (یہ میرے رب کا فضل ہے)۔''

''یقیناً یہ میرے اللہ کا، سوہنے رب کا فضل ہی ہے کہ اس نے فہد جیسے نیک لڑکے کو ہماری زندگی میں فرشتہ بنا کر بھیجا، ہم ماں بیٹی تو موت کے فرشتے کے منتظر تھے مگر اس بچے نے ہمیں زندگی کی طرف کھینچ لیا، ماشاء اللہ بہت نیک اور قابل فخر بیٹا ہے آپ کا۔'' مسز میجر برکت کے گھر فہد اور زین کے سب گھر والے زین کا رشتہ لے کر چاند رات کو ان کے گھر کے ڈرائینگ روم میں موجود تھے اور وہ خوشی سے آبدیدہ ہو کر کہہ رہی تھیں، فہد ان کی بات سن کر فوراً بولا۔

''میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں کیا؟''

''کیوں نہیں بیٹا، تم نے تو سچ مچ بیٹا ہونے کا حق ادا کر دیا ہے، صحیح معنوں میں حورم کے بھائی ہونے کا فرض ادا کیا ہے۔'' مسز برکت نے اس کے سر پہ دست شفقت رکھ کر دل سے کہا۔

''اور انشاء اللہ ہمیشہ ادا کرتا رہوں گا۔''

''جیتے رہو بیٹا، اللہ تمہیں دنیا و آخرت کی ہر خوشی، کامیابی اور فلاح نصیب کرے آمین۔'' سب نے یک آواز ہو کر کہا سبھی کے چہرے خوشی سے مسکرا رہے تھے، حورم اور مسز برکت کی خوشی سب سے زیادہ اور تشکر میں ڈوبی آنسوؤں میں

بھیگی ہوئی تھی۔

"پھر آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے بہن جی، زین کے لئے ہم آپ کی حورم کو مانگنے آئے ہیں خالی ہاتھ نہیں لوٹیں گے۔" اسماء نے قریب صوفے پر بیٹھی حورم کے شرم سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بڑے خلوص اور مان سے کہا تھا۔

"میری یہ مجال کہاں کے میں آپ لوگوں کو خالی ہاتھ لوٹاؤں، میرے لئے تو یہ خوشی اور فخر کی بات ہے کہ آپ جیسا اچھا گھرانہ میری بیٹی کو اپنے گھر کی بہو بنانا چاہ رہا ہے، اسماء بہن میری طرف سے ہاں ہے، حورم اب آپ کی امانت ہے، آپ سب جب چاہیں اسے دلہن بنا کر لے جائیں۔" مسز برکت نے خوشی سے بھیگتی آواز میں نم آنکھوں سے حورم کو دیکھتے ہوئے کہا، حورم سبز رنگ کے لان کے سوٹ میں بہت پاکیزہ، دلکش اور حسین لگ رہی تھی، زین کن اکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے رنگ روپ کو آنکھوں کے ذریعے دل میں اتار رہا تھا۔

"بہت بہت شکریہ بہن، مبارک ہو آپ کو۔" اسماء خوش ہو کر ان کے گلے سے لگ گئیں۔

"مبارک ہو سب کو، لیں منہ تو میٹھا کریں۔" فہد کی امی ریحانہ مصطفیٰ نے مٹھائی کی ٹوکری کھول کر کہا۔

"پہلے انگوٹھی تو پہنا لیں بھابھی۔" مصطفیٰ احمد نے کہا۔

"ہاں ہاں پہلے انگوٹھی پہناتی ہوں میں اپنی ہونے والی بہو کو۔" اسماء خوشی میں بوکھلائی ہوئی سی تھیں، حورم کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے اپنا ہینڈ بیگ کھول کر انگوٹھی ڈھونڈنے لگیں۔

"منگنی میری ہو رہی ہے اور انگوٹھی می جی پہنائیں گی، دیس از ناٹ فیئر یار۔" زین نے آہستگی سے فہد کے کان میں کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

"شادی ہو لینے، پھر ساری زندگی پہنا تا رہیں اسے انگوٹھی۔"

حورم کو خوبصورت نفس سی سونے کی انگوٹھی پہنا دی گئی، سب نے مبارکباد دی ایک دوجے کو، چاندرات اور عید کا مزا دوبالا ہو گیا تھا اس منگنی کی تقریب سے، سب مٹھائی کھا رہے تھے خوشی سے چہک رہے تھے۔

"انشاء اللہ بڑی کے چاند پہ ہم حورم کو رخصت کرا کے لے جائیں گے۔" مجتبیٰ احمد نے کہا۔

"انشاء اللہ۔" مسز برکت خوشی سے رو پڑیں، حورم اٹھ کر کچن میں چلی گئی تھی۔

"ھذہ من فضل ربی، یہ میرے اللہ کا فضل ہے، اللہ کا کرم ہے ورنہ میں اس لائق کہاں تھی کہ مجھے اتنی بڑی خوشی ملتی، آپ سب کا بہت بہت شکریہ، میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں آپ سب کا شکریہ ادا کر سکوں۔" مسز برکت نے پرنم لہجے میں کہا تو زین اداس سا ہو کر وہاں سے باہر چلا گیا۔

"شکر صرف اللہ تعالیٰ کا ادا کیجئے بہن جی، کیونکہ رشتے وہی بناتا ہے انسان تو بس اس کے لکھے پر عمل کرتا ہے، انشاء اللہ آپ کی بیٹی ہماری بیٹی بن کر رہے گی اور بہت خوش رہے گی ہمارے زین کے ساتھ۔" مجتبیٰ احمد نے سنجیدہ مگر دھیمے لہجے میں کہا تو وہ سر ہلا کر مسکرانے لگیں۔

☆☆☆

"چاند کو چاندرات مبارک ہو۔" حورم کچن میں کھڑی تھی سوچوں میں گم کے زین اسے تلاش کرتا ہوا ادھر آ گیا، وہ اچانک سے اسے وہاں اپنے سامنے دیکھ کر سٹپٹا گئی۔

"آ...... آپ۔" حورم نے وجیہہ و شکیل زین کے دلکش چہرے کو دیکھا جہاں خوشی اور مسکراہٹ سجی تھی۔

"گھبرایئے نہیں، اب آپ میری منگیتر ہیں اور میں آپ سے بات کر سکتا ہوں۔" زین نے نظریں اس کے دلکش چہرے پر مرکوز کر کے کہا، وہ شرم و حیا سے نظریں جھکائے بولی۔

"جی۔"

"آپ خوش تو ہیں ناں اس منگنی سے؟"

"آپ خوش ہیں؟" حورم نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"بہت زیادہ خوش ہوں۔"

"میں بھی۔" حورم نے شرمیلے پن سے کہتے ہوئے پلکیں جھکا لیں، زین کا دل اس کی نظروں کے جھکنے اٹھنے میں اٹک کر رہ گیا۔

"سچ۔" وہ خوش ہو کر بولا تو حورم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تھینکس حورم، مجھے آپ کی خوب سیرتی اور خودداری پہ آپ کی ذات پر پورا یقین ہے، کہ آپ میرے لئے بہترین شریک حیات ثابت ہوں گی کیونکہ ہمارا رشتہ تو آسمانوں پہ لکھا تھا اور میں بھی آپ کو ہمیشہ خوش رکھوں گا۔"

"انشاء اللہ۔" حورم نے مسکراتے ہوئے کہا تو اتنے میں فہد زین کو ڈھونڈتا ہوا ادھر آ نکلا۔

"یہ کیا چکر چل رہا ہے؟" فہد نے زین کو اور حورم کو دیکھا اور سوال زین سے کیا تو وہ کھسیانا سا ہو کر تیزی سے بولا۔

"چکر چلانے کا موقع اور وقت ہی کہاں دیا ہے تو نے، تو نے تو چٹ منگنی، پٹ بیاہ کا اعلان کر دیا۔"

"ہاں تو اچھا ہے نا، اِدھر اُدھر کسی غلط چکر میں پڑنے سے بہتر ہے کہ اپنا گھر بسا اور بیوی کے ساتھ دنیا کا چکر لگا۔" فہد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی بہتر حضور، اب کیا دو منٹ کے لئے میں آپ کی ہمشیرہ عزیز سے بات کر سکتا ہوں؟" زین نے اسے گھورتے ہوئے دانت پیس کر کہا۔

"ہوں چلو کر لو بات، تم بھی کیا یاد کرو گے؟"

"بڑی مہربانی۔" زین نے فہد کے کہنے پر ہاتھ جوڑ کر کہا فہد ہنستا ہوا چلا گیا تو وہ حورم کی طرف مڑا، حورم سنک میں چائے کے برتن کنگھال رہی تھی۔

"منگنی کی رسم تو می جی نے ادا کر دی، میرا چانس مس ہو گیا لیکن چاندرات کا تحفہ میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے پہناؤں گا، ذرا اپنا ہاتھ دیجئے ادھر۔"

"جی۔" حورم بوکھلا گئی۔

"ڈونٹ وری، ہاتھ لے کر بھاگوں گا نہیں۔" زین نے مسکراتے ہوئے کہا تو اسے ہنسی آ گئی، کیا دلنشین ہنسی تھی حورم کی زین کے دل میں جلترنگ بجنے لگے۔

"اب آپ ایسے ہنسیں گی تو بڑی عید تک کا انتظار نہیں ہو گا ہم سے۔" زین نے شوخ لہجے میں کہا تو وہ شرما گئی اور رخ پھیر کر آنچل سے چہرہ اوٹ میں کر لیا۔

"اف آپ تو ایک کے بعد ایک ہتھیار استعمال کر رہی ہیں بہتری اسی میں ہے کہ میں بچ بچا کر چلا جاؤں ورنہ......" زین تیزی سے بولتا ہوا اپنی قمیض کی جیب میں سے کچھ نکالنے لگا، حورم نے کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ورنہ کیا؟" حورم نے اس کے خاموش ہونے اور اپنی جیب میں کچھ ٹٹولنے پر سوال کیا۔

"ورنہ یہ چانس بھی مس ہو جائے گا، اب اللہ کرے کے چوڑیاں ٹوٹی نہ ہوں۔" زین نے

جیب میں سے کاغذ میں لپٹی چوڑیاں نکالیں کاغذ الگ کر کے دیکھا سبز اور سفید رنگ کی کانچ کی چوڑیاں جھلملا رہی تھیں۔

''شکر ہے نہیں ٹوٹیں میں تو سارا وقت یہی سوچ کے ڈرتا رہا کہ اِدھر اُدھر اٹھنے بیٹھنے سے کہیں میری چوڑیاں نہ چٹخ جائیں لیکن ایسا نہیں ہوا اب ذرا لائیے اپنا ہاتھ۔'' زین نے تیزی سے کہتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے کیا تو حورم نے جھجکتے شرماتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے کر دیا، زین نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ کر چوڑیاں دھیرے دھیرے کر کے اس کی کلائی کی زینت بنا دیں۔

''چاند رات مبارک ہو۔''

''آپ کو بھی مبارک ہو۔'' حورم نے شرمگیں انداز میں مسکراتے ہوئے مدھم آواز میں کہا تو وہ خوشی سے کھل اٹھا۔

''خیر مبارک منگنی اور چاند رات کا تحفہ تو آپ اب آپ کو مل گیا یہ رہا آپ کا عید کا تحفہ بلکہ آپ کی عیدی کل موقع ملے نہ ملے سوچا ابھی دیدوں، کم تو نہیں ہے نا۔'' زین نے ہزار ہزار کے دو نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھ کر کہا تو وہ ہنسنے لگی۔

''نہیں تھینک یو۔''

''او بھائی آ جا اب کیا چاند رات یہیں گزارنے کا ارادہ ہے۔'' فہد کی آواز پر وہ بوکھلا کر پلٹا تھا۔

''آ رہا ہوں سالے صاحب؟'' زین نے بلند آواز میں کہا اور حورم کے چہرے پر الوداعی نگاہ ڈالی اور ہاتھ کے اشارے سے اسے خدا حافظ کہتا ہوا مسکراتا ہوا فہد کی جانب بڑھ گیا جہاں صحن میں سب کی باتوں اور ہنسی کی آوازیں خوشیوں بھری عید کا پتا دے رہی تھیں، جس گھر میں چار دن قبل ہو کا عالم تھا، موت کی سی ویرانی تھی، بے بسی مایوسی اور مفلسی کا راج تھا آج وہاں زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی، خوشی اور ہنسی کے انار پھوٹ رہے تھے، اچھے دنوں کی آس سر اٹھائے مسکرا رہی تھی۔

رب کی رحمت ہر طرف چھا رہی تھی، محبت ملن کا انوکھا گیت گا رہی تھی اور یہ سب رب کا فضل ہی تو تھا ورنہ کہاں وہ بیوہ ماں اور یتیم لڑکی اپنی مفلسی اور لاچاری کے عالم میں ان خوشیوں کی امید کر سکتی تھیں۔

حورم کو دل سے اپنے رب کی رحمت اور فضل و کرم پر یقین اور پیار آ رہا تھا، خوشی سے اس کے لب مسکرا رہے تھے تو آنکھیں اظہار تشکر کرتے ہوئے آنسو بہا رہی تھیں، یہی حال مسز برکت کا بھی تھا، ان کا دل بھی شکر کے سجدے کر رہا تھا۔

''ھذہ من فضل ربی۔''

''یہ میرے رب کا فضل ہے، ورنہ ہم گناہ گار اس قابل کہاں تھے؟'' مسز برکت بھیگی آواز میں بولیں تو حورم نے مسکراتے ہوئے دور آسمان پر جھانکتے عید کے چاند کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''شکریہ اللہ تعالیٰ، آپ بہت عظیم ہیں۔''

اور عید کا چاند مسکراتے ہوئے اس عید کی نوید کے ساتھ ساتھ آنے والی عید پر ملنے والی خوشیوں کی چابی بھی اس کے ہاتھ میں تھما گیا تھا وہ مسکراتے ہوئے خوشی اور تشکر کے احساس کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں جگمگاتی ہوئی انگوٹھی کو دیکھنے لگی جس میں اسے اپنی خوشیوں کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

اور یہ میرے رب کا فضل ہی تو تھا۔

☆☆☆

لو برڈز

قرۃ العین خرم ہاشمی

''کہاں غائب ہو سائرہ؟ جلدی سے آن لائن آؤ ایک سرپرائز تمہارا منتظر ہے۔'' ایک ہاتھ سے سیل فون کو کان سے لگائے اور دوسرے ہاتھ سے گود میں رکھے لیپ ٹیپ پہ انگلیاں چلاتے فرحین نے اپنی بچپن کی دوست سائرہ سے کہا۔

''پانچ منٹ تک ہوتی ہوں آن لائن، کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں انہیں رخصت کرلوں۔'' سائرہ نے جلدی جلدی کہا اور اپنی ماں کی آواز پہ ''آئی مما'' کہتی ہوئی جلدی سے فرحین کو خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا، پندرہ منٹ بعد سائرہ نے فیس بک کی سائٹ کھولی تو فرحین کی طرف سے ملنے والے نئے نوٹیفکیشن دیکھ کر چونک گئی۔

''واؤ یار زبردست، لوبررڈز کی منگنی ہوگئی، میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہا تھا، کہ دونوں کے درمیان کچھ چل رہا ہے، ایف ایم کے شوز میں ان کی کیمسٹری دیکھ کر مجھے پہلے ہی شک تھا کہ دونوں کے درمیان کچھ نہ کچھ ضرور ہے، دیکھ لو، میرا اندازہ درست ثابت ہوا ناں۔''

آر جے میشا اور آر جے علی کی منگنی کی تصویریں اپ لوڈ دیکھ کر ان دونوں کے ساتھ ساتھ اور بہت سے فینز بھی حیران ہونے کے ساتھ ساتھ خوشی سے اچھل پڑے تھے، بلاشبہ دونوں آر جز ایف ایم سننے والوں میں کافی مقبول اور ہر دلعزیز تھے، فرحین اور سائرہ تھرڈ ائیر کی طالبات تھیں، شوخ، وچنچل، زندگی کو اپنی نظر سے دیکھنے والی، خود میں گم اور مگن سی رہنے والی دونوں ہی ایف ایم بہت شوق سے سنتی اور انجوائے کرتی تھیں، ابھی بھی دونوں زور و شور سے تبصرے کرنے میں مشغول تھیں، فرحین اور سائرہ نے ان کا نام ''لوبررڈز'' رکھ دیا تھا، ان دونوں آر جز کی منگنی کی تصویریں، مختلف اب ڈیٹس، ان کا رومانس بہت سے کچے ذہنوں کی طرح، ان دونوں کو بھی بہت فیسی نیٹ کرتا تھا، مگر فرحین کی نسبت سائرہ کچھ سمجھدار تھی، وہ صرف وقتی انجوائے منٹ کی حد تک ہی اس میں انوالو ہوتی تھی، مگر فرحین تصوراتی دنیا میں رہنے والی تھی، وہ ان لوگوں میں سے تھی جو ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ ان چمکتی چیزوں کی حقیقت عملی زندگی میں ریت کے چمکتے ذروں جیسی ثابت ہوتی ہے ریت جو مٹھی میں ٹھہرتی نہیں، ریت جو لمحہ بہ لمحہ ہاتھ سے پھسلتی جاتی ہے اور ریت میں ہی مل جاتی ہے، پیچھے رہ جاتے ہیں صرف خالی ہاتھ اور حیران آنکھیں۔

☆☆☆

''واؤ یار، تمہاری تصویریں کتنی زبردست آئیں ہیں، تم کتنی اچھی اور مختلف لگ رہی ہو ناں یوں سر جھکائے اور شرماتے ہوئے۔''

ایک ہفتے پہلے فرحین کی منگنی سادگی سے اس کے خالہ زاد عمر سے ہوگئی تھی، سائرہ نے سنا تو مبارکباد دینے فرحین کے گھر پہنچ گئی، سائرہ اپنی فیملی میں آئے کچھ شادیوں کے فنکشن کی وجہ سے بہت مصروف تھی، ایک کے بعد ایک فنکشن آج بھی بڑی مشکل سے ٹائم نکال کر آئی تھی اور فرحین جو بہت سادگی سے تیار ہوئی تھی اپنی منگنی پہ مگر اس سادگی میں بھی وہ بہت اچھی اور منفرد لگ رہی تھی۔

''خاک اچھی تصویریں ہیں، جھٹ پٹ منگنی کا پروگرام بنالیا، خالہ ویسے تو صرف ملنے آ رہی تھیں، مگر یہاں آتے ہی ارادہ بدل گیا، عمر کو بھیج کر مٹھائی کے ٹوکرے منگوائے اور اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر مجھے پہنادی اور کچھ پیسے ہتھیلی پہ رکھ دیے، چلو جی منگنی ہوگئی، سستے میں جان چھوٹی، بھلا ایسا بھی ہوتا ہے کہیں اور یہ دیکھو انگوٹھی، میری انگلی میں اتنی لوز ہے کہ ذرا سا ہاتھ

نیچے کرو اور یہ گر جاتی ہے۔'' فرحین نے منہ بنا کر انگلی نیچے کی طرف کی تو انگوٹھی اس کی گود میں آ گری، سائرہ کی ہنسی چھوٹ گئی، تو فرحین برے برے منہ بناتی رہ گئی۔

''ہنس لو، دوسروں کی باتوں اور حالات پہ اسی طرح ہنسی آتی ہے جب اپنے ساتھ ہو تو پتا چلتا ہے، کتنے خواب دیکھے تھے کہ میری منگنی بھی آر جز میشا اور علی کی طرح کسی بڑے سے ہوٹل میں ہوتی، شہر کی مشہور بوتیک سے ڈریس اور شہر کے مشہور پارلر سے تیار ہوتی، منگنی کی رنگز بھی میں اپنی پسند سے لیتی اور ہم ایک دوسرے کو خود پہناتے، ہائے کتنا رومینٹک لگتا ہے ناں؟'' فرحین نے تصور کی آنکھ سے دیکھتے ہوئے ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے کہا تو پاس بیٹھی سائرہ نے اس کے کندھے پہ ہاتھ مارا۔

''شرم کرو کتنے فضول شوق اور خواہشیں ہیں تمہاری، عمر بھائی کے سامنے آواز تو تمہاری نکلتی نہیں ہے اور چلی ہو انہیں انگوٹھی پہنانے۔'' سائرہ نے ہنستے ہوئے اس کا مذاق اڑایا، تو خفت سے فرحین کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

''وہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر یار یہ کام باقی لوگ بھی تو کر لیتے ہیں ناں، ہم کیوں نہیں کر سکتے۔'' فرحین نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

''ڈیئر فری کرنے کو تو لوگ بہت کچھ کرتے ہیں مگر ہم صرف وہ ہی کر سکتے ہیں جو ہماری گھٹی میں گھول دیا جاتا ہے، جو ہمیں بچپن سے سکھایا اور بتایا جاتا ہے، یہ سمجھ لو کہ سب اپنے اپنے دائرے کے اندر رہتے ہوئے پرورش پاتے اور سیکھتے ہیں، اب کس کا دائرہ کیسا ہے اور کتنا بڑا یا چھوٹا ہے یہ ہم نہیں جان سکتے مگر ہم اپنے دائرے سے نکل کر، چھلانگ مار کر دوسرے کے دائرے میں بھی نہیں جا سکتے ہیں اس لئے دوسروں کی فکر چھوڑو اور اپنی روایات اور طور طریقوں کی مدنظر رکھو۔'' سائرہ نے فرحین کو سمجھاتے ہوئے کہا اور چائے کی ٹرالی کی طرف متوجہ ہوگئی، فرحین نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے آج تمہارا موڈ کیوں اتنا آف ہے؟'' سائرہ نے فرحین کو بہت چپ چاپ دیکھا تو فری پیریڈ ملتے ہی اسے لے کر کالج کے وسیع گراؤنڈ میں آگئی اور فرحین سے اس کے بجھے رویے کے بارے میں پوچھنے لگی، جو زمین پہ بیٹھی گھاس کے تنکے توڑ رہی تھی۔

''تمہیں پتا ہے پرسوں ''ویلینٹائن ڈے تھا'' فرحین نے بولنا شروع کیا۔

''ہاں تو؟'' سائرہ نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

''تو کیا مجھے اتنا انتظار تھا کہ عمر مجھے پھول کارڈ اور چاکلیٹ بھیجے گے، مگر سارا دن انتظار کیا کچھ بھیجنا تو دور کی بات ہے ایک فون کیا، میسج تک کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔'' فرحین نے غصے سے کہا۔

''چھوڑو یار تم بھی کن فضول چکروں میں پڑ رہی ہو، اس ویلینٹائن ڈے میں کیا رکھا ہے؟ فضول کے تماشے ہیں یہ سب اور ویسے بھی عمر بھائی جتنے ڈیسنٹ اور سمجھدار ہیں ان سے اتنی بے وقوفی کی امید رکھی بھی نہیں جا سکتی تھی۔'' سائرہ نے لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''سمجھدار نہیں انتہا کے بے حس اور کنجوس ہیں تمہارے عمر بھائی۔'' فرحین نے چڑ کر کہا۔

''تم نے آر جے میشا اور علی کی ''ویلینٹائن ڈے'' کی تصویریں اور اپ ڈیٹس دیکھے تھے، کینڈل لائٹ ڈنر، ریڈ کلر کے ڈریس میں کتنی خوبصورت لگ رہی تھی میشا، ڈھیروں ڈھیر گفٹس

اور آر جے علی کی طرف سے رومینٹک شاعری، واؤ کتنے لکی ہیں ناں دونوں۔'' فرحین نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا تو سائرہ کا دل کیا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

''پتا نہیں تمہیں یہ سب کیوں اتنا اچھا لگتا ہے جبکہ مجھے تو انتہائی چیپ لگتا ہے، لوگ سرعام اپنی پرسنل لائف اور احساسات کو اس طرح شیئر کرتے ہیں جو ''ذاتی'' سے زیادہ اجتماعی'' لگتا ہے، اپنی چیز اپنی نہیں لگتی ہے، لوگوں کے سامنے شو آف کرنے کا ذریعہ لگتی ہے، حد ہو گئی ہے یار، اگر کچھ شیئر کرنا ہی ہے تو کچھ ایسا کرو جس سے لوگ کچھ سیکھ سکے، کیا ہمارے پاس معاشرتی سیاسی، ملکی، اجتماعی موضوعات کی کمی ہے جو ہم اپنی ذاتی زندگی کے شب و روز شیئر کرتے ہیں؟ چلو ایک حد تک اپنی کامیابی وغیرہ کو شیئر کیا جا سکتا ہے، مگر یہ اس طرح کی باتیں اور حرکتیں، سوشل ویب سائٹ پہ کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔'' سائرہ نے فرحین کو لتاڑ کر رکھ دیا، جو خود بھی شرمندہ سی ہو گئی تھی، اس پہلو سے تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا، دراصل فرحین فطرتاً سادہ تھی، مگر دوسروں کو دیکھ دیکھ کر، وہ بھی ان کے رنگوں میں رنگنا چاہتی تھی، یہ جانے بغیر کہ اصل کیا ہے اور نقل کیا ہے۔

''اور تم جو یہ سب عمر بھائی سے چاہ رہی ہو کیا تمہارے گھر یا خاندان میں ایسی راویات موجود ہیں؟ تمہاری بڑی دونوں بہنوں کی بھی منگنی اور پھر شادی ہوئی تھی کیا وہ لوگ بھی ویلنٹائن ڈے یا اس طرح کوئی اور چیز مناتے تھے، اگر ہاں تو پھر تمہارا شکوہ درست ہے، نہیں تو بہتر ہے کہ تم اپنے گھر کے ماحول اور روایات کو دیکھو۔'' سائرہ نے سنجیدگی سے فرحین سے سوال کیا جو شرمندگی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''اچھا چھوڑو یہ فضول باتیں، تم فن فیئر پہ آ رہی ہو ناں، کون سا ڈریس پہن رہی ہو؟'' سائرہ نے فرحین کو شرمندہ دیکھ کر موضوع بدل دیا، کچھ دیر بعد ہی دونوں فن فیئر کی تیاریوں کو ڈسکس کرنے میں پوری طرح مگن تھیں، وقفے وقفے سے ان کی خوبصورت ہنسی فضا میں گونج رہی تھی، یہ عمر اتنی ہی بےفکری کی ہوتی ہے، وقتی طور پر کچھ باتوں کا اثر زور ہوتا ہے، مگر جو پانی کی سطح پہ معمولی سا ارتعاش تو پیدا کر دیتا ہے، مگر پانی پہ نقش نہیں بنا سکتا ہے اور اس عمر کا بہاؤ بھی پانی کی طرح ہی ہوتا ہے، بہت تیز تیز اور نہ رکنے والا۔

☆☆☆

''واؤ یار کتنے خوبصورت اور لمبے بال ہیں۔'' فن فیئر والے دن دونوں بہت خوبصورتی اور سلیقے سے تیار تھیں، آج کے دن لڑکیوں کو کھلی آزادی تھی، اس لئے سب ہی اپنی اپنی مرضی اور پسند کا لباس زیب تن کیے ہوئے تھیں، گول گپے کے اسٹال پہ کھڑی جب ان کی نظر اپنے ساتھ کھڑی لڑکی کی پشت پہ پڑی، اس کا منہ دوسری طرف تھا، اس لئے وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکیں تھیں، مگر اس لڑکی کے بال بیچ میں بہت خوبصورت اور سلکی تھے، وہ دونوں گول گپے لینا بھول کر اسی کے بالوں کے پیچ و خم میں کھوئی ہوئیں تھیں، جب وہ لڑکی مڑی تو اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی دونوں چونک گئیں۔

''ارے یہ تو اپنی کلاس فیلو درنجف ہے۔'' سائرہ نے خوشگوار لہجے میں کہا تب تک درنجف کی نظر بھی ان دونوں پر پڑی تو وہ پاس آ کر ملنے لگی عام سے سادہ حلیے اور سر پہ اسکارف باندھے رہنے والی درنجف تک سک سے تیار، بال کھولے بہت اچھی لگ رہی تھی، سائرہ کے منہ سے اپنی تعریف سن کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور شکریہ کہہ

کر چلی گئی۔

''پہلے تو مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ وہی سیدھی سادی سر پہ اسکارف باندھنے والی درنجف ہی ہے امیزنگ یار۔'' فرحین نے اس کے جانے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں یار آج تو سب کے رنگ ڈھنگ ہی بدلے ہوئے ہیں کہ یقین کرنا مشکل ہی لگتا ہے۔'' سائرہ نے گول گپے کھاتے ہوئے کہا، تو فرحین نے اثبات میں سر ہلا دیا اور دونوں ایک بھرپور اور خوشگوار دن گزار کر، ہنستی مسکراتی گھروں کو لوٹ آئیں۔

☆☆☆

''تم نے آر جے میشا اور علی کی شادی کی تصویریں دیکھیں، دونوں ہر فنکشن میں کتنے خوبصورت اور خوش لگ رہے تھے اور تمہیں پتا ہے آر جے علی نے مہندی والے دن میشا کے ساتھ ڈانس بھی کیا تھا اور......'' فرحین جذباتی ہو کر سائرہ کو ان کی شادی کا احوال ایسے سنا رہی تھی جیسے کہ خود بھی شریک ہوئی ہو، یہی تو کمال تھا سو اس سوشل ویب سائٹس کا، جس پہ لمحہ بہ لمحہ اپ ڈیٹس دی جاتیں ہیں اور آپ کے پرائیویٹ فنکشن کی بہت اچھی سوشل کوریج ہو جاتی ہے، دونوں اس وقت فری پیریڈ ہونے کی وجہ سے کینٹین میں بیٹھی گرم گرم سموسے اور ٹھنڈی کوک سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

''ہوں دیکھی تھیں تصویریں اور درنجف صاحبہ کا بیک پوز بھی۔'' سائرہ نے چڑ کر کہا تو فرحین کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ہاں ویسے وہ تصویریں بہت اچھی تھی، فن فیئر والے دن کی ہی تھی وہ تصویر، جو درنجف نے اپنی پروفائل تصویر میں کچھ دن پہلے لگائی ہے۔'' فرحین نے مزے لیتے ہوئے کہا تو سائرہ تپ گئی۔

''ایک تو مجھے ان مڈل کلاس لڑکیوں کے کمپلیکسی سمجھ نہیں آتی ہے ایک طرف تو گھر سے چادر، عبایا اسکارف میں لپٹی ہوئی کالج آتی اور جاتی ہیں اور دوسری طرف فیس بک پہ ایسی تصویریں لگا دیتی ہیں جس میں چہرہ تو پوشیدہ رکھا ہوتا ہے مگر باقی پوری تصویر ہوتی ہے، اس سے تو بہتر ہے کہ آپ اپنی پوری تصویر ہی لگا دیں، صرف چہرے چھپانا تو پردہ نہیں ہے ناں، کیا پردے میں بال نہیں آتے ہیں؟ آپ کی زیبائش نہیں آتی ہے، یہ تو تضاد ہے ناں کہ چہرہ چھپا کر کبھی اپنا بیک پوز، کبھی اپنے ہاتھوں کو سجا سنوار کر، کبھی اپنی آنکھوں کو اور کبھی اپنے فل ڈریس کی تصویر لگانا، جو کرنا ہے سامنے کرو، ان ڈراموں کی کیا ضرورت ہے۔'' سائرہ نے تپے ہوئے لہجے میں کہا تو فرحین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''چھوڑو تم بھی کس فضول بحث میں پڑ رہی ہو، ہم اپنے عمل کے لئے جوابدہ ہیں کسی اور کے لئے نہیں، جس کا جو دل چاہے، یا بہتر لگے اسے کرنے دو اور ویسے بھی تصویروں پہ سیکیورٹی آپشن موجود ہوتا ہے، صرف فرینڈز اور فیملی ہی دیکھ سکتے ہیں۔'' فرحین نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ کیا فرینڈ لسٹ میں انجان لوگ ایڈ نہیں ہوتے ہیں، کیا فیملی میں میلو کزن وغیرہ نہیں ہوتے ہیں اور پروفائل تصویر تو کوئی بھی دیکھ سکتا ہے، مگر تمہاری بات بھی درست ہے کہ ہم اپنے عمل کے لئے جوابدہ ہیں کسی اور کے لئے نہیں، ٹینشن لینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، چلو چلتے ہیں، مسز طلعت کی کلاس کا ٹائم ہو گیا ہے۔'' سائرہ نے اکنامکس کی ٹیچر کا نام لیتے ہوئے کہا، تو فرحین سر ہلاتی اپنا بیگ اٹھا کر پیچھے

چل پڑی۔

☆☆☆

''میں دس دن کالج نہیں آئی تو تم نے نئی دوست بھی بنالی۔'' سائرہ اپنے بھائی کی شادی کی وجہ سے دس دن بعد کالج آئی تھی تو فرحین کے ساتھ ایک نئی لڑکی سدرہ جو کچھ دن پہلے ہی کسی اور شہر سے مارگریٹ ہو کر آئی تھی، کو دیکھ کر چڑ گئی، سدرہ کافی نخریلی سی لڑکی تھی، سائرہ کو وہ پہلے دن سے ہی پسند نہیں آئی تھی اور اب فرحین کو اس کے پیچھے پھرتے دیکھ کر، سائرہ تپ گئی تھی اور موقع ملتے ہی فرحین کو لتاڑنے لگی تھی۔

''مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تمہیں بہت برا لگے گا مگر جب تم اصل وجہ جانو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔'' فرحین نے اپنے لہجے میں تجسس پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا اور وہ حیران کن وجہ کیا ہے؟'' سائرہ نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''سدرہ، آر جے میشا کی چھوٹی بہن ہے، ایک دن یہ اپنی بہن کی شادی کا البم لائی تھی، ساری کلاس اس کے گرد اکٹھی تھی، میں بھی بور ہونے کی وجہ سے اس ہجوم میں شامل ہو گئی اور لو برڈز کی تصویریں دیکھ کر میں حیران رہ گئی، تب سدرہ نے بتایا کہ آر جے میشا اس کی بڑی بہن ہے اور وہ اپنی تعلیم مکمل ہونے تک، اپنی بہن کے پاس ہی رہے گی، کیونکہ ان کے پیرنٹس (والدین) بزنس کے سلسلے میں لندن آتے جاتے رہتے ہیں، اس سے سدرہ کی پڑھائی ڈسٹرب ہو رہی تھی، اس لئے اسے اسلام آباد کے کالج سے لاہور کے اس کالج میں ٹرانسفر کروا دیا ہے، بی اے کرتے ہی وہ بھی لندن چلی جائے گی، فی الحال یہ ڈیڑھ سال کا عرصہ وہ، اپنی بہن آر جے میشا کے گھر رہے گی۔'' فرحین نے ایک ہی سانس میں ساری تفصیل بتاتے ہوئے کہا تو سائرہ سر پکڑ کر رہ گئی۔

''فرحی تم کب بڑی ہو گی؟ کسی کو پسند کرنا، ایک الگ چیز ہے مگر اس کے پیچھے ایسے پاگل ہونا ہم لو برڈز کو ان کے ایف ایم پہ اچھے شوز کرنے کی وجہ سے پسند کرتے ہیں، اس سے زیادہ ہمیں ان سے کیا لینا دینا ہے، مگر تم بھی ناں۔'' سائرہ نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''سدرہ بہت اچھی لڑکی ہے، تم اس سے بات تو کر کے دیکھو ناں۔'' فرحین نے جلدی سے کہا تو سائرہ اسے گھور کر رہ گئی، سائرہ کے اس طرح گھورنے پہ فرحین کھسیانی سی ہنسی ہنس کر رہ گئی۔

☆☆☆

دن گزرنے کے ساتھ ساتھ فرحین اور سدرہ میں دوستی بڑھتی گئی اور اس دوستی میں بھی زیادہ ہاتھ اور کوشش فرحین کی تھی، فیس بک پہ آر جے میشا اور علی کے اپ ڈیٹش اسی طرح تھے مگر اب کچھ زیادہ بولڈ اور کھلے انداز میں ایک دوسرے سے اپنی محبت کا اظہار کیا جاتا تھا، فرحین کے ناپختہ ذہن میں بھی ایک خاکہ سا بنتا جا رہا تھا، مگر جب وہ حقیقت سے نظریں چار کرتی تو اسے دور دور تک ایسی تصوراتی محبت اور رومینس نظر نہیں آتا تھا۔

راویات کے پابند گھرانوں میں ایسی چیزیں معیوب سمجھی جاتی ہیں، جو اب سر عام ہونے لگی ہیں، میڈیا نے جو کچھ پیش کرنا شروع کر دیا ہے جو آزادی کی تصویر پیش کی جاتی ہے، وہ ہماری راویات کے برعکس ہیں اور فرحین جیسی کچے ذہن کی لڑکیاں اپنی اقدار اور خواہشات کے درمیان پھنس کر رہ جاتیں ہیں، نہ اپنا اصل چھوڑنا ممکن ہوتا ہے اور نہ اپنی خواہشات سے منہ موڑنا،

...نا آسان ہوتا ہے۔

☆☆☆

سائرہ کی طبیعت خراب تھی اس لئے وہ اس دن کالج نہیں آئی تھی، پیپرز قریب ہونے کی وجہ سے ویسے بھی بہت کم لڑکیاں کالج آئی ہوئیں تھیں، فرحین بھی اپنے نوٹس لینے کی وجہ سے صرف کالج آئی تھی، جو سدرہ کے پاس تھے اور سدرہ کالج تو آ گئی تھی مگر فرحین کے نوٹس لینا بھول گئی تھی، واپسی پہ سدرہ فرحین کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئی فرحین نے اپنے موبائل سے کال کر کے اپنی امی سے اجازت لے لی تھی، سدرہ سے غائبانہ وہ بھی واقف تھیں، اس لئے انہوں نے اجازت دے بھی دی تھی۔

موسم صبح سے ہی بہت خوبصورت تھا، بادلوں نے سارا آسمان ڈھانپا ہوا تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی چلتی ہوا اور کن من کن من گرتی بوندیں، سدرہ کی بہن آر جے میشا کا گھر شہر کے پوش ایریے میں تھا، فرحین کافی پرجوش ہو رہی تھی اور ساتھ ساتھ اس پہ گھبراہٹ بھی طاری ہو رہی تھی، سدرہ کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے تصور کی آنکھ سے ''لو برڈز'' کے خوبصورت گھر اور انہیں ہنستے بولتے ایک دوسرے میں مگن سا دیکھ رہی تھی اور گھر تو سچ میں ان کا بہت خوبصورت اور آرٹسٹک تھا، سدرہ فرحین کو بڑے سے لاؤنج میں چھوڑ کر ''ابھی آئی'' کہہ کر چلی گئی، فرحین گھوم پھر کے اس کا گھر دیکھنے لگی۔

''تم جیسے جاہل مرد سے شادی کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی، تم میری جیسی لڑکی ڈیزرو ہی نہیں کرتے تھے مسٹر علی......'' کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے میشا کی چیختی چلاتی آوازیں باہر آ رہی تھیں، فرحین حیرت کی زیادتی سے اپنے کھلے منہ پہ ہاتھ رکھے سب سن

رہی تھی، اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ نرم لہجے اور پیار سے بولنے والی آر جے میشا ہے، جس کی آواز کی مٹھاس کی وہ دیوانی تھی۔

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ تم جیسی بدتمیز اور بدزبان عورت کو برداشت کرنا صرف میرا ہی حوصلہ ہے۔'' علی نے بھی جواباً طنزیہ لہجے میں کہا، دونوں ایک دوسرے کو بری طرح کوس رہے تھے، فرحین حیرت زدہ سی ''لو برڈز'' کو جاہلوں کی طرح لڑتے جھگڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

اسی اثناء میں کھٹکا ہوا تو فرحین چونک کر مڑی اور بھاگ کر واپس لاؤنج میں آگئی، اس کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔

''آپ......؟'' اسی وقت میشا وہاں سے گزری تو لاؤنج میں ایک انجان لڑکی کو کھڑے دیکھ کر سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''وہ مس سدرہ کی فرینڈ......'' فرحین کی بات ادھوری رہ گئی اور مہک اپنے موبائل پہ انگلیاں چلاتے پاس سے گزرتی ملازمہ کو چائے لانے کا کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی، فرحین اس کی بداخلاقی اور سرد رویئے پہ آہ بھر کر رہ گئی۔

اسی وقت فرحین کے ہاتھ میں پکڑے موبائل کی میسج ٹون بجی، فرحین نے میسج اوپن کیا اور اس کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی، فیس بک پہ نیو اپ ڈیٹ اسٹیس ہوا تھا، آر جے میشا اور علی کی طرف سے، ایک بہت رومینٹک سی نظم آر جے علی نے میشا کو ڈیڈی کیٹ کرکے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا، جواباً میشا نے بھی اسی طرح کے احساسات کا اظہار کیا تھا، اس خوبصورت موسم کو ایک دوسرے کی سنگت میں گزارنے کا لکھا ہوا تھا۔

فرحین نے ایک نظر دونوں کے الگ الگ کمروں کے بند دروازوں پہ ڈالی اور جلدی سے ایک میسج لکھ کر سائرہ کو سینڈ کر دیا۔

''سائرہ! مجھے کھرے اور کھوٹے سکے کی پہچان کرنا آ گئی ہے میں جان چکی ہوں کہ دور سے چمکنے والی ہر چیز پاس آنے پر سونا نہیں ہوتی ہے، بلکہ اکثر ریت کے چمکتے ذرات بھی ہوتے ہیں اور زندگی کے سراب ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

سدرہ سے نوٹس لے کر فرحین واپس گھر آئی تو اس کی سوچ یکسر بدل چکی تھی، محبت اور عزت وہ نہیں ہوتی جو آپ دوسروں کو شو کروانے کے لئے کرتے ہیں، محبت اور عزت وہ ہوتی ہے جو بند دروازوں کے پیچھے بھی ایک دوسرے کے لئے اپنے لہجے اپنے رویوں میں موجود رہے۔

☆☆☆

فرحین اور سائرہ آج بھی فیس بک اسی طرح استعمال کرتی ہیں ''لو برڈز'' کے محبت بھرے اسٹیس بھی اسی طرح ہوتے ہیں، مگر اب فرق یہ ہے کہ فرحین اور سائرہ، ان محبت بھرے اسٹیس پہ ایک سرسری سی نظر ڈال کر آگے بڑھ جاتی تھیں۔

کسی بھی دوسرے شخص کے لئے قیمتی جذبات واحساسات صرف ایک سرسری نظر جیسے ہی ہوتے ہیں، اگر ہم سمجھے تو......، فرحین یہ بات اچھی طرح سمجھ چکی تھی اور اسی ''سمجھ'' نے اس کے زندگی اور زندگی سے جڑے رشتوں سے شکوے ختم کر دیئے تھے۔

☆☆☆

''اوزیبو...... کہاں رہ گئی۔'' اماں کی آواز کانوں کے پردوں سے ٹکرائی تو کپ میں انڈیلتی چائے پرنظر جمائے زبیدہ بولی۔

''بس آئی اماں۔''

''کب سے آئی اماں کی رٹ لگائی ہے اب آ بھی جا۔'' اماں کی آواز کانوں کے پردوں سے ٹکرائی آواز کے ساتھ ہی ایک مترنم قہقہہ سنائی دیا، قہقہہ کی آواز پر کھڑی کی کھڑی نظریں اٹھا کر باورچی خانے کی کھڑکی سے باہر نگاہ ڈالی، قہقہہ پہلے سے ذرا اونچی آواز میں پھر سے اس کے کانوں کے پردوں سے ٹکرایا۔

''کیا ہوا تمہیں۔'' ابھرو اچکائے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''تمہاری اماں۔''

''ہاں تو ہے کوئی شک۔''

''اماں ہے کہ باجا۔''

''پھر وہی بات۔'' تنبیہی انداز میں اس نے بولا۔

''آخر تمہیں اماں سے بیر کس بات کا ہے۔'' اس بار اس کے ہونٹوں کے کونوں پر ابھرتی مسکراہٹ قہقہہ لگانے والے کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔

''ارے سن رہی ہے۔'' زبیدہ اماں کی آواز پھر سے کانوں کے پردوں سے ٹکرائی۔

''جی اماں آئی۔'' یہ کہتے ساتھ ہی چائے سے بھرا کپ اٹھاتے ہوئے چوکی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' کھڑکی سے آواز آئی۔

''دیکھ رہی ہو نا اماں کو چائے دینے۔'' ہاتھ میں پکڑے چائے کے بھرے کپ پر نگاہیں جمائے باورچی خانے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

''آجانا واپس، میں ابھی یہیں ہوں۔''

''میں نے کہاں جانا ہے۔'' زیرلب سرگوشی تھی اور لمحے بھر کو اس کے قدم رکے، پھر اس نے مڑے بنا ہی لہجے میں مصنوعی سختی لاتے ہوئے کہا۔

''میں ابھی یہی ہوں کا کیا مطلب؟ تم نے کہاں جانا ہے اور تم بھی یہ بات بھول جاؤ کہ میں تمہیں کہیں جانے دے گی۔''

''ہیں اتنا یقین۔''

''خود سے بھی زیادہ۔'' یقین بھرا لہجہ تھا زبیدہ کا۔

''سوچ لو۔''

''زیبو۔''

''اب چلی بھی جاؤ نہیں تو تمہاری اماں چلی آئیں گئیں۔'' زندگی لہجے میں مصنوعی سختی در لاتے ہوئے بولی اور قدم اٹھاتی زبیدہ باورچی خانے سے نکل گئی، زندگی نام تھا اس کا، اس کھڑکی کے پار کھڑے قہقہہ لگاتے وجود کا۔

''لیں اماں چائے گرما گرم۔''

''اماں کا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے مگر مجال ہے جو ہاتھ جلدی چلیں۔''

''اماں! جلدی سے پی لیں چائے، ابھی درد ختم ہو جاتا ہے۔'' وہ قدرے بہلاتے انداز میں بولی۔

''یہ شریکوں کا لگایا درد ہے، چائے کے دو گھونٹ سے نہیں ختم ہوگا۔''

''اماں! اب چھوڑیں بھی...... ابھی تک ماسی شکورن کی باتوں کو دل سے لگائے بیٹھی ہیں۔''

''اماں اپنا دل برا نہ کریں۔''

''جوان بیٹی کو بے قصور طعنہ ماریں تو بھی نہ بولوں۔'' کپ ہونٹوں سے لگاتے چائے کا سیپ بھرتے ہوئے سکینہ بی بی بولیں۔

''اماں جانے بھی دیں۔''

''اور مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ کچھ عرصہ پہلے تو ہی شکورن کے خلاف تھی اور ان کے گھر سے نکلتے ہی پورا گھر سر پہ اٹھا لیتی تھی، دماغ میرا بھی خراب کرتی تھی اماں فلاں بات کہی تو، کیوں کہی اور۔'' اماں تفتیشی نگاہ زبیدہ پر ڈالتے بولیں۔

''اور یہ تجھے اب کیا ہوا ہے، مسکرا مسکرا کر اسی شکورن کی ایسے بات کر رہی ہے جیسے سب سے زیادہ تیری یاری دوستی اسی سے ہو۔''

''کہاں اماں، میری یاری دوستی تو کسی اور سے ہے۔''

''ہے ہے...... کیا بک رہی ہے؟ کس سے یاری گھانٹھ لی تو نے؟''

''بس ہو گئی یاری بھی اور دوستی بھی۔'' زیر لب مسکراہٹ سجائے زبیدہ بولی۔

''محلے میں تو کوئی سہیلی بھی نہیں تیری، ایک صائمہ تھی جو پچھلے سال بیاہ کر شہر چھوڑ گئی اور کوئی نیا محلے میں بھی نہیں آیا، آس پڑوس کہیں تیرا آنا جانا بھی نہیں پھر کس سے کر لی دوستی۔''

''اماں کر لی دوستی اور کہاں کی تو بس یہ سمجھ لو دروازے میں کھڑے کھڑے دوستی ہوئی پچھلے ہفتے جب شرفو سبزی دینے آیا تھا تو اسی وقت۔''

''ہیں...... ہائے زیبو، اس کالو سبزی والے سے، تیرا دماغ تو نہیں چل گیا۔''

''ہاہا...... اماں کیا ہوا ہے؟ میں نے ایسا کب کہا، اولاد ہوں آپ کی، حد ہو گئی اماں اپنی اولاد پر بھی بھروسہ نہیں۔'' جملے کے آخری الفاظ ادا کرتے ایک شکوہ ساز بیدہ کے ہونٹوں پر مچلا۔

''جانتی ہوں بڑی اچھی طرح اپنی اولاد کو، اسی کا تو رونا ہے، ہر وقت بکل مارے اللہ میاں کی گائے کی طرح رہتی ہے، کتنی مرتبہ کہا ہے میک اپ کے نام پر سرخی پاؤڈر بھی لگا لیا کر، وہ فاطمہ بانی کی بیٹی دیکھ، کتنی اچھی جگہ شادی ہوئی ہے سولہ گریڈ کا افسر ہے لڑکا، اپنا سرکاری گھر بھی ہے کتنی ٹپ ٹاپ سے رہتی ہے صائمہ، تیری ہی ہم عمر کوئی سال سوا سال کا فرق ہے اور تو ہر وقت خزاں پت جھڑ چہرے پر سجائے رہتی ہے۔'' جواب میں زبیدہ ایک نظر سکینہ بی بی کے چہرے پہ ڈال کر گہری سانس لے کر رہ گئی۔

سکینہ بی بی کی گاڑی اسٹارٹ ہو چکی تھی، اب انہیں روکنا اس کے بس میں نہ تھا، جب تک کہ دل کی بھڑاس نہ نکال لیتیں ان کا بولنا نہیں رکنا تھا۔

''جی اماں۔'' بالآخر اسے بولنا ہی پڑا۔

''اس کی طرح نین مٹکا کر کے میں تو لڑکا پھانسنے سے رہی، اماں اچھی طرح سے تو جانتی ہوں، بازار جانے کے نام پر آئے دن لڑکے کو ملنے جاتی تھی اور آپ کہتی ہیں کہ میں بھی ویسا ہی کروں۔''

''خدا نہ کرے زیبو، جو منہ میں آتا ہے بکے جاتی ہے۔'' اماں کا دل اس کی بات سن کر ہولا تھا۔

''جانتی ہوں تجھے اچھی طرح، اولاد ہے تو میری، تیری رگ رگ سے واقف ہوں، اک دل کو سکون ہے تیری شرافت کا سوچ کر، لیکن آج کل سے نظر آتی ہے شرافت، نظر کی چمک ہی سے دنیا متاثر ہوتی ہے۔'' سکینہ بی بی بھی زمانہ ساز، زمانے کی رگ رگ سے واقف تھیں۔

''چار دن کو جب اصل پول کھلے گی صائمہ کی تو لگ پتہ جائے گا۔''

''اچھا اب بڑی بوڑھیوں کی طرح مجھ پر عقل نہ جھاڑ۔'' زبیدہ زمانے کے طریقے دیکھ،

سکینہ بی بی کا انداز کچھ سوچتا ہوا تھا، چائے کا سپ لیتے ہوئے وہ خاموش سی ہو گئیں۔

"چھوڑیں اماں۔" اس کا انداز لاپرواہی لئے ہوئے تھا۔

"تیری اسی لاپرواہی کا تو رونا ہے، میری بات لکھوا لے ایک دن سر پکڑ کے روئے گی میری باتوں کو یاد کر کے، شکورن کہہ رہی تھی کہ آج دو بچوں کے باپ کا، رشتہ آیا ہے لڑکی کی عمر نکلی جا رہی ہے کل کو یہ بھی نہ آئے گا۔"

"اماں تو آپ کب سے ماسی شکورن کی باتوں پر دھیان دینے لگیں۔"

"تو میری ہر بات مذاق میں ٹال رہی ہے، بیٹھی رہے گی کنواری کی کنواری۔" سکینہ بی بی ماتھے پر ابرو چڑھائے لہجے میں ناراضگی لئے بولیں۔

"اچھا اب چھوڑیں بھی، یہ بتائیں سر دبا دوں۔"

"ہوں نہیں...... ٹھیک ہو جائے گا چائے پینے سے۔" خالی کپ پکڑاتی ہوئی بولیں۔

"اچھا۔" خالی کپ زبیدہ نے اٹھا لیا اور باورچی خانے کا رخ کیا۔

"اور تو نے یہ بتایا نہیں کس سے دوستی ہوئی تیری۔" کچھ یاد آنے پر سکینہ بی بی بولیں۔

"اماں، زندگی نام ہے اس کا۔" لمحے کو قدم رکے اور مڑ کر سکینہ بی بی کو دیکھتے زبیدہ نے جواب دیا۔

"نئے محلے دار تو کوئی آئے نہیں، کسی کے گھر مہمانوں میں سے ہے؟" سکینہ بی بی نے پوچھا۔

"نہیں اماں، بتایا تو ہے پچھلے ہفتے شرفو سبزی دینے آیا تو دروازے پر ہی ملاقات ہوگئی تھی، جا رہی تھی گلی میں تو میں نے ہی بلا لیا، کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی ہے۔"

"کہاں ہوتی ہے ملاقات۔"

"یہیں جب دروازہ کھولوں تو سامنے سے گزر رہی ہو یا پھر باورچی خانے کی کھڑکی سے کبھی کبھی ہو جاتی ہے سلام دعا۔"

"چلو اچھا ہے، دل تو لگا رہتا ہے، کبھی گھر تو بلوا اسے، میں بھی تو ملوں تیری سہیلی سے۔"

"اچھا اماں...... ملی تو کہہ دوں گی۔" وہ جواب میں ہلکے سے مسکراتی بولی۔

پھر سکینہ بی بی نے بھی زیادہ باز پرس نہیں کی، ایک طرح سے تو انہوں نے بھی دل میں شکر ادا کیا کہ بیٹی کی تنہائی اور اداسی کبھی کبھی انہیں ماں ہونے کے ناطے دکھی کر دیتی تھی اور یہ ایک حقیقت بھی کہ زبیدہ کی زندگی میں زندگی کے آ جانے سے اس کی تنہائی ختم ہو گئی تھی، وہ اس کی سنگت میں خوش رہنے لگی تھی، یہ صرف سکینہ بی بی نے ہی محسوس نہیں کیا تھا بلکہ جو بھی زبیدہ کو دیکھتا وہ اس بات کو نوٹ کیے بنا نہیں رہتا تھا۔

زندگی کے تلخ اتار چڑھاؤ میں وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ زبیدہ کے لہجے میں سختی اور کھردرا پن آتا جا رہا تھا، دنیا کے تلخ رویوں نے اس کے لہجے اور انداز میں تلخی بھر دی تھی، زندگی کے آ جانے پر اس کی آنکھوں کے بجھتے ستاروں نے پھر سے ٹمٹمانا شروع کر دیا تھا، ہونٹوں پر ہمہ وقت رہنے والی تلخ کاٹ کی جگہ نرم سی مسکراہٹ نے لے لی تھی، اس بات کا اعتراف وہ زندگی سے کیے بنا نہ رہ پائی۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہے زندگی۔"

"پھر مانتی ہو نا اپنی زندگی کو۔"

"اپنی زندگی......" وہ زیر لب مسکرائی۔

"اپنی زندگی کی اس بات سے میں نے کب انکار کیا ہے۔" پھر بولی تھی۔

"احسان مانتی ہو نا۔" زندگی رعب سے بولی۔

"ہاں کہا تو ہے کب انکار ہے مجھے۔" کھلا اعتراف کیا۔

"انکار کر کے تو دکھاؤ۔" زندگی اترائی۔

"شکریہ زندگی۔" زبیدہ ممنونیت سے بولی۔

"بس بس یہ شکریہ کرنے کی بجائے ایک وعدہ کرو۔"

"ہوں کہو۔"

"جب میں چلی جاؤں گی تو تب بھی تم ایسی ہی رہو گی، خوش ہنستی مسکراتی۔"

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

"جانا تو ہے زیبی۔" وہ اسے پیار سے کبھی کبھی زیبی کہہ کر بلاتی تھی، کبھی زبیدہ چڑتی کہ مجھے میرے پورے نام سے پکارا کرو تو اس کا جواب ہوتا۔

"میں تو اسی نام سے پکاروں گی، چاہے تمہیں اچھا لگے یا نہ لگے۔"

"اچھی دوستی ہے۔"

"دوستی میں سب چلتا ہے۔"

"تم دوستی کے نام پر میرے بہت سر چڑھ گئی ہو۔"

"ہاں...... وہ تو ہے۔"

"تو پھر تمہیں سر چڑھا بھی سکتی ہوں تو اتار بھی سکتی ہوں۔"

"سر سے تو اتار دو گی لیکن کیا دماغ اور دل سے بھی نکال پاؤ گی؟"

"نہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولی، جواب میں زندگی مسکرائی۔

"تم بہت اچھی ہو، تم نے مجھے زندگی جینے کا ڈھنگ سکھایا ہے۔" جواب میں زندگی ہنوز مسکرائی۔

☆☆☆

اس دن کے بعد پھر بہت دنوں تک وہ اسے نظر نہیں آئی، وہ چلی گئی تھی، کہاں گئی تھی بنا بتائے کچھ پتہ نہیں تھا، وہ گاہے بہ گاہے باورچی خانے کی کھڑکی میں سے کھانا پکاتے وقت یا برتن دھوتے وقت نگاہ ڈالتی رہتی، گھر کے دروازے کی دستک پر بلاوجہ ہی دل دھڑک اٹھتا، بھاگ کر دروازہ کھولتی جیسے اسی کی منتظر ہو اور اصل میں بھی تو وہ اسی کی منتظر تھی، اس کا انتظار کرتے ہوئے وہ بھول گئی کہ زندگی نے اس سے وعدہ لیا تھا، اس کے چلے جانے پر بھی خوش رہنے کا وعدہ، ہر وقت ہونٹوں پر مسکراہٹ کا وعدہ، آنکھوں میں خوشیوں کی قندیلوں کا وعدہ۔

وہ چاہتے ہوئے بھی وعدہ نبھا نہیں پا رہی تھی، اسے اچھی طرح علم تھا کہ جب بھی اس کی سکھی، اس کی زندگی واپس آئے گی وہ اس سے پوچھے گی، اپنے کیے وعدے کا پاس رکھنے کی بابت اس سے جاننا چاہے گی اور اس کا جواب نفی میں سن کر وہ ناراض ہو گی، اپنی زندگی کی ناراضگی کا سوچ کر اس کا دل ڈوبنے لگتا تھا، لیکن اس معاملے میں وہ بے بس تھی، چاہتے ہوئے بھی وعدہ نبھا نہیں پا رہی تھی۔

انہی دنوں اس کی دور پرے کی خالہ زاد اپنے جج بیٹے کا رشتہ لائیں تو گویا پورا خاندان اس کی قسمت پر رشک کرنے لگا، وہ ان کے چند عرصہ پہلے کے اپنے بدقسمت ہونے کی ذہنی سوچ کو یاد کرتی تو بے ساختہ ہی ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر در آتی اور زندگی کی یاد اسے شدت سے تڑپاتی، وہ ہوتی تو اس سے دل کی ڈھیروں باتیں کرتی، دنیا کے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کا بتاتی۔

"زندگی کہاں ہو تم؟" زندگی ہوتی تو اس

کی بتاتی کچھ دل ہی ہلکا ہوتا۔

پھر اس دن زندگی سے ملاقات ہوئی تو اسے علم نہیں تھا کہ یہ اس سے آخری ملاقات تھی، اس دن زندگی نے پھر اپنے جانے کا ذکر کیا تو وہ اس کے سر ہوگئی، وجہ جاننے کی کوشش میں اس کا انداز لڑائی والا تھا، زندگی اس سے ملی تھی تو وہ دکھوں کے سمندر میں گری ہوئی تھی، چند ماہ کے ساتھ سے اسے زندگی سے صدیوں کے طویل تعلق کا گمان ہوتا تھا، اس سے جدائی کا سوچنا ہی سوہان روح تھا، وہ دل کو عزیز تر ہوگئی تھی، اسے لگتا کہ جتنی دیر زندگی اس کے ساتھ ہوتی تھی وہ زندگی کے دکھوں سے دور ہوتی تھی، اس دن وہ جولائی کی لمبی گرم دوپہر میں صحن میں بچھی چارپائی پر ذرا ستانے لگی تھی قریب کی چارپائی پر سکینہ بی بی اونگ رہی تھیں، کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

دستک کا انداز کچھ الگ سا تھا کہ زبیدہ کے وجود کو لپٹے لیٹے جھٹکا لگا، وہ تیزی سے اٹھی اور بنا چپل دوپٹے وہ دروازے کی جانب دوڑی۔

''زبیو باولی ہوئی ہے، چپل تو پہن کے جا، دوپٹہ تو اوڑھ، نجانے کرن بھری دوپہر میں آیا۔'' لیکن زبیدہ کو سکینہ بی بی کی آواز کیا سنائی دیتی اسے تو دروازے کی دستک کے سوا کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

''زندگی ہوگی اگر دروازہ کھولنے میں دیر ہو گئی تو وہ کہیں چلی نہ جائے۔'' وہ جھٹ سے دروازے پہ پہنچی اور پٹ سے دروازہ کھول دیا۔

''باجی اماں نے بریانی بھیجی ہے۔'' ہمسایہ کے بلو کو بریانی سے بھری پلیٹ پکڑے دیکھا اور دل پر کوسوں برف پڑ گئی۔

''ہوں......اچھا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے بلو کے ہاتھ سے پلیٹ پکڑی، پلٹی......رکی اور پھر پلٹی، جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

''کس خوشی میں ہے یہ بریانی؟''

''اماں نے بولا تھا کہ وجہ پوچھیں تو بتانا کہ اماں کا دل خوش تھا تو خوشی میں بریانی پکائی اور آپ کو بھی بھیجی۔''

''دل خوش تھا۔'' اس کی بات سن کر زبیدہ زیر لب بولی۔

وہ ٹھٹکی تھی، ایک لمحے کو بلو کو گہری نظروں سے ٹٹولا اور اسے اور تو کچھ نظر نہیں آیا لیکن اس کی تلاش ختم ہوگئی، اس کی زندگی اسے نظر آ گئی تھی، بلو کو بھیج کر وہ دروازے کی کنڈھی لگائے بریانی کی پلیٹ لئے باورچی خانے میں چلی آئی، اس کی توقع کے عین مطابق زندگی باورچی خانے کی کھڑکی میں کھڑی تھی، زبیدہ خاموش رہی۔

''کیسی ہو؟'' وہ اب بھی خاموش تھی۔

''زبیدہ بات نہیں کرو گی؟'' وہ اب بھی خاموش تھی۔

''دلوں میں میل آجائے تو ٹھیک نہیں، مجھے معلوم ہے تم مجھ سے بدگمان ہو، کچھ کہو گی نہیں؟''

''یاد آ گئی میری۔''

''تم بھولی کب تھی۔''

''کہاں چلی گئی تھیں، میرا تو کچھ خیال ہی نہیں تھا۔'' جواب میں زندگی مسکراتی اس کی پیار بھری ڈانٹ کھاتی رہی۔

''زندگی!'' یہ لفظ کتنا گہرا تھا، اپنے انداز میں گہرائی لئے ہوئے اپنے مطلب میں گہرے سمندروں کی سی گہرائی لئے، بہار فضاؤں کے دلکش رنگ خود میں سموئے، صبح کی شبنم جیسا ٹھنڈک کا احساس لئے، بات کرتے کرتے ایک گہری نظر اس نے زندگی کو دیکھا۔

''زندگی......!'' اس کے جینے میں شامل ہو چکی تھی، جینے کے وہی اصول تھے، وہی قواعد و ضوابط، وہی حدود و قیود، لیکن کچھ بدلا تھا۔

زندگی کی سنگت میں جینے کا مطلب بدل گیا تھا اور زندگی جانتی تھی کہ جب سے وہ زبیدہ کی سوچوں پر حاوی ہوئی تھی وہ بدل گئی تھی، خود زبیدہ بھی تو حیران تھی اپنے سرتاپا بدل جانے کا سوچ کر اور اس وقت بھی وہ چند لمحوں میں ہی بھول چکی تھی کہ وہ ابھی چند لمحے پہلے زندگی سے ناراض تھی اور زندگی سے چند لمحے ملاقات کو بھی نہیں گزرے تھے وہ جیسے بھول گئی تھی کہ ناراض ہونا بھی جانتی ہو وہ بھی زندگی سے، بے ساختہ ہی وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

''کہاں سے سیکھے یہ انداز؟''

''کون سے انداز؟''

''یہی......دنیا کو اپنی جانب کھینچ لینے والے جادوئی انداز، دلوں کو موہ لینے والے انداز۔''

''کہاں سے سیکھے ہیں زبی، میں تو ہوں ہی ایسی، خدا نے تمہاری زندگی کو بنایا ہی ایسا ہے۔''

''پاگل نہ ہو تو۔'' زبیدہ کی ہنسی میں شرارت تھی۔

''ہاں پاگل ہی سمجھو۔''

''بالکل صحیح کہا میں نے تم پاگل ہو اور پاگل کر دیتی ہو۔''

''اچھا۔'' زندگی ہنسی۔

''طنز کر رہی ہو۔'' کچھ دیر بعد زندگی بولی۔

''نہیں سچائی بیان کر رہی ہوں، تم سچ میں اپنا اسیر کر لیتی ہو کہ اگلے بندے کو تمہارے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔''

''زندگی جو ہوں، زندہ رہنے کو زندگی کی ضرورت ہوتی ہے۔'' اس کے جواب میں زبیدہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔

''لیکن مجھے تو نظر آتا ہے بلکہ سنائی بھی دے رہا ہے۔''

''کیا؟'' زبیدہ نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''تمہاری اماں، وہ چارپائی پر لیٹی تمہیں بلا رہی ہیں، دیکھ بھی رہی ہوں اور سن بھی رہی ہوں۔''

''ہوں بلو بریانی لایا تو اس کا پوچھ رہی ہوں گی اور پھر وہی مسئلہ۔''

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔''

''کچھ تو ہے، جس کی پردہ داری ہے۔''

''کس بات کی پردہ داری، تمہیں وہم ہوا ہے۔''

''تم مجھ سے لاکھ چھپاؤ لیکن تم چھپا نہیں سکتیں، تمہاری آنکھیں تمہارا لہجہ اس بات کا گواہ ہے۔''

''اب گھٹیا عاشقوں کی طرح قصیدہ گوئی نہ شروع کر دینا۔''

''نہیں کرتی اگر تم سچ بات بتانے کا وعدہ کرو، تمہیں نہیں پتہ زبی میں تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتی، تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تو تم چولہے کے پاس بیٹھی کھانا پکاتی پریشان دکھائی دی تھیں، تمہاری پہلی جھلک جس میں تمہارے چہرے پر ہی نہیں بلکہ تمہاری روح پر بھی اداسی کا غلبہ تھا۔''

''اور تم نے اس لئے مجھ سے دوستی کی، کہ تم مجھے خوش کر کے مجھ پر احسان کرو۔'' بے ساختہ ہی زبیدہ نے بھوئیں اچکائیں۔

''نہیں زبی، یہ تم نے کیسے سوچ لیا، بس تم دل کو اچھی لگیں تو خود ہی دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔''

''تبھی تو تم یونہی کچن کی کھڑکی کے آگے ملتی ہو یا پھر گھر کے دروازے پر، کبھی گھر میں نہیں آتیں۔''

''میں ہر وقت جو تمہارے ساتھ ہوتی ہوں۔''

''بہانے نہ بناؤ، نہیں آنے کا دل تو صاف بولو۔'' زبیدہ نے گھر کا۔

''سچ میں بتاؤ میں تمہارے سامنے نہیں ہوتی تو خیال بن کر تمہارے ذہن میں نہیں ہوتی؟ ہونٹوں کی مسکراہٹ میں پوشیدہ، آنکھوں کے جگنو کی چمک میں پنہاں، کیا میں نہیں ہوتی؟ تمہارے تصور تمہاری سوچ میں، میں ہی ہوتی ہوں نا؟''

''تصدیق چاہتی ہو؟''

''نہیں تمہیں بتانا چاہتی ہوں یہ احساس دلانا چاہتی ہوں کہ میں تمہاری نظروں کے سامنے نہ بھی ہوں تب بھی ہر طرف میں ہی ہوتی ہوں، ہر جگہ تمہارے ساتھ میں ہی ہوتی ہوں۔'' جواب میں زبیدہ کچھ نہیں بولی تھی کہ چاہ کر بھی زندگی کی اس بات سے اختلاف نہیں کر سکتی تھی، وہ سچ کہہ رہی تھی۔

''تم نے فلسفے میں ماسٹرز کیا ہوا ہے؟''

''میری بات پلٹو مت۔''

''ہاں مانتی ہوں تم نے میرے جینے کا انداز بدل دیا ہے۔''

''لیکن میں نہیں مانتی۔''

''کیوں؟'' زبیدہ نے ابرو اچکاتے ہوئے پوچھا۔

''میں تو تب مانوں جب تم میرے جانے کے بعد بھی ایسی ہی رہو جیسے ابھی میرے ساتھ ہونے پر خوش ہو۔'' جواب میں زبیدہ کو جیسے چپ لگ گئی۔

''کیا ہوا زبی تم چپ کیوں ہو گئیں؟''

''تم ہمیشہ چلے جانے کی بات کیوں کرتی ہو، ابھی بھی تم نے عرصے بعد شکل دکھائی ہے۔''

''جانا تو ہے نا؟''

''تم یہیں رہ جاؤ ہمیشہ کے لئے میرے پاس، میرے ساتھ، میں تمہارا بہت خیال رکھوں گی۔''

''مجھے اچھا لگے گا کہ میرے جانے کے بعد تم میری یادوں کا خیال رکھو، مجھے اپنے وجود میں زندہ رکھو، اپنی روح میں بسا کے رکھو۔''

''مجھے تمہاری باتوں سے ڈر لگتا ہے۔''

''چھوڑو کوئی اور بات کرو اور اصل بات بتاؤ جس کی وجہ تم نے ابھی تک نہیں بتائی۔''

''ابھی بلو بریانی لایا ہے تمہارے سامنے تو اسی کے بارے میں اماں پوچھ رہی ہوں گی۔''

''نہیں ایک اور بات کا ذکر بھی تم نے کیا تھا، غالباً کسی مسئلے کا۔''

''یعنی تم پوچھے بنا جان نہیں چھوڑو گی۔''

''جان تو میں تمہاری کبھی بھی نہیں چھوڑوں گی فی الحال اس مسئلہ کا بیان کرو جلدی سے۔''

''اماں کی منہ بولی بہن کے بیٹے کا رشتہ ہے میرے لئے، اماں ہاں کرنا چاہ رہی ہیں۔'' کچھ توقف کے بعد اس نے اصل بات زندگی کو بتائی۔

''یہ تو خوشی کی بات ہوئی، کب ہوا یہ معرکہ۔''

''خوشی کا تو پتہ نہیں، لیکن یہ معرکہ تمہارے جانے کے کچھ دن بعد ہوا تھا۔''

''کیا مطلب تم خوش نہیں ہو؟'' زبیدہ جواباً خاموش رہی۔

''تمہیں لڑکا پسند نہیں؟''

''میں نے تو اسے دیکھا نہیں ہے، ایسی بات نہیں ہے۔''

''تو کوئی اور بھا گیا نظروں کو؟'' زندگی نے کریدنا چاہا۔

''نہیں اب ویسی بات بھی نہیں ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے، ویسی بات نہیں ہے تو اصل بات کیا ہے۔''

''بس تمہارے ساتھ کی عادت جو ہو گئی ہے تم ساتھ میں ہو تو لگتا ہے وقت اچھا گزر جائے

گا۔''

''لیکن میں تمہارے ساتھ ہمیشہ نہیں رہ سکتی مجھے جانا ہے ایک دن۔''

''کہاں؟ تم کہاں جاؤ گی، تم ہمیشہ جدائی کی بات کرتی ہو، تمہیں پتہ ہے کتنی تمناؤں مرادوں کے بعد مجھے ملی ہو، ابھی تو تم سے ڈھیروں باتیں بھی نہیں کیں، دل کی باتیں دل کے دکھ بھی نہیں بانٹے اور تم ہو کہ بچھڑنے کی بات کرتی ہو۔''

''کوئی سدا ساتھ نہیں رہتا، زبی لیکن یادیں ساتھ رہتی ہیں، کئے وعدوں کا پاس، دنیا سے سانسوں کا رشتہ جوڑے رکھتا ہے اور تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تم میرے چلے جانے کے بعد ہر حال میں خوش رہو گی۔'' مسکراتی زندگی کو جینے والی زبیدہ۔

''ہر کوئی تمہاری طرح تھوڑی ہے؟''

''ہر کوئی کا تو مجھے علم نہیں لیکن زندگی کی زبیدہ تو ایسی ہی ہے، زندگی کو جینے والی، دنیا جیتی ہے پورے دل سے، دل کو جینے کی سانس دینے کو کوئی بہت بڑی وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

''کوئی اتا پتہ۔''

''جہاں تک جانے کا سوال ہے تو میں تمہارے پاس آئی جب تم اداس تھیں، میں ہر اس جگہ جاتی ہوں جہاں زندگی میں جینا نہیں ہوتا، میں تو بس دکھے دلوں کو خوشیاں جینے کا ڈھنگ سکھاتی ہوں، تب تک ساتھ رہتی ہوں جب تک دکھی دل خوشیاں جینے کا انداز نہ سیکھ لے، مجھے دنیا کے بستے لوگوں کی آنکھوں میں بستی اداسی اچھی نہیں لگتی، تمہارا میرا ساتھ بھی بس یہیں تک تھا، جب تک تم خوش ہونا اور جینا نہ سیکھ لیتی، دکھوں میں جینے کا حوصلہ زندگی سکھاتی ہے، میں اداس اور دکھی لوگوں سے ملتی ہوں دوستی کرتی ہوں، دکھوں میں جینے کا فن سکھاتی ہوں اور جب دیکھتی ہوں کہ دل کو اس دکھوں کی فضا میں خوش رہنے کا فن آ گیا ہے تو میں یادوں میں اپنے ساتھ کا وعدہ لئے اگلے کسی گھر کے دکھی دل کو تلاشنے الوداع لیتی ہوں۔''

''زندگی!''

''تم نے بھی جینے کا فن سیکھ لیا ہے زبی، تم زندگی کو زندگی سمجھ کر جی سکتی ہو، وقت تو ہر کوئی گزارتا ہے، زندگی کوئی کوئی گزارتا ہے، تمہیں بھی زندگی سے دوستی کر کے زندہ رہنے کا فن سیکھ لیا ہے، اجازت دو میں چلتی ہوں۔'' زندگی نے کھڑکی کے پار سے ہاتھ ہلا کر اجازت چاہی تھی جسے زبیدہ نے مسکراتی آنکھوں اور ہونٹوں سے ہاتھ ہلا کر اپنی سکھی کو سوچوں میں بسائے رخصت کیا تھا۔

★★★

میرے دل سے بوجھ اتار دو

فرح طاہر

"گڑیا! تمہاری بیا آپی کہاں ہیں؟" وہ گھر میں داخل ہوا تو گڑیا سے سامنا ہونے پر سب سے پہلے یہ سوال کیا تھا۔

"بیا آپی کچن میں ہونگی بھائی۔"

"کچن میں، میں چیک کر چکا ہوں وہ وہاں نہیں ہے۔" وہ ابھی بھی استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تو پھر چچی جان کے روم میں ہونگی۔" گڑیا نے ایک بار پھر اس کے سوال کا جواب دیا تھا۔

"خیریت؟" ایک بار پھر سوال ابھرا تھا۔

وہ ساری تفصیل اسی سے جان لینا چاہتا تھا، گڑیا بھی فرصت سے بیٹھی تھی اسی لئے اس کے ہر سوال کا جواب دیئے جا رہی تھی۔

"جی بھائی، چچی جان کے سر میں درد تھا شاید اسی لئے انہی کے پاس گئی ہونگی۔"

"اوہ! اچھا پھر میں وہی جاتا ہوں۔" گڑیا کے جواب نے اسے پریشانی میں مبتلا کیا تھا اسی لئے وہ اسے جواب دے کر فوراً چچی جان کے کمرے کی طرف آیا تھا۔

"چچی جان! آج پھر سر درد؟" اندر داخل ہو کر اس نے بنا کسی سلام دعا کے سوال داغ دیا تھا۔

"ہاں بیٹا، کیا کریں یہ عمر کا تقاضا ہے۔" چچی جان اسے آتے دیکھ کر فوراً بیٹھے سے اٹھ بیٹھی تھیں، ان کا سر دباتی بیا بھی ایک طرف کو ہو بیٹھی تھی۔

"اب عمر کو الزام مت دیں چچی جان، آپ نے ضرور آج پھر روزہ رکھا ہوگا۔" وہ ان کے قریب بیٹھ چکا تھا، چچی مسکرا دیں۔

"ہاں روزہ تو رکھا ہے۔"

"دیکھا، منع بھی کیا تھا آپ کو، اتنی شدید

مکمل ناول

گرمی میں آپ روزے نہ رکھیں، آپ نے پھر بھی اپنی کرلی۔'' اس کے انداز سے ناراضگی جھلکی تھی۔

''اور میں نے بھی تمہیں کہا تھا گرمی زیادہ ہو یا کم رمضان کے روزے ہم پر فرض ہیں انہیں ہر حالت میں ہمیں پورا کرنا ہوتا ہے، ایسے میں میں روزے کیسے چھوڑ دوں بیٹا؟''

''میں نے چھوڑنے کو نہیں کہا ماں، آپ ان کی قضا جب کرلیجئے گا جب گرمی کم ہو جائے۔''

''کرنے کو تو قضا ادائیگی ہو جائے گی بیٹا مگر ان قضائی روزوں میں نہ تو وہ مزا ہو گا نہ ہی وہ ثواب جو رمضان کے مہینے میں رکھے گئے روزوں کا ہوتا ہے، رمضان میں تو ہر عبادت کا ثواب دو گناہ ہو کر ملتا ہے، یہ جاننے کے بعد پھر کہاں دل کرتا ہے رمضان کی عبادات کو چھوڑنے کا۔''

''میں بھی جانتا ہوں چچی جان مگر آپ کی طبیعت کی وجہ سے ایسا کہتا ہوں آپ کا بلڈ پریشر ہر وقت اب ڈاؤن ہوتا رہتا ہے یہ خطرے کی بات ہے۔'' وہ ان کے لئے خاصا فکر مند ہو رہا تھا، وہ مسکرا دیں۔

''کوئی خطرے کی بات نہیں ہے لڑکے خوامخواہ کی فکر میں خود کو ہلکان مت کرو زندگی موت خدا کے ہاتھ میں ہے جب جیسے لکھی ہو گی آ جائے گی۔''

''توبہ ہے چچی ماں، بات کو کہاں سے کہاں پہنچا لے گئی آپ؟ موت تو زندگی کی وجہ سے تو میں نے ایسا کچھ نہیں کہا، آپ نے روزے رکھنے ہیں تو رکھ لیں مگر ایسی خوفناک باتیں مت کریں۔'' اسد نے ان سے ہار مان لی تھی، تائی اماں ایک بار پھر مسکرا دیں تھیں، اسد اب چپ بیٹھی بیا کی طرف متوجہ ہوا۔

''میں تم سے بات کرنے آیا تھا مگر چچی جان کی باتوں نے سبھی کچھ بھلا دیا۔''

''مجھ سے کیا بات کرنا ہے آپ کو؟'' وہ فوراً الرٹ ہوئی تھی۔

''اتنی خاص بات تو نہیں ہے بس یہی کہنا تھا تمہاری سٹڈی تو مکمل ہو گئی ہے مجھے اپنے ڈاکومنٹس کی کاپیز دے دینا آج کل لیکچرار شپ کی سیٹیں آئی ہوئی ہیں تمہارے لئے ان پر اپلائی کر دوں گا۔'' اس کی بات مکمل ہوئی تو بیا نے کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا مگر اس سے پہلے چچی جان بول پڑیں۔

''کوئی ضرورت نہیں کسی جاب کے لئے اپلائی کرنے کی۔'' چچی جان نے فوراً انکار کیا تھا۔

''مگر کیوں؟'' اس نے حیرانگی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''کیونکہ ہم نے بیا سے نوکری نہیں کروانی۔'' انہوں نے وجہ بیان کی۔

''نوکری میں کیا حرج ہے چچی جان؟ اس کو اتنا پڑھایا لکھایا ہے، ہر کلاس میں اتنی اچھی پوزیشن لیتی رہی ہے اس کو تو اتنی آسانی سے نوکری مل جائے گی۔'' وہ فوراً ہی معترض ہوا تھا۔

''بے شک نوکری مل جائے گی بیٹا، مگر ہم نہیں چاہتے یہ نوکری کرے اللہ کا دیا سبھی کچھ تو ہے پھر کیا ضرورت ہے اسے نوکری کر کے خود کو تھکانے کی؟''

''مگر چچی جان یہ ضروری تو نہیں ہوتا کہ نوکری کسی ضرورت کے تحت ہی کی جائے؟ لوگ شوقیہ بھی تو نوکری کر لیا کرتے ہیں اور پھر بیا نے تو اتنا پڑھا ہے۔'' ابھی اس نے اپنی بات کا اختتام نہیں کیا کہ چچی جان درمیان سے اس کی بات اچک لی۔

''ہم نے اس کو اس لئے نہیں پڑھایا کہ یہ نوکریاں کرے، اس کو تعلیم اس لئے دلوائی ہے کہ

اس کو شعور آ جائے، اچھے برے کے درمیان فرق کرنا آ جائے اور بس۔'' انہوں نے جیسے بات ختم کر دی، مگر اس نے ابھی بھی ہار نہیں مانی تھی وہ مسلسل اپنے موقف پر ڈٹا ہوا تھا۔

''اچھے برے کے درمیان فرق تو جاہل بھی کر لیا کرتے ہیں چچی جان، آپ ایسی بات مت کریں، اگر اس نے پڑھا ہے تو اسے ضائع مت کریں، اگر اس کی پڑھائی سے کسی کا فائدہ ہو جاتا ہے تو یہ اس کے ساتھ ساتھ ہم سبھی کے لئے صدقہ جاریہ بن جائے گا اور اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔'' اس نے ذرا دیر کو رک کر چچی جان کے چہرے کی طرف دیکھا تھا جو ابھی بھی معترض دکھائی دے رہی تھیں۔

''پلیز چچی جان اب کوئی اعتراض مت کیجئے گا، اسے باہر کی دنیا بھی دیکھ لینے دیجئے اور پھر ہم ابھی بس اپلائی کریں گے لازمی تو نہیں ہے کہ اسے نوکری مل بھی جائے؟ ہمارے ملک میں نوکریوں کے جو حالات چل رہے ہیں اس سے آپ بھی اچھی طرح واقف ہیں، اس لئے پلیز اب کچھ مت کہیں گا ہمیں ہمارا یہ شوق بھی پورا کر لینے دیجئے۔'' اس نے آخر میں درخواست کی تھی چچی جان نہ چاہتے ہوئے بھی چپ کر گئیں، جو اس بات کا ثبوت تھی کہ انہوں نے اسے نوکری پر اپلائی کر لینے کی اجازت دے دی تھی۔

ان سے اپنی بات منوا لینے کے بعد اب اس نے اپنا رخ چپ بیٹھی بیا کی طرف کیا۔

''تم مجھے ابھی اپنے تمام ڈاکومنٹس کی کاپیز دے دو، ورنہ پھر میں بھی بھول جاؤں گا اور خود تم بھی۔''

نجانے وہ کیوں چاہتا تھا بیا نوکری کرے جبکہ اس نے ایک بار بھی خود اس سے یہ پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ آیا وہ خود نوکری کرنا بھی چاہتی ہے یا نہیں؟

اسے کوئی اعتراض تھا یا نہیں مگر اس کے کہنے پر اس نے اقرار میں سر ہلا دیا تھا، جس پر وہ سکون بھری گہری سانس لیتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''چچی جان آپ نے تھکا دیا۔'' اس بار وہ شرارت سے گویا ہوا تھا۔

''فضول کی ضد کرو گے تو تھکاوٹ تو ہو گی ناں۔'' چچی جان بھی دو بدو ہوئی تھیں۔

''جی نہیں فضول کی ضد تو میں بالکل بھی نہیں کرتا ہوں۔'' اس نے جھک کر اپنا کوٹ اٹھایا اور سیدھا ہوتا دوبارہ بولا۔

''ابھی آپ آرام کریں میں بھی کچھ فریش ہو لوں بہت زیادہ تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے۔'' اس نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور مڑ کر چلتا کمرے سے نکل گیا۔

صدیقی صاحب کے دو بیٹے ابرار صدیقی اور عرفان صدیقی جبکہ ایک بیٹی عارفہ صدیقی تھی، ابرار صدیقی کی بس ایک ہی بیٹی تھی رابعہ جسے سب پیار سے بیا کہتے تھے جبکہ عرفان صدیقی کا ایک بیٹا اسد اور ایک بیٹی گڑیا تھی عارفہ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی عارفہ شادی کے بعد سے کینیڈا میں مقیم تھی جبکہ ابرار اور عرفان دونوں بھائی ایک ہی گھر میں جوائنٹ فیملی سسٹم کے تحت ایک ساتھ رہائش پذیر تھے، ابرار اور عرفان صدیقی اپنا ذاتی بزنس کرتے تھے جبکہ اسد پریس میں ملازمت کرتا تھا۔

☆☆☆

دو دن بعد اسد ایک بار پھر کچن میں مصروف بیا کے سامنے کھڑا اس سے مخاطب تھا۔

''بیا!''

''جی۔'' اس کی پکار پر وہ ایک دم چونک کر اس کی طرف مڑی تھی۔

''میں نے تمہاری جاب کے لئے لیکچرار شپ کے ساتھ ساتھ ایجوکیٹرز کی سیٹس پر بھی اپلائی کر دیا ہے، جس کے لئے این ٹی اس کا ٹیسٹ کلیئر کرنا مسٹ ہے اسی لئے تم این ٹی ایس کی تیاری شروع کر دو۔''

''کیا ہوگا اس ٹیسٹ میں؟'' اس نے سوال کیا۔

''کچھ خاص نہیں بس تمام ٹیکنکس کے متعلق تھوڑے بہت جنرل نالج کے سوال ہونگے، سو نمبر کا ٹیسٹ ہوگا جس میں پچاس فیصد لینا لازمی ہے اسی لئے تمہیں ٹیسٹ کی بہت اچھی تیاری کرنا ہوگی۔'' اس بار اس نے ٹیسٹ کی نوعیت تفصیل سے اسے سمجھائی تھی۔

''اوکے۔'' اس نے اقرار میں سر ہلایا تو وہ مزید بولا۔

''این ٹی ایس کی تیاری کے لئے ایک اچھی ہیلپنگ بک میرے پاس پڑی ہے جب فری ہو جاؤ تو مجھ سے لے لینا۔'' اسد صدیقی اسے اپنے بک خود دینے کی آفر کر رہا تھا جو کبھی کسی کو اپنی نوٹ بک تک کو ہاتھ نہیں لگانے دیتا تھا، بیا نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ اپنی بک مجھے دیں گے؟ اور اگر جو وہ خراب ہوگئی تو؟'' اپنی چیزوں سپیشلی کتابوں کو لے کر اس کی پوزیسیو فطرت سے وہ خوب واقف تھی اسی لئے بک لینے سے پہلے اس سے سوال کر لیا تھا۔

''کوئی بات نہیں، بس تم اچھے سے تیاری کر لینا۔'' اسے حیرانگیوں کی زد میں چھوڑے وہ جس بے نیازی کے آیا تھا اسی طرح پلٹ گیا تھا۔

☆☆☆

این ٹی ایس ٹیسٹ کے لئے پندرہ دن بعد کی ڈیٹ کنفرم ہوئی تھی روٹین ٹف ہونے کی وجہ سے اس کے پاس ٹیسٹ کی تیاری کے لئے ٹائم بہت کم تھا ویسے بھی رمضان کی آمد کے بعد پہلے وہ کچھ زیادہ ہی مصروف رہنے لگی تھی اس کے باوجود بھی تھوڑا بہت ٹائم نکال کے وہ این ٹی ایس کی بک اٹھا کر پڑھنے کی کوشش کرتی مگر موٹی سی بک دیکھ کر چکر کھاتی اسے دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیتی۔

اسے بالکل سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر کس طرح ٹیسٹ کی تیاری کرے، اسی سوچ و بچار میں ایک ہفتہ گزر گیا اب اس کے پاس صرف سات دن باقی بچے تھے، رات دن کی فکر میں مبتلا کئی بار اس نے پلاننگ کی کہ جان بوجھ کر اس ٹیسٹ میں فیل ہو جائے تا کہ اس سارے جھنجھٹ سے جان چھوٹ جائے، مگر دوسرے ہی پل اپنی خوامخواہ کی ناکامی کا سوچ کر وہ اپنے اس خیال کو رد کر دیتی، اسد نے کئی بار اس سے ٹیسٹ کی تیاری کے بابت پوچھا تو اس نے ہر بار ''بہت اچھی تیاری'' ہو جانے کا کہہ کر اسے مطمئن کر دیا، مگر خود میں مسلسل بے سکون تھی، ایک زبردستی کی ٹینشن تھی جو اس کے اوپر سوار کر دی گئی تھی جسے چاہ کر بھی وہ خود سے دور نہیں کر سکتی تھی، کیونکہ اسد نے کہہ دیا تھا تو پھر اسے ٹیسٹ ہر حالت میں دینا تھا، ٹیسٹ سے دو دن پہلے بلا آخر اس نے سیریس ہو کر ٹیسٹ کی تیاری شروع کر ہی دی، اس کی فرصت کے تمام لمحات اب اس ڈھیر سارے صفحوں والی کتاب کے نذر ہونے لگے تھے، ان دونوں میں کسی بھی طرح اس نے کسی حد تک تیاری مکمل کر ہی لی۔

☆☆☆

آج نو بجے اس کا ٹیسٹ تھا، اس طرح کے کوئی بھی ٹیسٹ اس نے کبھی نہیں دیئے تھے اس لئے وہ کچھ زیادہ ہی کنفیوزن کا شکار ہو رہی تھی، اسد نے ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے اسے ایجوکیشن کالج کے باہر ڈراپ کر دیا تھا، کالج گیٹ پر آنے جانے والوں کا رش دیکھ کر وہ چکرا ہی تو گئی، وہ یہاں سے واپس پلٹ نہیں سکتی تھی اس لئے گہری سانس لے کر خود کو پرسکون کرتی بلآخر اس نے کالج گیٹ سے اندر قدم رکھ دیا، باہر سے کہیں زیادہ رش اندر اس کا منتظر تھا، اس کے قدم ایک بار پھر سے لڑکھڑائے تھے۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ اعتماد سے عاری لڑکی تھی، بس اس طرح کی سچویشن سے آج سے پہلے بھی اس کا واسطہ نہیں پڑا تھا اسی لئے وہ مسلسل گھبراہٹ کا شکار ہو رہی تھی، تیز تیز چلتی لڑکیوں سے خود کو بچاتی وہ آگے بڑھ رہی تھی جب کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑے جوش سے اسے مخاطب کیا تھا۔

''رابعہ تم یہاں؟'' اس نے نظر اٹھا کر مخاطب کی طرف دیکھا تو وہ خود بھی پر جوش سی دکھائی دینے لگی۔

''اوہ ماریہ تم، تم سوچ بھی نہیں سکتی تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے کس قدر خوشی ہو رہی ہے۔'' کسی اپنے کا ساتھ مل جانے پر بیا حد درجہ خوش تھی اور چہکتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار بھی کر رہی تھی۔

''ہاں اندازہ ہو رہا تھا تمہاری خوشی کا، حد درجہ بے وفا لڑکی ہو تم یونیورسٹی کیا چھوڑی ہمیں بھی بھلا دیا۔'' ماریہ نے منہ پھلاتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔

''مجھ سے تم سب کے نمبر کھو گئے تھے۔'' اس نے دانت نکوسے تو ماریہ نے منہ چڑاتے ہوئے اس کی نقل اتار کر اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

''تم میرے ساتھ چلو، باقی وہ دونوں بھی تمہیں دیکھیں گی تو تمہاری خبر لیں گی۔''

''اچھا تم چلو۔'' اس نے مسکرا کر کہا تو وہ دونوں یونہی ایک دوسرے سے چھیڑ خانی کرتی آگے بڑھ گئی۔

ماریہ کے کہنے کے عین مطابق نعیمہ اور عاصمہ نے اسے جی بھر کر لتاڑا تھا، وہ مسکراتی ہوئی ان کی ڈانٹ سنتی رہی کہ غلطی خود اس کی تھی یونیورسٹی سے فراغت کے بعد سے آج تک اس نے ان سے رابطے کی کوشش نہیں کی تھی، مگر یہ بھی سچ تھا اپنی سہیلیوں کو یہاں پا کر وہ حد درجہ مطمئن اور خوش دکھائی دے رہی تھی، شکوے، شکایتوں میں آدھا گھنٹہ کیسے گزرا پتا بھی نہ چلا۔

گھڑی نے پورے نو بجائے تو ایگزمینیشن ہال میں سے ایگزمینیر نے پکار کر انہیں اندر آنے کو کہا تھا تو وہ سب اپنے پین اور فائل سنبھالتی اندر داخل ہوگئیں، بیٹھ چکنے کے بعد ٹیسٹ پیپر ان کو دے دیا گیا تھا، پیپر ہاتھ میں لئے اس نے پورے ہال میں ایک طائرانہ سی نظر ڈالی تھی اسد اسے کہیں بھی دکھائی نہیں دیا تھا، اس نے اپنی متلاشی نظروں کو دوبارہ پیپر پر جمایا اور سر جھکا کر پیپر اٹینڈ کرنے لگی، پیپر سولو کرتے ہوئے ابھی اسے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا، جب اسد نے اس کے قریب ہو کر دھیمی آواز میں اسے پکارا۔

''بیا پیپر میں کوئی مسئلہ تو نہیں؟''

''نہیں مجھے آتا ہے پیپر۔'' ایک نظر اسے دیکھ کر اس نے دوبارہ سر جھکا لیا۔

''اوکے تم پیپر سولو کرو، میں یہیں پر ہوں واپسی پر تمہیں لے کر جاؤں گا۔''

''اوکے۔'' اس نے ایک بار پھر مختصراً جواب دیا تو اسد ہلکی سی مسکراہٹ اس کی نذر کرتا آگے بڑھ گیا، جہاں اس کا ساتھی دوست پیپر سولو کرتی اسٹوڈنٹس پر اپنا کیمرہ فوکس کیے ہوئے تھے، اسد نے ایک جانچتی نظر پورے ہال پر

دوڑائی، پھر جہاں اس کی نظر رکی وہ اپنے دوست کو لئے اس سمت چلا آیا،، بیا جو وقفے وقفے سے اس پر نظر ڈال رہی تھی اسے یوں ایک ماڈرن لڑکی کے قریب کھڑے دیکھ کر وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوگئی، پھر جتنی دیر وہ اس کی پکچرز بناتا رہا وہ اسے دیکھ دیکھ کر اپنا دل جلاتی رہی، مگر جب ٹائم کم رہ جانے کی آواز بلند ہوئی تو وہ اس کی طرف سے بہت سے شکوے دل میں لئے دوبارہ اپنے پیپر کی طرف متوجہ ہوگئی۔

گھر آ کر پورے دو دن تک دل میں پوری طرح اسد سے خفا ہونے کے باوجود اس نے اپنی ناراضگی کو اسد ظاہر کرنے کی بجائے پہلے کی طرح نارمل رویہ اپنائے رکھا تھا وہ ایسی ہی تھی اپنی خفگی کو کسی پر ظاہر نہ کرنے والی، اپنی خفگی کو دل میں دبائے بظاہر مسکراتی، ہاں یہ ضرور ہوتا جب وہ کسی سے خفا ہوتی تو خاموشی اختیار کر لیا کرتی تھی، پھر اس وقت تک خاموش رہتی جب تک اگلا بندہ خود اس کی ناراضگی کو محسوس نہ کر لیتا۔

☆☆☆

رمضان کی برکاتیں اپنے عروج پر تھیں، جبھی آج موسم خاصا خوشگوار ہو رہا تھا، کے ساتھ کھڑی ماسی گیسٹ روم کی صفائی کروا رہی تھی، جب گڑیا نے آ کر اسے اسد کا پیغام دیا۔

''بیا آپی! بھیا کہہ رہے ہیں آپ کا رزلٹ آ گیا ہے اپنا رول نمبر بتا دیں۔''

''اچھا۔'' این ٹی ایس کے اس رزلٹ کی اسے کوئی فکر نہیں تھی اسی لئے لاپروائی سے اسے ٹال دیا، کچھ اسد سے اس کی یک طرفہ ناراضگی بھی چل رہی تھی اس لئے وہ گڑیا کو بھیج کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی، گڑیا کو بھیجے ابھی اسے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اسد خود اس کے پاس چلا آیا۔

''بیا میں نے تمہیں بلوایا تھا۔'' وہ اس کے سامنے کھڑا سوال کر رہا تھا۔

''میں مصروف تھی۔'' اسے نظر انداز کرنے کی پوری کوشش کی گئی تھی، اسد حیران ہی تو رہ گیا، اس کے رویے کی اسے بالکل سمجھ نہیں آئی تھی، چند ثانیے اس کو دیکھنے کے بعد وہ دوبارہ بولا تھا۔

''اچھا مجھے اپنا رول نمبر بتا دو یا پھر این ٹی ایس ٹیسٹ کی کاربن کاپی مجھے دے دو، میں چیک کر دیتا ہوں۔''

اس سے پہلے وہ جواب دیتی نسرین (تائی اماں) کچھ تصویریں ہاتھ میں لئے اس کے نزدیک آتی بولیں۔

''بیا مجھے بالکل سمجھ نہیں آ رہا میں یہ تصویریں کہاں لگواؤں۔''

''تائی اماں انہیں آپ سٹور میں رکھوا دیں، یہ اب اتنی پرانی ہوگئی ہیں دیوار پر ٹنگی بالکل بھی اچھی نہیں لگیں گی۔'' وہ اب پوری طرح چچی کی طرف متوجہ تھی، اس بار اسد نے بھی نظر اٹھا کر اپنے اطراف میں دیکھا تھا۔

''خیریت امی، گیسٹ روم کس لئے صاف کروایا جا رہا ہے؟'' اس بار اس نے اپنی ماں سے سوال کیا تھا، تصویریں ماسی کو پکڑا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''پتا نہیں کہاں مصروف رہتے ہو لڑکے جو گھر کی ہی خبر نہیں ہوتی تمہیں۔'' انہیں تو موقع مل گیا تھا اسے ڈانٹنے کا اس لئے فوراً ہی شروع ہو گئیں تھیں جبکہ بیا ماں بیٹے کو آپس میں مصروف چھوڑ کر اندر بڑھ گئی تھی، ماں کی ڈانٹ سن کر اسد ہمیشہ کی طرح مسکرا دیا تھا۔

''اچھا امی اب تو توجہ دی ہے ناں، اب بتا دیں کس کی سواری باد بہاری اترنے والی ہے۔'' ماں کا موڈ بدلنے کے لئے وہ تھوڑا شوخ ہوا تھا،

چچی نے ایک تیز نظر اس کی طرف کر کے کہا۔
''تمہاری پھپھو آ رہی ہے، اس بار عید یہاں کرنے کا ارادہ ہے اس کا۔''
''عید کرنے کی خاطر اتنی دور سے یہاں آ رہی ہیں؟'' وہ حیران ہی تو رہ گیا۔
''ہاں تو کیا ہوا، اتنے سالوں سے باہر ہے اچھا ہے آئے گی تو سب سے مل بھی لے گی۔''
انہیں باتوں میں مصروف دیکھ کر ماسی اپنے کام سے ڈنڈی مارنے کی کوششوں میں تھی جبکہ بیا الماری میں گھسی نجانے کیا تلاش کر رہی تھی، تائی اماں کی نظر ماسی پر پڑی تو اسد کو جواب سے نوازتی اندر آ گئیں، اسد نے باہر سے بیا کو پکارا تھا۔
''بیا یار! اب رول نمبر دے بھی دو۔'' اسے ایکدم اپنے ٹائم کے ضیاع کا احساس ہوا تھا۔
''آپ چلیں میں لے کر آتی ہوں۔'' اس نے اندر سے مصروف سے انداز میں جواب دیا تو اسد واپس پلٹ گیا۔

☆☆☆

اس بار اس کی سہیلیوں نے اپنا نمبر اسے دینے کے ساتھ ساتھ خود اس کا نمبر بھی اس سے لے لیا تھا، یہی وجہ تھی جیسے ہی انہیں رزلٹ کی اطلاع ملی انہوں نے اسے فون کھڑکا دیا تھا۔
''کیسا رہا تمہارا رزلٹ؟'' عاصمہ نے فون اٹھاتے ہی سوال داغ دیا تھا۔
''بس بہتر۔'' اس نے جواب دیا تو دوسری طرف سے ایک بار پھر سوال ہوا تھا۔
''پھر بھی کتنا بہتر؟''
''بس پچاسی فیصد۔''
''کیا؟ پچاسی فیصد کو تم بس کہہ رہی ہو؟ تمہاری تو سمجھو جاب پکی۔'' عاصمہ نے رشک کیا تھا۔
''میرا بس پینسٹھ فیصد ہوا۔'' ساتھ ہی اس نے اپنا رزلٹ بھی اس کے گوش گزار کیا۔
''کیا خاک جاب پکی، اپنی گورنمنٹ سے اتنی اچھی امید مت رکھو میں نے بس پچاسی فیصد لئے ہیں لینے والوں نے ستانوے فیصد تک لئے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے ٹیسٹ دیا ہے اور سلیکٹ (منتخب) ان لوگوں نے صرف پچھتر امیدواروں کو کرنا ہے۔'' اس نے خاصی تفصیل سے حقیقت بیان کی تھی جس پر عاصمہ نے کہا۔
''مگر تمہاری پرسنٹیج اچھی ہے تم اچھی امید رکھ سکتی ہو۔''
''ہاں بالکل، امید ہی پر تو دنیا قائم ہے۔'' وہ ہنسی تو عاصمہ تپ کر رہ گئی۔
''تم ابھی بھی ویسی ہی بقراط ہو، ہم نے سوچا تھا پڑھائی ختم ہوگی تو تم سدھر جاؤ گی۔''
''اب تم نے امید غلط بندے سے لگائی تو میں کیا کروں۔'' ایک دم ہی موڈ میں آتی وہ اسے مزید تپانے لگی تو وہ سچ مچ تپتی ہوئی فون بند کر گئی۔
اسی شام اسد نے اسے تین دن بعد ہونے والے اس کے انٹرویو کی اطلاع دی تھی، وہ منہ بنا کر رہ گئی، جتنا وہ اس راستے سے بھاگ رہی تھی اتنا ہی اسے اس راستے پر چلنا پڑ رہا تھا۔

☆☆☆

انٹرویو سے واپسی پر جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو گھر میں مچی ہلچل نے انہیں عارفہ پھپھو کی آمد کی اطلاع کر دی تھی اسی لئے وہ دونوں ایک ساتھ ہی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے تھے، اسد نے اس سے پہلے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تھا وہ دو قدم اس کے پیچھے تھی۔
''السلام علیکم!'' دونوں نے بیک وقت

سلام کیا، تو ڈرائنگ روم میں موجود سبھی افراد نے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے سلام کا جواب دیا تھا جبکہ عارفہ پھپھو ان کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی ان کے قریب آئی تھی تو اسد ففتھ کلاس کا سٹوڈنٹ تھا، جب وہ پاکستان سے گئیں تھیں۔

اسی لئے انہیں پہچاننے میں ذرا سی دقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

''جی میں اسد صدیقی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر اپنا تعارف پیش کیا تھا۔

''ماشاء اللہ تم تو بہت بڑے ہو گئے ہو۔'' انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''ممی ہینڈسم بھی تو کہیں۔'' آئمہ بھی اٹھ کر ان کے قریب چلی آئی تھی، بیا نے انہیں مسلسل اسد کی طرف متوجہ دیکھ کر آگے بڑھنے کی نیت سے دو قدم اٹھائے تو آئمہ ایکدم اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ممی......؟'' نظر اس پر ٹکائے اس نے اپنی ماں کو پکارا تھا، جنہوں نے اس کی پکار پر اس کی طرف نظر کی تھی۔

''اوہ، یہ یقیناً رابعہ ہے۔'' بالآخر انہوں نے اپنی توجہ سے اسے نواز ہی دیا تھا، وہ جواب میں کچھ بولی نہیں صرف مسکرا دی۔

''ماشاء اللہ دونوں بچوں نے خوب قد کاٹھ نکالا ہے۔'' انہیں ساتھ لئے وہ واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھی۔

''ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو بچے قد کاٹھ نکال لیا کرتے ہیں عارفہ۔'' تائی اماں نے ہنس کر ان کی بات کا جواب دیا تھا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابھی آپ، بچوں کی جوانی ماں باپ کو بوڑھا کر دیتی ہے، مگر بیٹیوں کی جوانی تو بڑھاپے کے ساتھ ساتھ راتوں کی نیندیں بھی اڑا دیتی ہیں۔'' انہوں نے ایک نظر آئمہ پر ڈال کر قدرے فکرمند لہجے میں جواب دیا تھا، انہوں نے جو ٹاپک چھیڑا تھا اس پر بحث جانے کہاں تک چلنے والی تھی، بیا نے گھڑی میں ٹائم دیکھا تو ایکدم اٹھ کھڑی ہوئی، بیک وقت سب کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔

''میں چینج کر لوں، پھر افطاری کی تیاری بھی کرنی ہے۔'' اس نے ان کی نظروں میں اٹھے سوال کا جواب دیا اور چپ کر کے وہاں سے نکل گئی۔

چینج کر کے جب وہ کچن میں آئی تو گڑیا ماسی کے ساتھ کھڑی افطاری کی تیاریوں میں مصروف تھی، اسے آتے دیکھ کر وہ فوراً اس کی طرف بڑھی تھی۔

''شکر بیا آپی آپ آ گئیں ورنہ مجھے تو لگتا تھا آج سارا کام مجھے اکیلے کرنا پڑے گا۔'' خوشی اس کے چہرے پر چمک رہی تھی۔

''سوری چندہ، وہ بس اندر باتوں میں احساس ہی نہ رہا کہ تم اکیلی لگی ہو گی، خیر تم بتاؤ کیسی لگیں عارفہ پھپھو اور ان کی بیٹی آئمہ؟''

''عارفہ پھپھو تو ٹھیک لگیں، مگر ان کی بیٹی کافی نک چڑھی لگی مجھے۔'' گڑیا نے بنا جھجکے تبصرہ دیا تھا، بیا ایکدم ہنس دی۔

''ایسے نہیں کہتے پاگل۔''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں آپی، جتنی دیر میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھی رہی مجال ہے جو اس نے مجھ سے بات کی ہو، اکڑی ہوئی سی اپنی ممی کے ساتھ جڑی بیٹھی رہی محترمہ۔'' گڑیا کا انداز خاصا دل جلا تھا بیا اپنی بے ساختہ امڈتی ہنسی کو بمشکل روک سکی تھی۔

''تو کیا بات کرتی وہ تم سے، ابھی وہ ہم لوگوں میں نئی ہے نہ ہم اسے جانتے ہیں نہ وہ ہمیں، ایسے میں وہ کیا ہم بھی اس سے ٹھیک طرح بات نہیں کر سکیں گے۔''

''آپ جو بھی کہہ لیں، بس مجھے وہ اچھی نہیں لگی تو بس نہیں لگی۔''

''اچھا بس، ہزار بار سمجھایا ہے کسی کے متعلق اتنی جلدی رائے قائم مت کر لیا کرو، خیر چھوڑو اس بحث کو، چلو افطار کے لئے پکوڑے بناتے ہیں۔'' بیا نے اس کی توجہ بٹانی چاہی تھی، مگر اس کی سوئی ابھی بھی وہی پر اٹکی تھی۔

''بہن ایسی ہے تو جانے بھائی کیسے ہوں گے۔''

''مطلب؟'' بیا دوبارہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''آئمہ کے بھائیوں کی بات کر رہی ہوں۔'' بیا ابھی بھی اس کی بات کے مفہوم کو نہیں سمجھی تھی اسی لئے ہنوز انہی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی، جنہیں سمجھ کر گڑیا نے قدرے تفصیل سے اسے بتایا۔

''عارفہ پھپھو کے بیٹے ضروری کام کی وجہ سے ان کے ساتھ نہیں آ سکیں ہیں چند دن تک وہ بھی تشریف لیں آئیں گے انہی کے متعلق کہہ رہی ہوں جب بہن محترمہ ایسی ہیں تو جانے بھائی لوگ کیسی فطرت کے مالک ہونگے۔'' بیا اس بار کھل کر ہنسی تھی۔

''تم بھی ناں گڑیا، ابھی وہ بیچارے آئے بھی نہیں اور تم نے ان سے بیر باندھ لیا جب وہ آئیں گے تب انہیں دیکھ لیں گے تم کیوں ابھی سے خود کو ہلکان کر رہی ہو۔''

''بیا آپی! آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔'' وہ اس سے بھی خفا ہونے کو تھی۔

''ہرگز بھی نہیں، میں ایسی جرأت کر سکتی ہوں بھلا، تم تو میری پیاری سی بہنا ہو۔'' وہ پیار بھرے انداز میں اسے بہلا رہی تھی اور وہ بہل بھی گئی تھی۔

''آپ بہت اچھی ہیں بیا آپی۔'' وہ پیار سے اس سے لپٹی تھی۔

''تم بھی اچھی ہو اور اب بس سیریس ہو کر کام کی طرف دھیان دے لو، افطار میں سب ہماری باتوں سے پیٹ ہرگز بھرنے والے نہیں ہیں۔'' اس نے شرارت سے اس کا کان کھینچا تو وہ بھی ہنستی ہوئی اس سے الگ ہوتی کام میں اس کی مدد کروانے لگی۔

☆☆☆

گڑیا نے ٹھیک کہا تھا آئمہ واقعی اکھڑ مزاج کی لڑکی ثابت ہوئی تھی اس کا موڈ ہوتا تو ان کے پاس آتی ان سے بات کرتی ورنہ وہ سارا ٹائم اپنے کمرے میں گزار دیتی اور جب وہ ان کے پاس آتی تو بھی اپنی ہی بات کئے جاتی انہیں بولنے کا موقع ہی نہ دیتی، گڑیا تو شروع دن کی طرح اس سے ناک چڑھائے ہوئے رہتی جبکہ بیا چپ کر کے اسے برداشت کر لیا کرتی تھی، ان کی آمد سے چند دن بعد عارفہ پھپھو کے ایک اور بیٹے کی آمد ہوئی تھی دوسرا بیٹا ایک بار پھر کسی کام میں اٹک کر آنے سے رہ گیا تھا، مکرم آئمہ سے بالکل الگ فطرت کا مالک تھا، وہ سب کے ساتھ اچھے سے پیش آتا اور اپنا زیادہ وقت سے انہی لوگوں کے ساتھ سپینڈ کرتا، جب سے مکرم کی آمد ہوئی تھی آئمہ اکثر کمرے سے باہر دیکھائی دینے لگی تھی، مگر حیرت کی بات تو یہ تھی وہ اپنا زیادہ ٹائم اسد کے ساتھ گزار رہی تھی اور خود اسد بھی اس کے ساتھ خوش دیکھائی دینے لگا تھا، بیا ایک بار اس سے خفا ہونے کو تیار تھی مگر اس سے پہلے بالکل اچانک اور بن بتلائے اس کی تینوں سہیلیوں نے

آکر اسے چونکا دیا۔

’’تم لوگ، کم از کم آنے سے پہلے مجھے بتا تو دیتی؟‘‘

’’بتا دیتے تو پھر سرپرائز کیسے دیتے؟‘‘

’’مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے تم لوگوں کو دیکھ کر۔‘‘ خوشی کا اظہار برملا کیا گیا تھا۔

’’اور ہمیں خوشی ہو رہی ہے تم سے مل کر۔‘‘ جواب دوبدو ملا تھا چاروں نے ایک دوسرے کی نظروں میں دیکھا کچھ سمجھا اور کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

اسی پل اسد اس کے کمرے میں داخل ہوا، مگر ان لوگوں کو وہاں دیکھ کر فوراً ہی باہر نکل گیا۔

’’اوئے یہ کون تھا؟‘‘ فوراً ہی سوال اٹھا تھا۔

جانے اسے کیا کام تھا جو اس کے کمرے تک آیا تھا بیا فوراً اس کے پیچھے لپکی تھی مگر جب تک وہ باہر آئی وہ جا چکا تھا، وہ واپس اندر آئی تو نعیمہ نے ایک بار پھر اپنا سوال دوہرایا تھا۔

’’یہ کون تھا؟‘‘

’’اسد!‘‘

’’کون اسد؟‘‘

’’میرا کزن۔‘‘

’’تم نے کبھی بتایا ہی نہیں؟‘‘ سوال بڑھنے لگے تھے۔

’’کیا بتاتی؟‘‘ وہ بات سمیٹنے کے چکر میں تھی۔

’’یہی کہ تم ایک عدد ہیرو جیسے کزن بھی رکھتی ہو۔‘‘ عاصمہ کے لفظوں میں ہلکا سا شکوہ تھا، جسے محسوس کر کے وہ ایکدم زور کا ہنسی تھی مگر ان تینوں کے بگڑتے منہ کو دیکھ کر اس نے فوراً اپنی ہنسی کو کنٹرول میں کیا تھا۔

’’تم لوگ بھی ناں جو دل میں آتا ہے کہتی چلی جاتی ہو۔‘‘

’’ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہا ہم نے۔‘‘ انداز ابھی بھی دل جلا تھا۔

’’اچھا بس چھوڑو، یہ بتاؤ کیا کھانا پسند کرو گی میں افطار میں وہی کچھ تیار کروا دوں۔‘‘

’’نہیں آج تو ہم بس تم سے ملنے آئے ہیں پھر کبھی آئیں گے تو کھانا بھی کھائیں گے ابھی بس تم ہمارے پاس بیٹھو ہم سے بات کرو۔‘‘ ماریہ نے کھینچ کر اسے اپنے برابر میں بیٹھا لیا۔

’’مگر مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا اگر تم لوگ بنا کچھ کھائے چلی جاؤ گی تو۔‘‘

’’تو پھر روزہ توڑ دیں تمہارے لئے۔‘‘ عاصمہ نے ایک بار پھر تیور بدلے تھے۔

’’ہمیشہ منہ پھاڑ کر بولتی ہو، باز آ جاؤ اپنی اس عادت سے۔‘‘ بیا نے اسے ڈپٹا تھا۔

’’ہاں تم میری ساس ہو ناں جو تمہاری بات مان لو......‘‘ اس نے منہ بنایا تو وہ سب ایک بار پھر اس کے انداز پر ہنس پڑی تھیں۔

’’اچھا اب لڑائی مت شروع کر دینا۔‘‘ عاصمہ کو پھر سے کچھ بولنے سے پہلے ہی ماریہ نے ٹوک دیا تو کچھ بولنے کو کھلتا اس کا منہ دوبارہ بند ہو گیا۔

’’بیا! تم نے پوچھا ہی نہیں کہ ہم تینوں ایک ساتھ کیسے تم سے ملنے چلے آئے؟‘‘

’’تم لوگوں نے پوچھنے کی نوبت ہی کب آنے دی، آتے ہی تو چونچیں لڑانا شروع کر دی تھی۔‘‘ اسے جواب دے کر وہ مزید بولی۔

’’اب بتاؤ ایک ساتھ آمد کی وجہ؟‘‘

’’یہ اپنی عاصمہ پیا دیس سدھارنے والی ہے عید کے بعد، اسی کی شاپنگ کے لئے ہم تینوں ایک ساتھ نکلے تھے پھر سوچا لگے ہاتھوں تم سے ملاقات کر کے تمہیں بھی دعوت نامہ دیتے جائیں۔‘‘ ماریہ نے وجہ بیان کی تھی۔

’’بہت مبارک ہو عاصمہ، اللہ تمہارا نصیب بلند کرے، آمین۔‘‘ اس نے دل سے اسے دعا سے نوازا تھا۔

’’ہمارے لئے بھی دعا کر دو باباجی۔‘‘ ماریہ نے اسے چھیڑا تھا، وہ برا منائے بنا مسکرا دی، پھر بولی۔

’’پھر مجھے دعا کون دے گا؟‘‘

’’اسد کے ہوتے تمہیں کسی دعا کی کیا ضرورت ہے؟‘‘ ماریہ کے سوال پر ان تینوں نے بیک وقت سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا اس کے سوال پر ایک پل کے لئے اس نے ان کی طرف دیکھا دوسرے ہی پل سر جھکا گئی۔

’’لازمی تو نہیں ہے جو تم لوگ سوچ رہی ہو ویسا ہی ہو۔‘‘ نا چاہنے کے باوجود بھی ہلکی سی اداسی اس کے لفظوں کے ساتھ اس کے چہرے پر جھلکی تھی۔

’’کیوں کیا وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے؟‘‘ فوراً ہی سوال اٹھا تھا۔

’’مجھے نہیں معلوم۔‘‘ لاعلمی کا اظہار ہوا تھا۔

’’پھر کیا مسئلہ ہے؟‘‘ ایک اور سوال ہوا تھا، چند پل کی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

’’جیسی لڑکیاں اسے پسند ہیں میں ویسی نہیں ہوں۔‘‘ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

’’تو تم خود کو اس کی پسند کے سانچے میں ڈھال لو۔‘‘

’’ایسا ناممکن ہے۔‘‘ پوری طرح مایوسی اس کے چہرے پر آن بجی تھی۔

’’کیوں کیا مشکل ہے؟ آخر کس ٹائپ کی لڑکیاں پسند ہے محترم کو۔‘‘ ان لوگوں کی دلچسپی ہنوز برقرار تھی۔

’’انتہائی ماڈرن۔‘‘ مایوسی مزید بڑھنے لگی تھی۔

’’اوہ!‘‘

’’بہت محبت کرتی ہو اس سے؟‘‘ ماریہ نے بڑے دھیمے سے استفسار کیا تھا۔

’’ہاں۔‘‘ جھکے سر کے ساتھ اس نے وہ اعتراف کیا تھا جو آج تک وہ خود سے بھی چھپاتی رہی تھی۔

’’یہ بھی تو ہو سکتا ہے جیسا تم نے فیل کیا ہو ایسا کچھ نہ ہو، اسد کو ایسی لڑکیاں پسند نہ ہو؟‘‘ کب سے چپ بیٹھی نعیمہ نے بڑے پتے کی بات کی تھی، جس پر وہ فوراً سر اٹھا کر بولی تھی۔

’’میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یار اور اس وقت ایک چلتا پھرتا ثبوت آئمہ کی شکل میں میرے گھر میں موجود ہے، محترم اسد صاحب نے کبھی میرے ساتھ بیٹھ کر یوں خوش گپیاں نہیں لگائی جس طرح اس کے ساتھ لگاتے دکھائی دیتے ہیں۔‘‘ اس کے لفظ لفظ میں شکوہ تھا، اس کی نظر سے بچتے ہوئے انہوں نے بڑی مشکل سے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو ہضم کیا تھا۔

’’آئمہ کی بات مت کرو تم، اسے ایک سو ایک طریقے آتے ہونگے دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے اور تم ٹھہری نکمی ترین۔‘‘ عاصمہ نے اسے غیرت دلانا چاہی تھی۔

’’تو پھر کیا کروں خود کو جان بوجھ کر پیش کروں۔‘‘ وہ جی بھر کے جلی تھی۔

’’میرے دماغ میں بڑا اچھا آئیڈیا آیا ہے۔‘‘ ماریہ ایکدم کافی پرجوش دکھائی دینے لگی تھی۔

’’کیا؟‘‘ وہ تینوں بیک وقت اس کی طرف متوجہ ہوئیں تھیں، ماریہ نے ان کے قریب کھسک کر اپنا آئیڈیا ان کے گوش گزار کیا تو سب سے پہلے بیا اعتراض کرتی دور ہٹی تھی۔

''میں ہرگز بھی ایسا کچھ نہیں کروں گی۔''
اس کی طرف قطعی انکار ہوا تھا۔

''نہیں کرو گی تو اپنے اسد سے بھی ہاتھ دھو لو گی۔'' اس نے اسے ڈرانا چاہا، بیا نے ہچکچائی نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''محبت میں سب جائز ہے یار۔'' وہ اسے دلاسہ دیتی مزید بولی تھی۔

''اپنی انا کو عزیز رکھو گی تو محبت کو ہار دو گی۔'' اس نے چند پل کے لئے کچھ سوچا، پھر نیم رضامند لہجے میں پوچھا۔

''بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''یہ ہوئی ناں بات؟'' اس کی بار اس کا حوصلہ بڑھاتی وہ اس کی طرف جھکی اسے سمجھانے لگی تھی۔

☆☆☆

ہینڈ فری کانوں میں سیٹ کیے سیل فون دوپٹے میں چھپائے وہ اسد کے کمرے میں داخل ہوئی تھی، جہاں وہ لیپ ٹاپ پر جھکا اپنے کسی کام میں مصروف تھا، آہٹ کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، تو وہ فوراً بولی۔

''تائی اماں، پوچھ رہی ہیں آج آپ افطار گھر پر کریں گے؟''

''ابھی میں کچھ کنفرم نہیں کہہ سکتا۔'' اسے جواب دے کر سر دوبارہ جھکا لیا گیا تھا۔

''اچھا۔'' وہ واپس کے لئے پلٹی تھی، جب اچانک کمرے کی اطراف میں نظر دوڑاتی وہ ہلکے سے بڑبڑائی۔

''سٹڈی ٹیبل بکھری پڑی ہے۔''

''کچھ کہا تم نے؟'' اسد فوراً ہی اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''نہ...... نہیں تو۔'' وہ ایکدم بوکھلا سی گئی تھی۔

اس سے پہلے کی کمرے سے نکلتی ہنڈ فری کے ذریعے کانوں میں پڑتی ماریہ کی آواز نے اس کے بڑھتے قدموں کو روک دیا۔

''آگے بڑھ کر تم سب کتابوں کی ترتیب دے دو۔'' حکم کی تکمیل کرتی وہ آگے بڑھی اور ٹیبل پر بکھری کتابوں کو سمیٹنے لگی۔

''رہنے دو بیا، میں خود سیٹ کرلوں گا۔''

''اٹس اوکے، میں کر دیتی ہوں۔'' اس کے ہاتھ تیزی سے کتابوں کو سمیٹنے لگے تھے جب اسد کی آواز دوبارہ اس کے کانوں میں پڑی۔

''یہ سب آئمہ میڈم کے کارنامے ہیں، جانے کس بک کی تلاش میں میری ساری کتابوں کو ادھیڑ کر رکھ دیا۔'' حرکت کرتے اس کے ہاتھ اپنی جگہ ساکن ہوئے تھے، جلن کی ہلکی سی لہر دماغ سے دل تک گئی تھی۔

''ہمیں کبھی پسند آئی کتاب کو چھونے تک نہیں دیا اور اس کے کتابوں کو بکھیر دینے تک کی اجازت مل گئی۔''

ایک پل کے لئے اس کا دل چاہا کہ ہاتھ مار کر دوبارہ سے ساری سمیٹی کتابوں کو بکھیر دے، مگر ضبط کرتی کتابوں کو ان کی جگہ پر رکھ کر وہ کمرے سے باہر آ گئی۔

☆☆☆

اگلے پلان کے تحت نماز تراویح کی ادائیگی کے بعد اسد کی واپسی پر وہ اس کے فیورٹ کلر کا ڈریس زیب تن کیے ہلکے سے سنگار کے ساتھ اپنے اور اس کے لئے چائے کے کپ ٹرے میں سجائے لاؤنج میں داخل ہوئی تھی، جہاں وہ آئمہ کے ساتھ بیٹھا بڑے خوشگوار موڈ میں باتوں میں مصروف تھا، اس کا دل جل جل کر خاک ہونے کو تھا جب مکرم نے پکار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''رابعہ! آپ وہاں رک کیوں گئی ہیں اندر آ جائیں۔'' وہ اسے اندر آنے کی دعوت ایسے دے رہا تھا کہ رابعہ کے بجائے وہ اس گھر کا مکین ہے جو مہمان کے ساتھ میزبانی نبھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اب یہ تو طے تھا وہ چائے لے کر اسد کی طرف بڑھنے والی نہیں تھی۔'' اس لئے بڑی سہولت سے بہانہ بناتی وہی رکی رہی تھی۔

''میں گڑیا کی تلاش میں یہاں آئی تھی۔''

''مگر وہ تو اس وقت سو جاتی ہے بیا؟''
اسد بھی اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، وہ دانت پیس کر رہ گئی۔

''مجھے پتا ہے، مگر آج اس کے سر میں درد تھا اس نے خود مجھے چائے بنانے کو کہا تھا۔'' جواب دے کر وہ پلٹنے کو تھی جب آئمہ نے اسے پکار کر کہا۔

''گڑیا تو اب سوگئی ہے، رابعہ آپ یہ چائے ہمیں پلا دیں۔'' اس کی فرمائش نے تو گویا ساری حد ہی ختم کر دی، اس کا دل بڑی شدت سے چاہا تھا کہ آگے بڑھے اور چائے کے دونوں کپ آئمہ کے اوپر الٹ دے، مگر وہ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتی تھی اس لئے ایک بار پھر ضبط کرتی آگے بڑھی اور ان کے قریب آ کر ٹرے سائیڈ ٹیبل پر جیسے پٹخ سی دی۔

وہ جلد از جلد ان کے سامنے سے ہٹ جانا چاہتی تھی مگر اسد کی پکار نے ایک بار پھر اس کے بڑھتے قدموں کو روک لیا تھا۔

''کیا تم کہیں جا رہی ہو بیا؟'' اس نے ذرا سا گردن کو خم دے کر انتہائی بے بسی سے اس شخص کی طرف دیکھا تھا جس کے لئے اس نے یہ سارا اہتمام کیا تھا، مگر وہ بالکل انجان تھا، اس کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اسے کتنے جتن کرنے پڑ رہے تھے اور جب اس نے اسے توجہ سے نوازا بھی تو کس طرح، اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی اترنے لگی تھی، ضبط کی جانے کون سی منزل پر پہنچ کر اس نے بڑی ہلکی سی آواز میں جواب دیا تھا۔

''نہیں۔'' اسے جواب دے کر وہ بڑی تیزی سے واپسی کے لئے پلٹتی باہر نکلنے کو تھی جب مکرم نے کہا تھا۔

''رابعہ! آپ پر بلیک کلر بہت سوٹ کر رہا ہے۔'' ایک پل کے لئے دنیا جیسے تھم سی گئی تھی، وہ بات جو وہ اسد کے منہ سے سننے کی خواہاں تھی وہ کوئی دوسرا بڑے آرام سے کہہ گیا تھا، اسے اپنا دل بے جاں سا محسوس ہوا، مگر وہ رکی نہیں تھی اسی تیز رفتاری سے چلتی وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی اور دروازہ بند کر کے بیڈ پر گر سی گئی، ضبط کی ساری حدیں ٹوٹی اور آنسوؤں کا سیلاب اس کی آنکھوں سے رواں ہو گیا۔

''محبت روح کو ایسے بھکاری بنا دیتی ہے کہ وہ اپنا خالی کشکول لئے محبوب کے قدموں میں خود کو رول دینے کو بیٹھ جاتی ہے اس کے بعد بھی خالی کشکول اس کا مقدر بنے تو وہ چیختی بے مول ہو کر رہ جاتی ہے۔'' اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہو رہا تھا، وہ جتنا محبت کی راہ پہ چلنے کی کوشش کر رہی تھی اتنے ہی اسے سب راستے بند مل رہے تھے، اس بنا منزل کے سفر نے اسے بری طرح تھکا ڈالا تھا یہی وجہ تھی اس بے منزل کی طرف سر پٹ دوڑتے اپنے دل کو اس نے ضبط کی لگام لگا کر روک دینے کی کوشش کی تھی، اپنی اس کوشش کے بعد اس نے ماریہ، نعیمہ اور عاصمہ کی لاکھ منتوں سماجتوں کے باوجود بھی اس نے پلٹ کر اس طرف نہیں دیکھا تھا جہاں سے زخم زخم ہوتی وہ بمشکل واپس آئی تھی۔

☆☆☆

عارفہ پھپھو نے مکرم کے لئے بیا کا ہاتھ

مانگ لیا تھا، یوں تو اس رشتے میں اعتراض لائق کوئی بات نہیں تھی سوائے اس کے کہ مکرم سے شادی کے بعد بیا ان سے بہت دور چلی جائے گی، گھر کے بڑے ابھی اس رشتے کو لے کر سوچ وبچار کر رہے تھے مگر بیا کے کانوں میں اس رشتے کی خبر پڑی تو وہ چپ ہی رہی مگر جب اسے بتانے سے استفسار کیا گیا تو بنا سوچے سمجھے اس نے اس شادی کے لئے راضی مندی دے دی۔

جب محبت مقدر میں ہی نہیں تھی تو وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ مکرم تک اس کی ہاں پہنچی تو وہ اس سے بات کرنے اس کے پاس آ پہنچا۔

''ہیلو بیا۔'' وہ جو کچن سمیٹ کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی اس کی پکار پر رک گئی۔

''جی۔'' بڑے دھیمے سے انداز میں اس نے ایسے کہا جیسے اپنے روکنے کی وجہ پوچھنا چاہ رہی ہو۔

''میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے بڑے آرام سے فرمائش کر کے اسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔

''اس وقت؟ ہم صبح بھی تو بات کر سکتے ہیں؟'' اپنے اطراف میں پھیلے رات کے اندھیرے کو دیکھ کر وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہوئی تھی۔

''ابھی بات کرنے میں کیا حرج ہے؟ کوئی مسئلہ ہے یا مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟''

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہی تھی جس پر وہ فوراً بولا تھا۔

''تو پھر......؟'' چند پل اس کی سمت دیکھتے رہنے کے بعد وہ مزید بولا

''اب تو ہم بات کرنے کا پورا حق رکھتے ہیں بیا؟'' آخر میں اس کے لہجے میں اپنے رشتے کو لے کر استحقاق اتر آیا تھا، وہ کچھ بھی نہ بول سکی تھی کیونکہ سامنے کھڑے شخص سے وہ اب چاہ کر بھی فرار حاصل نہیں کر سکتی تھی اور اب فرار کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا اپنے سارے راستوں کا رخ وہ تو اس کی طرف موڑ چکی، اس کی چپ کو اس کی رضامندی سمجھ کر اسے ساتھ چلنے کا اشارہ کر کے اس نے لان کی طرف قدم بڑھا دیئے تو بنا کسی اعتراض کے اس نے بھی اس کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔

اور اب لان چیئرز پر بیٹھے وہ ایک دوسرے کے مقابل تھے، دونوں طرف خاموشی طاری تھی وہ ادھوری سی بیٹھی اس کے بولنے کی منتظر تھی، جبکہ وہ بڑی فرصت سے بیٹھا اسے سننے کی چاہ لئے ہوئے تھا، ایک دوسرے کے بولنے کے انتظار میں کتنے ہی پل یونہی خاموشی کی نذر ہوئے جا رہے تھے جب مکرم نے بات کا آغاز کر کے خاموشی کا گلا گھونٹا تھا۔

''اتنی چپ کیوں ہیں بیا، کوئی تو بات کریں۔'' اس کی فرمائش پر اس نے سر اٹھا کر ذرا دیر کو اس کی طرف دیکھا تھا، اسے اپنی ہی طرف متوجہ دیکھ کر دوبارہ سر جھکاتی آہستہ سے بولی تھی۔

''آپ نے کوئی بات کرنا تھی۔'' اس نے جیسے اسے کچھ یاد دلانا چاہا، وہ مسکرا دیا۔

''ہاں مجھے یاد ہے، بس سوچا تھوڑی مزید گفتگو کر لوں تاکہ آپ کو مجھے اور مجھے آپ کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔''

جانے کیوں وہ اسے دیکھ کر اس قدر مسکراتا کیوں تھا وہ مزید سر جھکا گئی۔

''کسی کو اپنا آپ سمجھانا یا کسی کو سمجھ لینا اتنا آسان نہیں ہوتا مکرم جی۔'' وہ ایکدم سیدھی ہو

بیٹھی تھی۔

''دوسروں لفظوں میں آپ اسے مشکل کہہ رہی ہیں؟'' اس نے سوال کیا تھا، وہ اقرار میں سر ہلا گئی تو وہ اس کی طرف جھکتا متبسم لہجے میں بولا۔

''مشکل ہے مگر ناممکن تو نہیں۔'' گویا لاجواب کیا گیا تھا، وہ کچھ نہ بولی۔

''آپ کو پتا ہے آپ بہت اچھا بولتی ہیں بیا۔'' وہ جب بھی اس سے ملتا تھا اس کی شخصیت کا ایک نیا پہلو اس کے سامنے لاتا تھا، اس کو جواب دینے کو اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔

''میں نے کبھی لڑکیوں میں دلچسپی محسوس نہیں کی، یا شاید اس سب کے لئے کبھی فرصت ہی نہیں ملی، مگر جانے آپ کی شخصیت میں ایسا کون سا سحر ہے جس نے خود بخود میری توجہ آپ کی طرف مبذول کر دی، آپ بہت اچھی ہیں بیا، اتنی اچھی کہ میرا دل نے آپ کے ساتھ کی تمنا کر دی۔'' اپنی کیفیت اس پر آشکار کرتا وہ چند منٹ کے لئے چپ ہوا پھر ذرا توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے، میں ابھی اپنے دل میں آپ کے لئے محبت محسوس نہیں کرتا ہوں مگر ممکن ہے کہ میں آپ سے شدید محبت محسوس کرنے لگوں۔''

عجیب تھا وہ شخص اور اس سے بڑھ کر اس کا دل عجیب تھا جو اپنی کیفیت کو خود سمجھ نہیں پا رہا تھا، ایک طرف اس کے ساتھ کی تمنا کر رہا تھا تو دوسری طرف اس سے محبت سے انکاری ہو رہا تھا، محبت کی اس عجیب سی عنایت پر وہ دم سادھے بیٹھی تھی کہ جب اس نے محبت کے پیچھے بھاگنے کی کوشش کی تھی تو وہ اس سے میلوں فاصلے پر جا کھڑی ہوئی تھی اور جب خود اس نے اپنا راستہ بدل لیا تھا تو محبت اس کے قریب کھڑی اس کے دل میں اترنا چاہ رہی تھی۔

اس نے سر جھٹک دیا، محبت کی اس عنایت کی اسے قطعی ضرورت نہیں تھی، مکرم پوچھ رہا تھا۔

''آپ اس رشتے سے خوش تو ہیں ناں؟'' زبان تک آتے ناں کو دانتوں تلے دبائے اس نے بدوقت مسکراتے ہوئے اقرار میں سر ہلایا تھا، مکرم خوش ہو گیا، اس سے ان دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ سجی تھی، فرق صرف یہ تھا کہ ایک کے چہرے پر فخر بھری مسکراہٹ تھی تو دوسرے کے چہرے پر دلی خوشی چمک رہی تھی۔

اپنے کمرے کی کھڑکی سے انہیں دیکھتا اسد بڑی خاموشی سے انہیں خوش ہوتا دیکھ کر پیچھے پلٹ گیا تھا۔

☆☆☆

رابعہ اور مکرم کی منگنی کی رسم کے لئے جمعۃ الوداع کا دن مقرر کیا گیا تھا، جبکہ ان کے نکاح کے لئے عید کے بعد کا ارادہ کیا جا رہا تھا، اسی وجہ سے ان کی مصروفیت میں ایکدم اضافہ ہوا تھا، بیا اس سب گہما گہمی سے انجان بنی زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزارنے لگی تھی، بیا کے لئے منگنی کا جوڑا مکرم خود اپنی پسند کا لے کر آیا تھا، جسے اس وقت وہ اپنے سامنے رکھے گم صم سی بیٹھی تھی۔

وہ اس جوڑے کو پہننا نہیں چاہتی تھی اسے سرخ رنگ بھی پسند نہیں تھا ناپسندیدگی کے باوجود وہ اسے سامنے رکھے خود کو آنے والے وقت کے لئے تیار کر رہی تھی۔

''کاش اسد یہ سب نہ کرتا، یا اس کی پسند ہی اتنی الگ نہ ہوتی، تو وہ اس سے ذرا سی امید باندھ لیتی۔'' اس سے کتنی ہی حسرتیں تھیں تو اس کے سامنے سر اٹھا رہی تھیں، جن پر وہ غور کرنا نہیں چاہتی تھی مگر پھر بھی ذہنی طور سے ان سب کی طرف دھکیلنے میں ذرا ذرا کامیاب ہو رہی تھی، اس

سے پہلے وہ پوری طرح حسرتوں میں ڈوب جاتی، خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے اسے سر جھٹکا جیسے تمام خواہشوں خیالوں کو خود کو دور جھٹک دینا چاہتی ہوں، نظر اٹھا کر اس نے گھڑی کی طرف دیکھا روزہ کھلنے میں تھوڑا ہی وقت باقی تھا، افطار سے پہلے اسے تیاری شروع کر دینا چاہیے تھی کیونکہ افطار کے فوراً بعد منگنی کی رسم شروع ہو جانا تھی، منگنی کی اس تقریب میں خاندان کے چند اور لوگوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا یہی وجہ تھی باہر ایک الگ رونق لگی ہوئی تھی، اس نے اس منگنی کی سرسری سی خبر اپنی دوستوں کو بھی دی تھی جس پر ان کی زبردست ناراضگی کے بعد ان کے آنے کی اسے قطعی کوئی امید نہیں تھی۔

خود کو تھکا دینے والی سوچوں سے باہر نکال کر اس نے گہری سانس بھر کر خود کو آنے والے وقت کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔

☆☆☆

خلاف توقع ماریہ اس تقریب میں شرکت کرنے چلی آئی تھی، اسے سامنے دیکھ کر وہ از حد حیران ہوئی تھی جس پر اس نے کہا تھا۔

"تمہارے اتنے اہم ایونٹ کو مس کر دیتی؟" ممنون ہوتی وہ سر جھکا گئی تھی۔

افطار کے بعد ماریہ اور گڑیا اسے ہال میں لے آئی جہاں تقریب کا انتظام کیا گیا تھا، اس نے جھکے سر کے ساتھ ذرا سی نظر اٹھا کر اپنے اطراف میں دیکھنے کی کوشش کی تھی، ہر کوئی خوش دکھائی دے رہا تھا، مگر ان سب میں اسد کہیں نہیں تھا اسے ذرا سی حیرت ہوئی تھی، اسی پل چچی جان نے گڑیا کو پکار کر کہا۔

"گڑیا جاؤ ذرا اسد کو بولو ابھی تک مٹھائی نہیں آئی ہے۔"

"بھیا مٹھائی لینے ہی گئے ہوئے ہیں۔"

گڑیا کے جواب پر چچی دوبارہ باہر چلی گئی تھیں، جبکہ وہ بڑی زخمی سی ہنسی ہنس دی تھی۔

اسد کی اس غیر حاضری سے دل خوامخواہ ہی خوش فہم ہونے لگا تھا کہ کہیں اسد کے دل میں اس کے لئے جگہ تو نہیں بن گئی، فلموں اور کہانیوں کی طرح عین وقت پر اس کے دل میں اس کے لئے محبت تو نہیں جاگ اٹھی۔

مگر ایسا کچھ بھی نہیں تھا، نہ تو محبت نے انگڑائی لی تھی نہ جگہ کی گنجائش اٹھی تھی وہ تو خود اسی تقریب کی ادائیگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا۔

خود پر ہنستے اس سے اگر خود اسد اسے دیکھ لیتا تو شاید اس کے لئے سوچنے پر مجبور ہو جاتا۔

نک سک سے تیار مکرم اس کے برابر میں آ کر بیٹھا تو جکڑ دینے والی ان سوچوں سے اس نے خود کو نکال کر خود کو سیدھا کیا، مکرم اس کی طرف جھکا سرگوشی کر رہا تھا۔

"اس سے میرا بڑا دل چاہ رہا ہے کہ میں آپ کو اپنے پسندیدہ رنگ میں تیار ہوئے دیکھوں۔" لوگوں کی موجودگی نے شاید اس کی خواہش کو حسرت میں بدل دیا تھا، وہ کچھ بھی نہ بول سکی اسے کیا بتاتی کہ اسے اس سرخ رنگ سے اس ماحول سے اور خود اپنے آپ سے شدید وحشت ہو رہی ہے، جو فیصلہ اس نے کیا تھا وہ خود کو اس پر قائم رہنے کی دعا کر رہی تھی، ماریہ نجانے کہاں تھی اس نے سر اٹھا کر اسے ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اب اس میں ماریہ کی لعن طعن سننے کی ہمت نہیں بچی تھی۔

تقریب کا آغاز ہو چکا تھا عارفہ پھپھو نے ڈائمنڈ کی نازک سی رنگ مکرم کے ہاتھ میں پکڑائی تھی، جسے دیکھ کر اس نے بڑے نامحسوس انداز میں اپنے کھلے ہاتھ کو مٹھی بنائے اپنی گود میں گرا لیا

تھا، جسے مکرم نے اسی پل بڑی بے تکلفی سے اپنے ہاتھ میں لے کر تھام لیا تھا، اس کے لمس سے ہلکا سا کرنٹ اس کے پورے وجود میں دوڑا تھا اس نے تیزی سے سر اٹھایا تو نظر جا کر سیدھی اس ستم گر سے جا ملی جو ایک طرف کو کھڑا اسی پر نظر لگائے ہوئے تھا، نجانے اسے کیا ہوا مکرم کے ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو اس نے سیدھا کیا تو مکرم نے فوراً منگنی کی رنگ اس کی انگلی میں ڈال دی۔

نہ تو وقت تھما تھا نہ اس کا دل بند ہوا تھا بڑا اچانک ہی آسانی کے ساتھ وہ لمحہ گزر گیا تھا جس کو سوچ سوچ کر وہ تب سے خود کو ہلکان کیے جا رہی تھی، اب وہ مکرم کی امانت تھی، اب اسے اپنی سوچوں میں بھی مکرم کو ہی سوچنا تھا، اپنی طرف سے اس نے اسد صدیقی کا باب بند کر دیا تھا۔

منگنی کی رسم ادا ہو چکی تھی، اس لئے ہر طرف مبارک سلامت کا شور بلند ہو رہا تھا، کچھ دیر چپ کر کے بیٹھے ہوئے اس نے اس ماحول کا حصہ بننے کی کوشش کی تھی مگر اپنی بڑھتی ہوئی گھبراہٹ سے تنگ آ کر اس نے تھوڑا فاصلے پر کھڑی ماریہ کو اشارے سے اپنے پاس بلا کر کمرے میں لے جانے کی درخواست کی تھی جس پر اس نے بلا چوں چرا عمل کرتے ہوئے اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا تھا، اسے چھوڑ کر وہ پلٹنے کو تھی جب اس نے کہا۔

"مبارک باد نہیں دو گی۔" وہ پلٹی نہیں تھی بس گردن موڑ کر ذرا دیر کو اس کی طرف دیکھ کر بنا کسی تاثر کے اسے مبارک باد دے دی۔

"تمہیں مبارک ہو۔" اس کے رویے سے اس کے دل پر گھونسا سا پڑا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا تم لوگ مجھ سے اتنا ناراض کیوں ہو؟" ماریہ چپ سی وہیں رکی رہی تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی۔

"جو کچھ بھی ہوا، اس میں میرا قصور مجھے بتاؤ تاکہ مجھے اس شدید ناراضگی کی وجہ معلوم ہو سکے؟ جو بھی ہوا مجھے نہیں لگتا اس میں میرا کوئی قصور ہے، تم لوگوں کے کہنے پر وہ کچھ بھی کیا جو میں خود کبھی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی، اب خود اسد کچھ اور چاہتا ہے تو میں کیا کرتی۔" ایک تو محبت میں ناکامی اوپر سے دوستی کی ناراضگی، وہ ایک دم کافی نڈھال دکھائی دینے لگی تھی، ماریہ کو اس سے وہ قابل ترس لگی تھی جبھی قدموں کو موڑتی اس کی طرف پلٹی تھی۔

"تمہارا قصور یہ ہے کہ تم نے خود ناکامی اپنے مقدر میں رقم کر دی تھی جان بوجھ کر تم نے اپنی محبت کو دوسروں کی جھولی میں ڈال دینے کو چھوڑ دیا ہے اور سب سے بڑا قصور تو تمہارا یہ ہے کہ تم نے اس شخص کو اپنے ساتھ جوڑ لیا ہے جسے تم ناپسند کرتی ہو ایسے میں نہ تم اسے کوئی خوشی دے سکو گی اور نہ اس سے مل کر خوشی کو محسوس کر سکو گی، خود پر تو ظلم کیا اس بیچارے کو بھی اس ظلم کا نشانہ بنا لیا۔" ماریہ کب سے بھری بیٹھی تھی اب موقع ملتے ہی اس نے اپنی ساری بھڑاس اس پر نکال دی، جس پر بیا نے بھری آنکھوں کے ساتھ بس اتنا کہا تھا۔

"مکرم مجھے پسند کرتا ہے۔"

"مگر تم اسے پسند نہیں کرتی ہو۔"

"میں کوشش کر کے اسے پسند کرنے لگ جاؤں گی۔" بڑا بچگانہ سا انداز تھا اس کا، ماریہ ایکدم طنزیہ ہنسی تھی۔

"اگر یہ کوشش اسد کے لئے کرتی تو آج کھڑی رو نہ رہی ہوتی۔" اس کے طنز پر بیا نے ایکدم ہاتھ اٹھا کر اپنے گال پر بہتے آنسوؤں کو محسوس کرنے کی کوشش کی تھی۔

وہ واقعی رو رہی تھی، وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر آنسو اس کی آنکھوں سے مسلسل بہے جا رہے تھے، اس نے انہیں بہنے دیا تھا۔

"میں خود کو ویسا نہیں بنا سکتی تھی جیسا اسد چاہتا تھا۔"

"محبت میں محبوب کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے رابعہ الٰہی، تم نے تو پہلے ہی قدم پر ہار مان لی۔" شاید ماریہ اسے جی بھر کر پچھتاوؤں کی نظر کر دینے کا تہیہ کیے ہوئے تھی۔

"میں نے اسد کی آنکھوں میں آئمہ کے لئے پسندیدگی محسوس کی ہے۔" اس نے ایک پل کو ماریہ کی طرف دیکھا پھر فوراً بولی۔

"میری محبت یکطرفہ تھی اور ایک طرفہ محبت میں وہ سب کر دینے کے بعد بھی مجھے کچھ نہ ملتا۔" اس نے جیسے بڑی پتے کی بات کی تھی مگر ماریہ نے فوراً ہی اسے ہوا میں اڑا دیا۔

"اچھا اور یہ جو تم نے مکرم سے رشتہ جوڑا ہے یہ یک طرفہ نہیں ہے تو اور کیا؟" اس نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اس رشتے میں محبت کہیں نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"پسندیدگی تو ہے؟ وہ بھی یکطرفہ......"

ماریہ دوبدو ہوئی تھی۔

بیا نے لاجواب ہو کر اس کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی پل سر جھکا گئی، ماریہ کے دل کو کچھ ہوا، وہ اس کی دشمن نہیں تھی، وہ اس کی خوشی کے لئے خود اس سے لڑ رہی تھی تاکہ زندگی بھر کا یہ سودا اس کے لئے خسارہ نہ بن جائے، مگر اب جب اس نے فیصلہ کر لیا تھا تو وہ اسے اس طرح اکیلا بھی نہیں چھوڑ سکتی تھی، اس لئے اپنی ناراضگی کو ختم کرتی اس کی سمت بڑھی اور ہاتھ بڑھا کر اسے گلے سے لگا لیا، تب بیا اس کے ساتھ لگی جی بھر کر روئی تھی ماریہ نے اسے رونے دیا تھا کہ محبت کی اس ناکامی پر ایک آخری بار رو کر وہ اپنا دل ہلکا کر لے۔

☆☆☆

دو دن سے اسد نجانے کہاں مصروف تھا کہ ٹھیک طرح گھر پر دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا، چوبیس گھنٹوں میں سحری کے وقت اس سے ملاقات ہوتی تو پھر وہ اگلے دن سحری پر ہی نظر آتا تھا، یہی وجہ تھی آج تائی اماں سحری میں ہی اس سے استفسار کرنے بیٹھ گئی تھیں۔

"اسد بیٹا کہاں اتنے مصروف رہنے لگے ہو جو گھر پر دکھائی ہی نہیں دیتے ہو؟" دہی سے بھرے چمچ کو منہ تک لے جاتا اس کا ہاتھ ذرا دیر کو اپنی جگہ رکا تھا، پھر ہاتھ بڑھا کر اس نے چمچ منہ میں رکھا اور تائی اماں کی بات کا جواب دیا۔

"امی عید کی وجہ سے آفس میں کام بڑھ جانے کی وجہ سے مصروفیت بڑھ گئی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا، مگر اپنا بھی تو خیال رکھو۔" تائی اماں کے لہجے میں ممتا کی شیرینی تھی، وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔

"مجھے تو بھیا اداس لگ رہے ہیں۔" گڑیا نے شرارت میں کہہ کر ایک بار پھر اس کی طرف سب کی توجہ مبذول کروا دی تھی۔

وہ ایک دم ہی بوکھلا گیا۔

"ایسا تو کچھ نہیں ہے گڑیا تم کچھ بھی بول دیتی ہو۔" اس کے انداز میں ہلکی سی ڈانٹ تھی گڑیا چپ کر گئی، جبکہ بیا نے کافی حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا، آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ اس نے کسی سے اس انداز میں بات کی ہو، پھر آج جانے اسے کیا ہوا تھا، اس کی نظروں کا ارتکاز تھا شاید جبھی اسد نے اس کی طرف دیکھا تھا اور اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر نظر چراتا فوراً اٹھتا ہوا بولا تھا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے تھوڑی دیر سو لیتا ہوں۔" ماں کو کہتا وہ جانے کو پلٹا تھا جب آئمہ نے پیچھے سے پکار کر کہا۔

"مجھے تم سے تھوڑا کام ہے اسد۔"

"ہم صبح میں بات کریں گے آئمہ۔" اسے جواب سے نوازا وہ رکا نہیں تھا، بیا کی الجھتی نظروں نے آخر تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

کمرے میں آ کر وہ سونے کے لئے لیٹا تھا، مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، رہ رہ کر اسے بیا کی حیران نظروں کا خیال آ رہا تھا، وہ اس کی حیرانگی کی وجہ تو جانتا تھا مگر اسے بتا نہیں سکتا تھا، اسے بتاتا تو تو آخر کیا؟

یہی کہ وہ پچھتا رہا ہے، یا یہ کہ وہ اس سے محبت کرنے لگا تھا ہے بیا نے کہا تھا کہ یہ فلم یہ ڈرامہ نہیں جس میں عین موقع پر اسد کو اس سے محبت ہو جائے گی، وہ یہ بھول گئی تھی کہ فلم اور ڈرامے بھی ہماری زندگی ہی سے تعلق رکھتے ہیں کہیں نہ کہیں سچائی کا ان سے تعلق ضرور ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح اسد کو اس سے محبت تو ہو گئی تھی مگر وہ شاید اب موقع گنوا چکا تھا۔

"وہ اب اس کی نہیں رہی تھی۔" اس احساس نے شدت پکڑی تو وہ لیٹے سے اٹھ بیٹھا تھا۔

آج سے پہلے وہ نہیں جانتا تھا محبت کیا ہے اور شاید کبھی جان بھی نہ پاتا جو اگر منگنی کی تقریب میں اس عام سے لمحے میں بیا کو دیکھتے ہوئے ایک خاص احساس اس کے دل میں پیدا نہ ہوا تھا، وہ احساس محبت کا تھا، محبت ایک واردات ہے جو دلوں پر وارد ہو کر بے بس کر دیتی ہے، اس کے دل میں پیدا ہوئے اس احساس نے اسے بھی بے بس کر دیا تھا۔

بیا اس کی کزن تھی وہ اسے اچھی تو لگتی تھی مگر اس کے لئے اس نے کبھی اپنے دل میں اس طرح کی فیلنگ محسوس نہیں کی تھی جیسی اب اسے مکرم کے ساتھ دیکھ کر وہ محسوس کرنے لگا تھا، اس رات بیا کو مکرم کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر اس نے اپنے دل کو خالی ہوتا محسوس کیا تھا، اس سے وہ اپنی کیفیت کو سمجھ نہیں سکا تھا مگر اب جب اس نے جانا تو وہ بیا کو پا نہیں سکتا تھا۔

بے چینی ہی بے چینی تھی جو بڑی تیزی سے اس کے اندر سرائیت کرتی جا رہی تھی، کل انتیسواں روزہ تھا ممکن تھا کہ کل چاند نظر آ جاتا، تو اگلے دن بیا نے ہمیشہ کے لئے مکرم کی ہو جانا تھا اور نارسائی اس کا مقدر بن جانی تھی، شدید پریشانی اور کھو دینے کے احساس تلے دب کر وہ کمرے میں چکر کاٹنے لگا، اسی پل اس کے سیل کی رنگ ٹون بجی تھی، اس نے نظر انداز کرنا چاہا مگر مسلسل بجتی رنگ ٹون سے تنگ آ کر اس سے سیل فون اٹھا لیا کال کسی انجان نمبر سے آ رہی تھی، کچھ سوچ کر اس نے کال پک کر کے سیل فون کان سے لگا لیا۔

"کیا آپ اسد صدیقی بات کر رہے ہیں؟" دوسری طرف سے سوال کیا گیا تھا۔

"جی۔" اس نے مختصراً جواب دیا تو مزید کہا گیا۔

"میں بیا کی دوست عاصمہ بات کر رہی ہوں۔"

"جی کہیں؟" اپنے نمبر پر بیا کی دوست کو سن کر اس کا حیران ہو جانا فطری تھا، جبھی اس نے حیرت سے استفسار کیا تھا۔

"جو کچھ میں آپ سے کہنے لگی ہوں وہ سب میں کہنا تو نہیں چاہتی مگر ایسا کرنے سے

پہلے میں خود کو روک نہیں پا رہی ہوں۔‘‘ اس کے تجسس کو بڑھاوا دے رہی تھی۔

’’جی آپ کہیں میں سن رہا ہوں۔‘‘ اس نے بڑے تحمل سے کہا تھا۔

دوسری طرف عاصمہ نے چند پل خاموش رہ کر شاید خود کو کچھ کہنے کی ہمت جمع کی تھی، اس وقتی خاموشی کو توڑتی بالآخر اس نے کہنا شروع کیا۔

’’دراصل بات یہ ہے کہ بیا اس رشتے سے خوش نہیں ہے اس رشتے کے لئے ہاں کر کے وہ خود اپنے ساتھ زبردستی کر رہی ہے، میں جانتی ہوں وہ کبھی خوش نہیں رہ سکے گی۔‘‘ اصل بات پر آنے سے پہلے اس نے جیسے تمہید باندھی تھی، اسد نے اس کی بات کو درمیان میں اچک لیا۔

’’آپ اتنے یقین سے یہ سب کیسے کہہ سکتی ہیں اور بیا اس رشتے سے خوش کیوں نہیں ہے؟‘‘ وہ واقعی اس کی بات کو نہیں سمجھا تھا۔

’’کیونکہ وہ آپ سے محبت کرتی ہے۔‘‘

’’کیا؟‘‘ اسے لگا اسے سننے میں کوئی غلطی ہوگئی ہے اسی لئے اس نے دوبارہ تصدیق چاہی تھی۔

’’میں سچ کہہ رہی ہوں اور بیا کی آپ سے محبت کے گواہ ہم خود ہیں۔‘‘ پوری طرح بیا کی محبت کا یقین دلاتی عاصمہ نے وہ سب کچھ اس کے گوش گزار کر دیا، جو کچھ پچھلے دنوں بیا اس کے لئے کر اور سہہ چکی تھی، اسد کے ذہن میں تمام گزرے واقعات فلم کے ٹریلر کی طرح چلنے لگے، بیا کا اس سے بات کرنا، اس کے کمرے میں آنا، اس کا فیورٹ کلر پہننا اور اس کے لئے چائے بنانا۔

’’اوہ میرے خدا، سب کچھ اتنا واضح ہونے کے باوجود بھی میں اس قدر انجان کیسے رہ سکتا ہوں؟‘‘ اسے شدید افسوس نے آ گھیرا تھا۔

’’یہ گلہ تو ہمیں بھی آپ سے ہے، آپ کی وجہ سے ہماری دوست ناحق اتنا کچھ سہہ چکی ہے۔‘‘ اس کا انداز شکایت سے پر تھا۔

’’اس بات کا اندازہ میں اب کر سکتا ہوں، مگر اتنا کچھ ہونے سے پہلے ہی بیا مجھے بتا دیتی تو ہمیں یہ سب سہنا نہ پڑتا۔‘‘ اس بار اس نے اپنی اذیت کو بھی شامل کیا تھا۔

’’واہ کیا کہنے آپ کے، وہ لڑکی ہو کر خود آپ سے کہتی مگر آپ لڑکے ہو کر محسوس نہیں کر سکتے۔‘‘ اس نے ایک دم برا منایا تھا، اسد ہنس دیا، پھر تشکر آمیز انداز میں اس کا شکریہ ادا کرتا بولا۔

’’آپ نہیں جانتی یہ سب بتا کر آپ نے مجھے کس قدر خوشی سے ہمکنار کر دیا ہے۔‘‘ وہ ابھی مزید بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر عاصمہ نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔

’’میری آپ سے درخواست ہے جو کچھ بھی میں نے آپ کو بتایا اس کی خبر بیا کو نہ ہو سکے ورنہ میری خیر نہیں۔‘‘ وہ واقعی نہیں چاہتی تھی بیا کو کچھ پتا چلے، وہ صرف اتنا چاہتی تھی کہ یہ سب جان کر اسد اس کے لئے کوئی سٹینڈ لے تاکہ بیا کو اس کی ادھوری محبت مکمل ہو کر مل جائے۔

’’آپ فکر مت کریں، ایسا کچھ نہیں ہوگا۔‘‘ اس نے یقین دلانا چاہا۔

’’اب آپ کیا کریں گے؟‘‘ اس نے سوال کیا تھا۔

’’اب جو کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اس کے لئے بس آپ دعا کریں کہ ویسا ہی ہو جائے کیونکہ محبت کے اس سفر کی بیا ہی نہیں خود میں بھی مسافر بن چکا ہوں۔‘‘ اپنی محبت کا اعتراف کرتے ہوئے اس نے فوراً کال ڈراپ کر دی کیونکہ اب وہ مزید وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆

’’امی مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔‘‘ قرآن پاک کی تلاوت کرتی راحیلہ بیگم کے پاس بیٹھ کر اس نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تھا، راحیلہ بیگم نے اسے جواب دیئے بنا یونہی اقرار میں سر ہلا کر تلاوت کو جاری رکھا تھا، جب وہ مکمل تلاوت کر چکی تو قرآن پاک کو چوم کر بند کرتی اس کی طرف متوجہ ہوتی بولیں۔

’’ہاں اب کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟‘‘

’’ماں میں بیا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔‘‘ لاڈ کے سارے رنگ اس سے اس کے لفظوں میں اتر آئے تھے۔

’’یہ کیا کہہ رہے ہو تم، جانتے بھی ہو بیا کی منگنی ہو چکی ہے۔‘‘ وہ ازحد حیران دکھائی دے رہی تھی۔

’’جانتا ہوں۔‘‘ اس نے سر جھکایا تھا۔

’’اس کے باوجود بھی ایسا کہہ رہے ہو؟‘‘

’’امی پلیز۔‘‘ اب کی بار اس کا انداز اسرار سے بھرا تھا، راحیلہ بیگم فکر مندسی ہوگئی۔

’’پاگل ہوئے ہو اسد؟ یہ کون سا وقت ہے ایسی ضد کرنے کا، بیا کا رشتہ طے ہو چکا ہے کل پرسوں اس کا نکاح ہو جانا ہے اور ابھی کچھ دیر پہلے عارفہ بھی آ کر تمہارے اور آئمہ کے رشتے کی بات کر چکی ہے۔‘‘ وہ ایکدم کافی پریشان دکھائی دینے لگی تھیں۔

’’میں اور آئمہ؟‘‘ وہ حد درجہ حیران ہوا تھا۔

’’ہاں۔‘‘

’’میں آئمہ سے ہرگز بھی شادی نہیں کروں گا امی، مجھے صرف بیا سے شادی کرنی ہے۔‘‘ اس کا انداز حتمی تھا، راحیلہ بیگم نے پرسوچ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

’’بیا سے شادی کرنی تھی تو پہلے سے کیوں نہیں کہا، اب جب وہ کسی اور کی ہونے جا رہی ہے تو ضد پکڑ کر بیٹھ گئے ہو۔‘‘ انہوں نے اسے وقت کے گزر جانے کا احساس دلانا چاہا تھا۔

’’جب کیسے بتاتا امی، مجھے احساس ہی تب ہوا جب وہ کسی اور کی ہو رہی تھی۔‘‘ وہ ہمیشہ اپنے دل کی ہر بات اپنی ماں سے شیئر کیا کرتا تھا یہی وجہ تھی آج بھی ان کے سامنے بیا سے محبت کا اعتراف اس نے بڑی آسانی سے کر لیا تھا۔

’’یہ سب بہت مشکل ہے بیٹا۔‘‘

’’مگر ناممکن تو نہیں ہے امی۔‘‘ وہ فوراً بولا تھا۔

’’جانتی ہوں مگر اس سے بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں رشتوں میں دراڑیں پڑ سکتی ہیں۔‘‘ انہوں نے اسے مشکلات کا احساس کرانا چاہا تھا۔

’’اللہ ہماری مدد کرے گا امی، آپ کوشش تو کریں۔‘‘ اس نے امید نہیں چھوڑی تھی، راحیلہ بیگم چپ ہوگئیں، انہیں سوچ میں ڈوبا دیکھ کر اسد چپ کر کے کمرے سے نکل گیا تھا۔

پھر جب انہوں نے یہ بات بیا کے والدین سے کی تو وہ خود سوچ میں پڑ گئے، ان کے لئے یہ اچھی بات تھی کہ ان کی بیا اسد سے شادی کی صورت میں ہمیشہ ان کے پاس رہے گی، مگر بیا اب مکرم کے نام کی انگوٹھی پہن چکی تھی، وہ اس رشتے کو ختم نہیں کر سکتے تھے، اس رشتے کو ختم کرنے کا ان کے پاس کوئی جواز بھی تو نہیں تھا، اسد نے کس موڑ پر لا کر انہیں مشکل میں ڈال دیا تھا، عجیب ٹینشن زدہ ماحول نے انہیں اپنے لپیٹ میں لے لیا تھا۔

اسی ٹینشن میں ایک اور رات گزر گئی، آج انیسواں روزہ تھا، وہ اسی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ عارفہ سے کس طرح بات کریں، جب عارفہ ایک بار پھر ان کے پاس آئمہ اور اسد کے رشتے

کے متعلق بات کرنے خود چلی آئی۔

"بھائی آپ نے اسد سے بات کر لی؟" اس نے اس کے والد سے استفسار کیا تھا جس پر انہوں نے کہا۔

"میں نے تو نہیں البتہ تمہاری بھابھی نے اسد سے بات کی ہے۔" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تو پھر کیا کہا اس نے؟"

"وہ آئمہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔" جواب راحیلہ بیگم نے دیا تھا۔

"کیوں؟" اس کی پیشانی پر فوراً سلوٹیں نمودار ہوئیں تھیں جو اس کی ناگواری کا واضح ثبوت تھی۔

"عارفہ میں بھی ادلے بدلے کے اس رشتے کے حق میں نہیں ہوں، مکرم اور بیا کی شادی تک بات رہے تو ٹھیک ہے۔" عرفان صدیقی نے اسے سہولت سے سمجھاتے ہوئے مزید کہا۔

"ویسے بھی ہمارے اسد اور آئمہ کے مزاج ایک دوسرے سے قطعی میل نہیں کھاتے، ان دونوں کا رشتہ بالکل بے جوڑ ہوگا۔"

"یہ کیسی بات کر رہے ہیں بھائی آپ؟ شادی سے پہلے لڑکی کے مزاج کو کب دیکھا جاتا ہے، ابھی اس میں بچپنا ہے کوئی ذمہ داری اس پر نہیں ہے اس لئے لاابالی فطرت اپنائے ہوئے ہے، شادی کی ذمہ داری سر پر پڑے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔" بھائی کے اعتراض کو اس نے کسی گنتی میں نہیں لیا تھا، ذرا توقف کے بعد وہ مزید بولی۔

"اور ادلے بدلے کی بھی خوب کہی آپ نے، کیا میں کوئی غیر ہوں جو آپ لوگوں کو مجھ سے خطرے لاحق ہو رہے ہیں؟" اس کے انداز میں تیزی نمایاں تھی۔

خوامخواہ کی بحث بڑھتی ہی جا رہی تھی جس کا کوئی فائدہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا، اصل بات درمیان میں تھی، اسی لئے راحیلہ بیگم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"اس فضول بحث کو چھوڑیں۔" اپنے مجازی خدا کو نظروں ہی نظروں میں چپ رہنے کا اشارہ کرکے وہ عارفہ سے مخاطب ہوئیں۔

"عارفہ تم نے آئمہ، اسد کے رشتے کی بات کی، ہم نے اسد کا جواب تم تک پہنچا دیا ہے، اب جب وہ اس رشتے کے لئے تیار نہیں ہے تو ہم اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے ہیں۔"

"وہ تو بچہ ہے بھابھی اسے کیا معلوم کیا صحیح ہے کیا غلط، آپ اسے سمجھائیں وہ سمجھ جائے گا۔" وہ ہر صورت ان سے اقرار کروالینا چاہتی تھی۔

"آج کے بچے اتنے بھی بچے نہیں ہیں عارفہ جتنا تم سمجھ رہی ہو۔" راحیلہ بیگم اسد کے انکار کی وجہ سے اچھی طرح واقف تھیں وہ جانتی تھیں اسد نے اگر انکار کر دیا ہے تو وہ کسی صورت اقرار نہیں کرے گا، یہی وجہ تھی انہوں نے عارفہ کو کسی قسم کی کوئی امید دلانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"میں اسد سے خود بات کر لیتی ہوں۔" اس نے ایک دم ہی فیصلہ کیا تھا۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" جواب راحیلہ بیگم نے ہی دیا تھا۔

عارفہ نے ایک دم لب بھینچ کر ان کی طرف دیکھا تھا، پھر فیصلہ کن انداز میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو پھر بیا کی شادی بھی مکرم کے ساتھ نہیں ہو سکے گی۔" اس کے انداز سے شدید ناراضگی جھلک رہی تھی، جبکہ وہ لوگ اس کے اس طرح اچانک پینترا بدلنے پر شدید حیران دکھائی دے رہے تھے، وہ کہہ رہی تھی۔

"میری آئمہ کی خواہش تھی اس کی شادی اسد کے ساتھ ہو، اب جب اس کی خواہش پوری نہیں ہو سکے گی تو وہ دکھی ہو گی اور میں یہ نہیں چاہتی کہ وہ بیا کی صورت دیکھ کر اپنے ریجیکشن کو یاد کر کے ہمیشہ دکھی ہوتی رہے۔" وہ جانے سے پہلے ایک بار پھر کہہ رہی تھی۔

"آپ لوگوں نے میری بیٹی کو ریجیکٹ کیا میں خود بھی اس بات کو ہمیشہ یاد رکھوں گی۔" بیا اور مکرم کا رشتہ ختم کرتی خفا سی وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

چاند ابھی تک دکھائی نہیں دیا تھا، چہروں پر دبی دبی خوشی لئے بہت سے لوگ چاند نظر آ جانے کی خبر کے منتظر بیٹھے تھے، عارفہ ان سے اس قدر خفا ہوئی کہ فوراً ہی اپنا سامان سمیٹ کر آئمہ اور مکرم کے ہمراہ ان کے گھر کو چھوڑ کر چلی گئی تھی، بیا اور اسد اس سب صورتحال سے بے خبر اس بات سے بھی ناواقف تھے کہ بیا اور مکرم کا رشتہ ختم ہو چکا ہے، ہر سال کی طرح اس سال بھی بیا چاند دیکھنے کی چاہ میں کب سے اکیلی چھت پہ کھڑی تاروں بھرے آسمان کو دیکھے جا رہی تھی، جبکہ اسد اپنے کمرے میں راحیلہ بیگم کا منتظر تھا، اس کا انتظار بڑھنے لگا تو وہ تھک کر ایزی چیئر پر بیٹھتا خود کو فریش کرنے کی نیت سے سائیڈ ٹیبل سے بک اٹھا کر یونہی ورق گردانی کرنے لگا، جب ایک صفحے پر اس کی نظر جم سی گئی۔

تمہیں جب ملیں کبھی فرصتیں
میرے دل سے بوجھ اتار دو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں
مجھے کوئی شام ادھار دو

وہ ایک دم سیدھا ہوا تھا، ہر ہر لفظ نے اس کے دلوں کے تاروں کو چھیڑ کر اس کی اداسی اور بے چینی کو بڑھا دیا تھا۔

مجھے اپنے روپ کی دھوپ دو
کہ چمک سکیں میرے خدوخال
مجھے اپنے رنگ میں رنگ دو
میرے سارے زنگ اتار دو
کسی اور کو میرے حال سے
نہ غرض کوئی ہے نہ واسطہ
میں بکھر گیا ہوں سمیٹ دو
میں بگڑ گیا ہوں سنوار دو
میری وحشتوں کو بڑھا دیا ہے
جدائیوں کے عذاب نے
میرے دل پہ ہاتھ رکھو ذرا
میری دھڑکنوں کو قرار دو
تمہیں صبح کیسی لگی کہو
میری خواہشوں کے دیار کی
جو بھلی لگی تو یہیں رہو
اسے چاہتوں سے نکھار دو
وہاں گھر میں کون ہے منتظر
کہ فکر ہو دیر سویر کی
بڑی مختصر سی یہ رات ہے
اسے چاندنی میں گزار دو
کوئی بات کرنی ہے چاند سے
کسی شاخسار کی اوٹ میں
مجھے راستے میں یہیں
کسی کنج دل میں اتار دو

غزل کا ایک ایک لفظ اسے اپنے دل میں اترتا محسوس ہوا تھا جس نے اس کے رگ و پے میں بے چینیاں سی بھر دی تھیں، اس کے دل و دماغ میں مسلسل شور سا بلند ہو رہا تھا۔

تمہیں جب ملیں کبھی فرصتیں
میرے دل سے بوجھ اتار دو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں

مجھے کوئی شام ادھور دو

دل پر بڑھتے بوجھ نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔

میرے دل سے بوجھ اتار دو

تو وہ ایک دم گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا، نجانے باہر کیا ہو رہا ہوگا، عارفہ پھپھو نے اس کے انکار پر کیا ری ایکٹ کیا ہوگا؟ بہت سے سوالوں کے درمیان گھرے اس نے بس کچھ پل ہی مزید انتظار کیا تھا پھر صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے اس نے خود باہر جانے کا فیصلہ کیا تھا، اس سے پہلے وہ اپنے فیصلے پر عمل کرتا، راحیلہ بیگم اس کے کمرے میں داخل ہوئیں وہ بے تابی سے ان کی طرف لپکا تھا۔

''امی کیا ہوا؟'' وہ فوراً جان لینے کا خواہاں تھا، راحیلہ بیگم نے ایک نظر اس کی پریشان صورت کو دیکھا پھر بتانے لگیں۔

''تمہارے انکار کا سن کر عارفہ اس قدر خفا ہوئی کہ بیا اور مکرم کا رشتہ ختم کرتی فوراً بچوں سمیت یہاں سے چلی گئیں۔''

''آپ سچ کہہ رہی ہیں امی؟'' اتنی آسانی سے راستہ صاف ہو جانے پر اسے جیسے یقین ہی نہیں ہوا تھا۔

''ہاں۔'' راحیلہ بیگم ذرا سی ملول دکھائی دے رہی تھیں۔

''اوہ تھینکس گاڈ۔'' گہری سانس بھر کر خدا کا شکر ادا کرتا اس سے اس کے چہرے پر خوشی کے سبھی رنگ بڑے نمایاں تھے، جنہیں راحیلہ بیگم نے محسوس کر کے کہا تھا۔

''اپنی خوشی ملنے پر اتنے خوش ہو جو اگر بیا کو اس سب سے دکھ ہوا تو؟''

''پیاری ماں! ایسا ممکن ہی نہیں ہے اس خبر کو سن کر مجھ سے بھی زیادہ خوشی بیا کو ہو گی۔'' بڑی معنی خیزی سے کہتا وہ انہیں وہیں حیران سا چھوڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتا اوپر چلا آیا جہاں بیا ابھی تک چاند کے انتظار میں نظر جمائے ہوئے تھی، اس سے ذرا فاصلے پر رک کر اس نے غور سے اس کے اداس چہرے کی طرف دیکھا تھا، جہاں غم کے واضح تاثرات اسے شرمندگی سے دوچار کر گئے تھے۔

تمہیں جب ملیں فرصتیں
میرے دل سے بوجھ اتار دو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں
مجھے کوئی شام ادھار دو

اس کی اداسی کی وجہ خود تھا اور اب اس کی اداسی بھی اسے خود ہی دور کرنا تھی، وہ دبے پیروں سے آگے بڑھا اور اس کے برابر میں آن کھڑا ہوا۔

''بیا......؟'' بڑے دھیمے سے پکار کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی وہ چونک کر اس کی طرف پلٹی تھی۔

''آپ یہاں؟'' وہ اس وقت اسے سامنے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

''کیوں میں یہاں نہیں آ سکتا؟'' الٹا سوال کر دیا گیا تھا، وہ کچھ نہیں بول سکی تھی، دونوں کے درمیان ایک دم خاموشی چھا گئی تھی، جسے اسد نے توڑا تھا۔

''تم ہر سال چاند دیکھنے کی تمنا کیوں کرتی ہو؟''

''کیونکہ مجھے چاند کو دیکھنا اچھا لگتا ہے۔'' اسے نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر آسمان کی طرف دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

''اور کیا کیا اچھا لگتا ہے تمہیں؟'' بڑی فرصت سے جاننے کی چاہ ہوئی تھی۔

''آپ کو اس سے مطلب؟'' پیشانی پر بل سجائے اس نے ایک بار پھر حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''مطلب کو تم چھوڑو، یہ بتاؤ جو اگر میں کہوں مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے تو تم کیا کہوں گی؟'' وہ جان بوجھ کر اسے ستا رہا تھا اور وہ تھی کہ حیرت کے سمندر میں غوطے کھائے جا رہی تھی۔

''تو میں کہوں گی یہ کیسا مذاق ہے؟''

''اور اگر میں کہوں یہ مذاق نہیں حقیقت ہے تو؟'' وہ شاید سوال سوال کھیلنے کے موڈ میں تھا، مگر بیا جھنجھلا گئی۔

''تو پھر میں کچھ نہیں کہوں گی۔'' اس نے مذاق جان کر سر جھٹکا، مگر اسد نے فوراً ہی اس کے لفظوں کو پکڑ لیا۔

''تم کیوں کچھ نہیں کہو گی، اب تمہیں ہی تو سب کچھ کہنا ہے آخر کو محبت جو کرتی ہو مجھ سے۔'' اس بار وہ اس کے مقابل ہوا تھا۔

بیا کو بہت زور کا جھٹکا لگا تھا جبھی پوری آنکھیں کھولے بڑی بے یقینی سے اسی کے چہرے کی طرف دیکھ کر اس کے تاثرات کو جانچنے کی کوشش کی تھی۔

''اس قدر حیران کیوں ہو رہی ہو، کیا جھوٹ بول رہا ہوں میں؟'' لو دیتے لہجے میں سوال کرتا وہ اسے شدید پریشانی کی نذر کر گیا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی اسد کو اس محبت کی خبر کیسے ہوئی؟ مگر اپنے اس راز کے فاش ہو جانے پر اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا تھا۔

''مجھ سے یہ سب کیوں چھپایا؟'' بہت قریب کھڑا وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہا آپ اب اس طرح کی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟'' اس کا لہجہ الجھن سے

پر تھا۔

''جاننا چاہو گی تو پتا بھی لگ جائے گا میں کیوں ایسی باتیں کر رہا ہوں۔'' وہ ہنوز متبسم تھا، مگر وہ تپ گئی۔

''مجھے کچھ نہیں جاننا ہے۔'' انتہائی تپ کر اسے جواب سے نوازتے وہ اس سے دور ہوتی واپسی کے لئے پلٹی تھی، جب اس نے پیچھے سے ایک بار پھر سوال کیا تھا۔

''یہ بھی نہیں جاننا کہ عارفہ پھپھو نے تمہارا اور مکرم کا رشتہ ختم کر دیا ہے۔'' اس کے بڑھتے قدموں کو ایک قدم بریک لگے تھے، اسے رکتے دیکھ کر اسد ایک بار پھر اس کے قریب چلا آیا، وہ حیرت زدہ سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''اس قدر حیرت سے مجھے مت دیکھو یہی حقیقت ہے کہ مکرم اور تمہارا رشتہ ختم ہو چکا ہے اور اب تم میری ہو۔'' وہ خوش تھا اور خوشی اس کے انداز سے نمایاں ہو رہی تھی، حیرت کے مسلسل لگنے والے جھٹکوں سے بیا کی گویائی جیسے سلب کر لی تھی، جبھی وہ کچھ بول ہی نہ پا رہی تھی، اسد اس کی کیفیت کو خوب سمجھ رہا تھا اس لئے اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کرتا ہوا اس کا ہاتھ پکڑ کر پیار سے بولا تھا۔

''کیا تم مجھ سے شادی کرو گی بیا؟'' وہ اسے محبت کا مان بخش رہا تھا، جبکہ وہ چپ ہی رہی تھی۔

''بتاؤ۔'' ایک بار پھر استفسار کیا گیا تھا۔

اس کے لفظوں کا اثر تھا یا شاید اس کے جذبوں نے اسے یقین بخشا تھا وہ آہستہ آہستہ حیرت کے جھٹکوں سے باہر نکل رہی تھی، جبھی اس بار اس نے سنبھل کر الٹا اسی سے سوال کر دیا تھا۔

''آپ مجھ سے شادی کیسے کر سکتے ہیں اسد؟ میں آپ کے معیار پر پورا نہیں اتر سکتی۔''

''میرا معیار؟'' اس بار حیران ہونے کی باری اسد کی تھی۔

''اچھا کیا ہے میرا معیار؟'' بڑی حیرانگی سے سوال کیا گیا تھا، وہ کہہ رہی تھی۔

''آپ کو ایسی لڑکیاں پسند ہیں جو ماڈرن ہو جاب کرتی ہو، میں ان میں سے ایک بھی خوبی نہیں رکھتی ہوں نہ تو مجھے ماڈرن ہونا پسند ہے اور نہ ہی میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے اپنی پسند ناپسند سے اسے واقفیت دینا چاہی تھی، جسے سن کر وہ بڑی زور سے ہنسا تھا۔

''تم سے یہ سب کس نے کہہ دیا؟'' اس نے بمشکل اپنی ہنسی کو روکا تھا۔

''مجھے خود سے پتا ہے سب۔'' اس کی ہنسی اسے ناگوار گزری تھی۔

''او پاگل لڑکی ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔'' اس نے اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہی تھی۔

''ایسا ہی ہے جبھی تو آپ ہر وقت آئمہ کو اہمیت دیتے تھے اور وہ اس دن جب این ٹی ایس کا ٹیسٹ تھا تب بھی ایسی ہی ایک لڑکی کی پکچر بنانے آپ اس کے قریب گئے تھے۔'' بڑی معصومیت کے ساتھ اس نے اپنی شکایت کو واضح کیا تھا، اسد حیران ہی تو رہ گیا کس قدر غلط فہمیاں تھی اس کے دل میں۔

''بیا! میں نے آئمہ کو اہمیت صرف اس لئے دی کیونکہ وہ ہماری مہمان تھی، اس کے حلیے پر یا اس پر میں نے کبھی اس لئے اعتراض نہیں کیا کیونکہ مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا تھا پھر میں اس پر کس بناء پر روک ٹوک کرتا؟'' اس کی غلط فہمی دور کرتا وہ مزید کہہ رہا تھا۔

''اور اس لڑکی کی پکچرز اس لئے اتاریں کیونکہ وہ ہمارے پیپر کی ڈیمانڈ تھی، اس کی طرف میں اس لئے بڑھا کیونکہ اسے اپنی پکچر دینے میں کوئی اعتراض نہیں تھا۔'' بڑی تفصیل کے ساتھ اس نے اس کا دل صاف کرتے ہوئے آخر میں شرارت سے کہا۔

''اب میں یہ نہیں کہوں گا کہ مجھے تم جیسی لڑکیاں پسند ہیں کیونکہ میں صرف تم کو پسند کرتا ہوں۔'' اسد کے انداز میں جذبوں کی لو تھی اس کا دل خود بخود ایمان لے آیا تھا، غلط فہمی کے بادل کب کے چھٹ چکے تھے، محبت کی بارش کی پھوار کن من کی طرح ان کے دلوں پر برسنے لگی تھی۔

''میں جاب نہیں کروں گی۔'' اس نے منہ بنا کر اطلاع بہم پہنچائی تھی۔

''تو میں کب چاہتا ہوں تم جاب کرو؟ وہ صرف تجربے کی خاطر کرنے کو کہہ دیا تھا ورنہ میں تو چاہتا ہوں جب میں تھکا ہارا گھر واپس آؤ تو تم نک سک سے تیار ملو تاکہ میری دن بھر کی تھکن اتر جائے۔'' جذبوں کی روانی عروج پر تھی وہ سر جھکا گئی، اسد نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو اونچا کیا تھا، اس سے پہلے وہ کچھ بولتا فضا میں چاند نظر آ جانے کی صدا بلند ہوئی تھی، بیا کی نظروں نے ایک دم آسمان تک کا سفر کیا تھا مگر چاند کو نہ پا کر بھی اس نے ہاتھ اٹھا کر بڑی لگن سے دعا مانگی تھی جبکہ اس سارے وقت میں اسد مسلسل اس کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے تھا جب وہ دعا مانگ چکی تو اسد نے اپنا سوال پھر سے دوہرا دیا۔

''تم نے بتایا نہیں مجھ سے شادی کرو گی؟'' اس کی رضامندی جاننے کے باوجود وہ اس کے منہ سے اقرار سننا چاہتا تھا، مگر وہ نظر بچا کر واپسی کے لئے پلٹی تھی۔

''میں کب سے اوپر ہوں امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی میں اب جاتی ہوں۔''

''اونہہ۔'' ہوا کے جوش پر اڑتے اس کے دوپٹے کے پلو کو پکڑ کر روکا گیا تھا۔

وہاں گھر میں کون ہے منتظر کہ فکر ہو دیر سویر کی
بڑی مختصر سی یہ رات ہے اسے چاندنی میں گزار دو

بڑے خوبصورت انداز میں اس نے شعر سنا کر اسے جیسے رک جانے کی درخواست کی تھی۔

''کوئی تمہارا انتظار نہیں کر رہا ہو گا سب کو پتا ہے تم یہاں میرے ساتھ ہو۔'' اس کے لفظوں میں کچھ تھا جسے محسوس کر کے وہ ایک دم شرم سے لال ہوئی تھی۔

''اسد پلیز۔'' اس کا انداز ملتجی تھا۔

''میرے سوال کا جواب دے دو، پھر چلی جانا۔'' وہ ہنوز بضد تھا۔

اس نے ذرا دیر کو رک کر اس کی طرف دیکھا پھر ہار مانتے ہوئے آہستہ سے نظر جھکا کر بولی۔

''ہاں کروں گی۔'' ابھی کچھ ادھورا پن سا تھا۔

''کیا؟'' اس نے دوبارہ سوال کر دیا۔

''آپ سے شادی۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں تھی، بنا اس کی طرف دیکھے وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی جب پیچھے سے اسد نے خوشی سے بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''اچھا سنو عید مبارک۔''

''آپ کو بھی مبارک۔'' اسی تیز رفتاری سے کہتی وہ سیڑھیاں اتر گئی تھی، اب عید کی تیاریوں کے ساتھ ساتھ اسے بہت سی اور تیاریاں بھی کرنا تھی مگر اس سے پہلے وہ خدا کا شکر ادا کرنا نہیں بھولی تھی جس نے اس عید پر انہیں محبت کا تحفہ دے کر نارسائی کی اذیت سے نکال کر مکمل کر دیا تھا۔

☆☆☆

آخری قسط

سندس جبیں

مجھے موت دے کہ حیات دے
میرے بے ہنر میرا ساتھ دے
میرے رنجشوں کے حساب میں
کوئی ایک نیند کی رات دے
کوئی ایسا اسم عظیم ہو
مجھے تیرے دکھ سے نجات دے

دعائیں اس کے لبوں پہ آئی تھیں، وہ گھر میں یوں چلتی تھی جیسے نئے گھر میں آنے والے مکین پہلی مرتبہ ہر چیز کو دیکھتے ہیں، ہاں اس کے لئے ہر چیز نئی ہی تھی، کیونکہ اسید کا ساتھ نیا تھا، ہر چیز خوبصورت تھی، ہر چیز نئی تھی۔

اس نے سارے گھر کی سیٹنگ اور ڈیکوریشن چینج کی تھی، ایک ایک چیز اپنی من مرضی اور دلی خواہش کے مطابق لی تھی، اسید نے اس کے کسی فیصلے میں مداخلت نہ کی تھی، وہ چاہتا تھا وہ ہر چیز پر حق جتائے، محسوس کرے اور خوش رہے، اس بات سے قطع نظر کہ اس کی اپنی مرضی اور پسند کیا تھی وہ صرف اس کی اولیت دے رہا تھا۔

ناولٹ

اس کے اسٹیچز کھل چکے تھے اور چہرے کا زخم تقریباً ٹھیک ہو چکا تھا، البتہ ٹانگ کے زخم میں کچھ دن مزید لگنے تھے، ہاتھ کا پلستر بھی کھل چکا تھا مگر ڈاکٹرز نے ابھی اسے کسی بھاری چیز کو اٹھانے سے منع کیا تھا، ورنہ اس کا جوڑ پھر سے ہلنے کا خدشہ تھا۔

مرینہ خانم ابھی بھی ان کے پاس ہی تھیں جبکہ تیمور کو اپنے بزنس کی وجہ سے واپس اسلام آباد جانا پڑا تھا۔

☆☆☆

اس نے گھڑی پہ نگاہ دوڑائی، ساڑھے دس ہو رہے تھے، پھر اس نے موبائل کی اسکرین میں موجود اس ڈرافٹ کو دوبارہ پڑھا جس میں ڈاکٹر حیدر کا ایڈریس تھا اور پھر سامنے موجود بنگلے کو، وہ
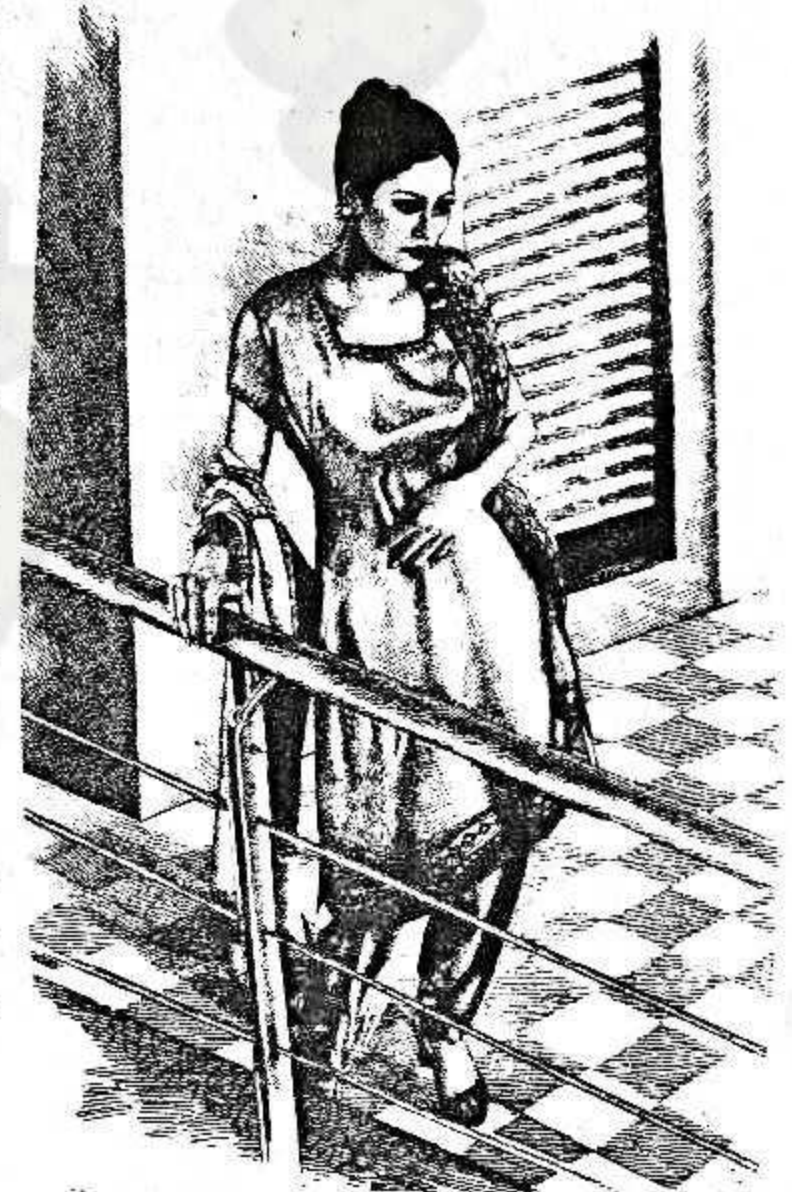
صحیح ایڈریس پہ پہنچ چکا تھا، اس نے گاڑی کا ہارن دیا، چوکیدار تیزی سے متوجہ ہوا تھا، پھر اس کی طرف آ گیا، اس نے اپنی سائیڈ کا شیشہ نیچے کیا اور اس سے حیدر کے متعلق دریافت کیا تھا، پھر اسے اپنے آنے کا بتایا، چوکیدار سر ہلا کر آگے بڑھ گیا، کچھ دیر بعد گیٹ کھول دیا گیا، وہ کار اندر لیتا گیا، ڈرائنگ روم تک اس کی رہنمائی کر دی گئی۔

وہ صوفہ پر بیٹھنے کی بجائے اضطرابی انداز میں اِدھر اُدھر چکر کاٹنے لگا، کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ڈاکٹر حیدر کی جھلک نظر آئی جن کے چہرے پہ حیرانی ثبت تھی۔

''خیریت ہے شاہ بخت! آپ اس وقت یہاں؟ کیا بات ہے؟'' شاہ نے اسے یوں دیکھا جیسے کوئی اپنی آخری امید کو دیکھتا ہے۔

☆☆☆

''تم ناراض ہو تارا؟'' نوفل جو کہ سیل فون کو ایک طرف پھینک چکا تھا، پھر سے بڑے درد کے عالم میں اس سے سوال کرنے لگا تھا۔

ستارا کی آنکھیں اس پر ٹک گئیں، وہ بڑے برے حالوں میں اس کے سامنے موجود تھا، لہجہ التجائیہ، انداز میں بے پناہ عاجزی اور زمین پہ بیٹھا وہ جیسے اپنے ہر جھوٹ پر شرمندہ تھا۔

''بس کرو نوفل! اٹھ جاؤ یہاں سے۔'' ستارا نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں پہ رکھتے ہوئے کچھ اس انداز میں کہا تھا کہ وہ ٹھٹک گیا۔

''تم اپنی ناراضی ختم نہیں کرو گی۔'' وہ مایوسی کے غبار میں لپٹا اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں، کبھی بھی نہیں ہو سکی، نہ کبھی ہوں گی۔'' اس نے ملائمت سے کہا اور نوفل نے دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو ٹھہرے ہوئے تھے، وہ وہاں سے ہل نہیں سکا، اسے ہمیشہ ستارا کے آنسو تکلیف دیتے تھے، ان آنسوؤں کے ذمہ دار ہر شخص کو وہ ختم کر دینا چاہتا تھا، مگر وائے قسمت کہ آج وہ خود ان آنسوؤں کا دین دار تھا، اس کے اندر پچھتاوے آگ کی مانند گرنے لگے، اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھا، شبنم کی مانند اجلے موتی اس کی ہتھیلی پہ اکٹھے ہو گئے، ستارا وہاں سے اٹھی اور نیچے زمین پہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''تارا!'' نوفل نے اس کو پکارا، اس نے سر اٹھا کر نوفل کو دیکھا۔

''تمہیں مجھ پر یقین ہے نا؟'' اس کی آواز میں مان ٹوٹنے کا خوف پنہاں تھا۔

ستارا جواب دینے کی بجائے بہت دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی، اس کے نین نقش بڑے تیکھے اور خوبصورت تھے اور اس کے سنہری مائل بھورے بال بکھرے بکھرے سے تھے۔

''مجھے اس بات کا یقین ہے نوفل کہ تم نے یہ سب میرے لئے کیا ہے۔'' اس نے نوفل کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں تارا بالکل تمہارے لئے کیا ہے۔'' اس نے جوش سے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''اور تم جو بھی میرے لئے کرو، وہ غلط کیسے ہو سکتا ہے نوفل؟ تم نے مہروز سے مجھے بچانے کے لئے یہ سب کیا نا، تو میں کیسے مان لوں کہ تم غلط ہو، نہیں نوفل تم تو مجھ سے اتنا پیار کرتے ہو کہ صحیح اور غلط کا فرق ہی بھول گئے۔'' وہ سسکیاں لے رہی تھی، نوفل کے دل میں جیسے کوئی تیر سا کھب گیا۔

''نہیں تارا! میرا خدا گواہ ہے میں نے کچھ غلط نہیں کیا، میں نے تو عدت میں تمہارا سامنا بھی نہیں کیا۔'' وہ تڑپ کر بولا تھا۔

''مگر تم نے جھوٹ تو بولے ہیں۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔'' وہ شکستہ دل سا تھا۔

''کیوں؟ کیوں چارہ نہیں تھا، ایسی کیا مجبوری تھی؟'' اس نے احتجاجاً پوچھا تھا۔

''میں جیسا امیج تمہارے سامنے اپنا واضح کر چکا تھا، اس کے بعد کیسے سچ بولتا۔'' وہ بے بس تھا۔

''اور تمہیں یہ تھا کہ مجھے کبھی سچ پتا نہیں چلے گا۔'' اس کا لہجہ اس بار تلخ تھا۔

''نہیں میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔'' وہی کمزور سا دفاع۔

''کیوں نوفل؟ سچ بتاؤ نا آج کیوں کیا تم نے ایسا؟ وہ ہیرو ہونے کا گیم کیوں کھیلا، کیا وجہ تھی، بتاؤ نا؟'' وہ وجہ جاننے پر مصر تھی۔

''میرا دماغ خراب ہو گیا تھا۔'' وہ جھلا کر بولا تھا، ستارا اس بار خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

''جب شادی سے پہلے ہم ملے تھے تو تم نے مجھ سے یہ ساری بات اگلوائی تھی؟ ہے نا، تم کتنا ہنسے ہو گے نا مجھ پر، یہ جاننے کے بعد کہ ستارا ماہم ابھی بھی نوفل صدیق پہ مرتی ہے؟ تمہیں کتنی خوشی ہوئی ہو گی نا؟''

''بولو ناں نوفل، تم نے سوچا تو ہو گا نا کہ یہ کس قدر پاگل ہے کہ ابھی تک بن دیکھے میرے عشق میں پاگل ہوئی پھر رہی ہے...... ہے نا؟'' وہ روتے ہوئے اپنا مذاق اڑا رہی تھی۔

''بس کر دو تارا، خدا کے لئے بس کر دو۔'' نوفل نے تڑپ کر اس کے لبوں پہ اپنا ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کروا دیا۔

''کچھ نہیں جانتی تم۔'' وہ اس بار اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا تھا، پھر اس نے سسکتی ہوئی تارا کو بازوؤں میں سمیٹ کر بہت محبت سے اس کے گال صاف کیے تھے، پھر اس کی آنکھوں کو چوما، پھر اسے سینے سے لگا لیا، وہ اس کے سینے پہ سر دھرے دھیرے دھیرے سسکتی رہی۔

''میں تمہیں سب بتا دوں گا تارا۔'' وہ اس کے بالوں پہ لب رکھے ہوئے بہت عجیب سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

سب وہاں سے جا چکے تھے، بس وہ اکیلی رہ گئی تھی وہاں، یا پھر بیڈ پر بکھری اس کی چیزیں، اس کا باربی ڈول والا کی چین، اس کی کلر فل پینسلیں اور اس کی پنک ڈائری میں جس کے ٹائٹل کور پہ سلور اور فیروزی رنگ کی باربی بنی تھی اور اس کے کمرے میں پھیلی بازگشت۔

''بابا نے شاہ بخت کے ساتھ علینہ کی شادی کے لئے ہاں کر دی ہے۔''

یہ بازگشت اس کی ہار کی بازگشت تھی، یہ اس بات کا ثبوت تھی کہ اب اس کی آئندہ زندگی بخت کی غلامی کرتے گزرے گی۔

وہ جس قدر اس کی مخالف تھی اور اب تک جتنی لڑائیاں وہ دونوں لڑ چکے تھے، ایسا کیسے ممکن تھا کہ بخت بھول جاتا، نہیں وہ نہیں بھولے گا اور نہ ہی اسے بھولنے دے گا، بلکہ اب تو اصل تماشے کا آغاز ہونے والا تھا، جس سے پورا گھر لطف اندوز ہونے والا تھا، اب تک کے کیے گئے تماشے اور ان کے جھگڑے تو ایک ٹریلر تھے، اصل فلم تو اب شروع ہونے والی تھی، اسے بے تحاشا خوف آ رہا تھا۔

گھر میں اس کی اہمیت کیا تھی؟ وہ آگاہ تھی بہت اچھے سے، تو اب وہ کیا کرے، جو سلوک

اس نے بخت کے ساتھ روا رکھا تھا، وہ بڑے اچھے سے جانتی تھی، اب یقیناً بخت اس کا یہ سلوک ڈبل کر کے واپس کرتا، اس نے جتنا بخت کو خوار کروایا تھا، وہ اس سے دل بھر کر بدلے نکال سکتا تھا بلکہ یقیناً وہ ہر ممکن طریقے سے اسے ہرٹ کرتا۔

بے بسی سے علینہ کی آنکھیں جل رہی تھیں، وہ کس سے یہ سب شیئر کرے؟ وہ نہیں جانتی تھی۔

مگر ایک بات تو کنفرم تھی کہ اس کا اس گھر میں کم از کم کوئی ہمدرد نہیں تھا۔

بات یہ نہیں تھی کہ وہ اس کے دشمن تھے بلکہ وہ سب اس کے بلاوجہ کے انکار سے تنگ تھے، ان کو یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ آخر علینہ شکر ادا کیوں نہیں کرتی تھی؟

علینہ آگاہ تھی معمولی سی ملنے والی اہمیت اور نظر اندازی نے مل کر اس کے جو اندر حساس کمتری پیدا کیا تھا اس میں اب زبردستی کی یہ شادی اس کی حیثیت کو کہاں لے جانے والی تھی، وہ بخوبی آگاہ تھی، گھر والوں کے بے زاری اور اس مسئلے سے جلد از جلد جان چھوٹ جانے کی خواہش ان کے لئے بڑی اہم تھی، دوسری طرف منہ کھولے یہ سوال کہ شاہ بخت جیسا شخص جو سر عام اسے یوں چیلنج کر کے گیا تھا اور اس کا طیش اور غصہ، وہ کسی طور اسے اتنی آسانی سے نہ معاف کرتا، وہ ہر طرف ذہن دوڑا رہی تھی مگر یہ مسئلہ تو تارعنکبوت کی مانند اسے جکڑ کر بیٹھ گیا تھا اور وہ کوئی حل کوئی روزن فرار کا نہیں ڈھونڈ پا رہی تھی، پھر اس مسئلے سے نکلنے کا طریقہ کیسے سوجھ پاتا اسے، وہ کچھ دیر بعد اپنے سکتے سے اٹھی اور اٹھ کر پاگلوں کی طرح اپنی وارڈ روب سے سامان نکال کر پھینکنے لگی، کپڑے، جوتے، کتابیں، دراز، جیولری سب کچھ کمرے کے فرش پر بکھرتا چلا گیا اور پھر اسے ایک کونے سے ایک کارڈ مل گیا تھا۔

اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اپنی وحشت چھلکاتی آنکھوں کو رگڑا اور وہ کارڈ اٹھا کر باہر آ گئی۔

گرتی پڑتی وہ لاؤنج میں رکھے لینڈ لائن کے سیٹ تک پہنچی اور پھر اِدھر اُدھر دیکھا، لاؤنج خالی تھا، اس نے زمین پہ بیٹھ کر سیٹ اپنی طرف گھسیٹا اور تیزی سے ایک نمبر ملانے لگی۔

وہ ڈاکٹر حیدر عباس کا نمبر تھا۔

کچھ دیر بعد وہ لائن پہ تھا، روتے ہوئے، سسکتے ہوئے اس نے ساری ''داستان غم'' اسے سنا دی تھی، دوسری طرف کافی گہری خاموشی تھی۔

بہت دیر بعد اس نے ایک بدلی ہوئی سرد اور عجیب سی آواز میں کہا تھا۔

''زندگی میں سچ بولنا شروع کر دو علینہ، تمہارے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔'' علینہ اس کی بات سن کر تڑپ اٹھی تھی۔

''کیا مطلب، میں نے کون سا جھوٹ بولا ہے؟''

''تم اچھی طرح جانتی ہو۔''

''نہیں میں نہیں جانتی، تم بتاؤ مجھے۔'' وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''مجھے ایک سچ بتاؤ گی۔'' اس نے بدستور ٹھنڈے لہجے میں کہا تھا۔

''پوچھو۔''

''تم شاہ بخت سے محبت کرتی ہو؟'' حیدر کا سوال اتنا اچانک اور بھرپور حملہ تھا کہ چند لمحے خاموش رہ گئی، مگر پھر یہ خاموشی بڑھتی گئی، اتنی زیادہ کہ حیدر کو اسے پکارنا پڑا تھا۔

''تم نے سنا میں نے کچھ پوچھا تھا؟'' وہ کہہ رہا تھا۔

علینہ کے لفظ گونگے ہو گئے تھے، وہ بول نہ

سکی، اس کی آنکھوں میں درد سے پانی اکٹھا ہو رہا تھا، اس نے بولنا چاہا، اس کے لفظ اٹکے، پھر رکے اور آخر کار ادا ہو گئے۔

''ہاں۔''

یہ جانے بغیر کہ کسی کا دل اس کی ''ہاں'' سے بہت نیچے کسی پاتال میں جا گرا تھا اور اسے تو گرے ہی رہنا تھا۔

''ویری گڈ، تو بس تم یہ اقرار کر لو خود کے سامنے۔'' اس نے بڑے نارمل انداز میں کہا تھا۔

''اس سے کیا ہو گا حیدر؟'' وہ بہتی آنکھوں کے ساتھ بدقت بول پائی تھی۔

''اس سے یہ ہو گا کہ تم دوہرے موسموں سے نکل آؤ گی، تمہارے سامنے ایک واضح ٹارگٹ ہو گا۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔

''کیسا ٹارگٹ؟'' اس نے چونک کر کہا۔

''اب میری بات سنتی جاؤ۔'' اس نے حکیمہ انداز میں کہا تو علینہ نے مدھم سی ''ہوں'' کی تھی۔

اس کے بعد کا پلان حیدر نے اسے چاک آؤٹ کر کے یاد تھا، اس نے علینہ کو کسی بھی قسم کی مداخلت سے سختی سے منع کر دیا تھا۔

''دیکھو علینہ! حالات جس نہج پہ ہیں، میں نہیں چاہتا کہ تم اپنے لئے مزید مشکلات پیدا کر لو، اگر اب تم نے کوئی بھی مخالفت کی تو یہ تمہارے لئے مزید نقصان دہ ہو گا، ویسے بھی اب اس کا اب کوئی فائدہ نہیں ہو گا، یہ اپنی انسلٹ کروانے والی بات ہو گی۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟''

''تم کسی بھی قسم کی تیاری میں حصہ مت لو، مگر یہ بھی شو کروانے کی ضرورت نہیں کہ تم خوش نہیں ہو۔'' اس نے کہا تو علینہ نے اس کی بات سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

نکاح سے ایک دن پہلے اس نے پھر سے حیدر سے بات کی تھی۔

''یاد رکھنا علینہ تم اس گھر کا Neglected child ہو اور شاہ بخت موسٹ وانٹڈ، اس لئے اب تمہیں بڑے سلیقے اور طریقے سے چلنا پڑے گا، تم میری بات دھیان سے سنو، نمبر ایک تم بالکل بھول جاؤ کہ شاہ بخت کا شادی سے پہلے کبھی تم سے کوئی جھگڑا ہوا تھا، تمہیں اس کے ساتھ یوں بی ہیو کرنا ہے جیسے ایک نارمل شادی شدہ جوڑا کرتا ہے، نمبر دو شاہ بخت بذات خود ایک برا شخص نہیں ہے، اگر تم اس کے ساتھ ٹھیک رہو گی تم اسے بھی رہنا پڑے گا اگر وہ واقعی اپنے دعوے میں سچا ہے کہ اسے تم سے محبت ہے، تو پھر وہ تمہارے ساتھ کبھی غلط نہیں کرے گا، نمبر تین، سب سے ضروری بات اس کے ساتھ شادی کرنے کی صورت میں گھر میں تمہاری حیثیت یکسر بدل جائے گی اور اگر تم واقعی ذہین ہو تو یقیناً تم اپنی اس اہمیت کو مین ٹین رکھنا چاہو گی اور اس کے لئے ضروری ہے کہ تم شاہ بخت کے ساتھ بالکل ٹھیک رہو۔''

''علینہ! میں ایک سائیکا ٹرسٹ ہوں، میرے نزدیک تمہارا پرابلم بہت Petty issues میں آتا ہے، صرف تمہیں اپنا رویہ اور مزاج بخت کے ساتھ بدلنا پڑے گا، پھر دیکھنا سب کچھ کتنی جلدی بدلتا ہے۔'' وہ اپنے مخصوص مرہم رکھنے والے انداز میں بولتا اس کے دماغ کی گرد جھاڑ رہا تھا، بات بہت آسان تھی، سیدھی طرح سمجھ میں آتی تھی، مگر مسئلہ یہ تھا کہ اگر یہی بات اسے گھر والوں میں سے کوئی سمجھاتا تو وہ کبھی سمجھ نہ پاتی، شاید یہ مسئلہ سب کے ساتھ ہی ہوتا ہے، ہمیں بہت دفعہ سیدھی سی بات بھی سمجھ نہیں آتی کیونکہ کہنے والے کو ہم اپنا دشمن عظیم تصور کر کے بیٹھ چکے ہوتے ہیں۔

حیدر کے ساتھ اس کا معاملہ دوسرا تھا، وہ لاشعوری طور پر اس سے متاثر تھی، اسے اس کی باتیں ہمیشہ درست لگتی تھیں اور اس کے خیالات مثبت اور مستزاد وہ مسیحا تھا، ٹوٹے بکھرے لوگوں کو سمیٹنا اس کا مشغلہ نہیں جذبہ تھا، وہ ایمان کی حد تک اسے سچا مانتی تھی۔

جبھی اس نے آنکھیں بند کر کے اس کی ساری باتیں مان لیں تھیں اب اس کے ذہن نے ایک نیا پلٹا کھایا۔

وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی، خود کو دیکھا، سبز رنگ کے شلوار قمیض میں کمر پہ گرتے بالوں کے ساتھ اس کی آنکھوں کی چمک بڑی پیاری تھی۔

''ارے میں کس قدر بے وقوف ہوں نا، ایسے ہی اپوزیشن بنا کے بیٹھی ہوں، کتنی بڑی خوشی ہے نا یہ، شاہ بخت از گوئنگ ٹوبی مائن۔'' اس نے ہنستے ہوئے خود کلامی کی تھی۔

اس نے بڑی جلدی خود کو حالات کے مطابق تیار کیا تھا، کہ اگر ذہن سے ساری منفی سوچوں کو نکال پھینکا جائے تو زندگی اچھی خاصی خوشگوار ہو سکتی تھی، سب سے بڑی خوشی کی وجہ تو بخت کی دیوانگی ہوتی اور پھر مستزاد یہ کہ کوئی بھی گھر میں ان دونوں کے رشتے کا مخالف نہ تھا، عباس تھا مگر اسے بھی شاہ بخت منا چکا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر حیدر کی باتوں پہ عمل کیا اور تب جب وہ شاہ بخت کے بیڈ پر اس کے لئے محو انتظار تھی تو اس کا دل محو رقص تھا، وہ آیا اور بس اس کے بعد علینہ کو کچھ یاد نہ تھا، اس کی توجہ اس کی محبت اور اس کی دلربائیں وہ ہر طرح سے سیراب ہوئی تھی۔

☆☆☆

وہ اس وقت ڈاکٹر حیدر عباس کے کلینک میں موجود تھی، کمرہ خالی تھا، ڈاکٹر کا کوئی نام و نشان نہیں تھا اور اسیدا سے ضروری کام کا کہہ کر جا چکا تھا، وہ بے بس سی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی، جب یکدم کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک ینگ اور ہینڈسم سا مرد اندر آ گیا، اس نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا۔

''آپ بھی ڈاکٹر سے ملنے آئے ہیں؟'' حبا نے پوچھا، پھر بے ساختہ بولتی چلی گئی۔

''عجیب ڈاکٹر ہے، مریض کو بٹھا کر غائب ہو گیا ہے، بھلا ایسے بھی کرتا ہے کوئی؟'' اس نے سر جھٹکتے ہوئے اسے دیکھا، وہ بھی ایک کرسی چھوڑ کر بیٹھ گیا۔

''صحیح کہا آپ، عجیب لوگ ہیں آج کل کے ٹائم کی کوئی پابندی نہیں۔'' وہ تاسف سے بولا۔

''اور کیا، غیر ذمہ داری کی انتہا ہے۔'' اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''غیر ذمہ داری کی بات چھوڑیے آپ، آپ کو بتاؤں میرے ساتھ کیا ہوا؟ کل جب گھر سے نکلا تو راستے میں ایک بوڑھا فقیر رستے میں ملا، میں نے اسے کچھ روپے دینے کے لئے والٹ نکالا تو وہ انتہائی جرأت سے میرے ہاتھ سے والٹ چھین کر لے گیا، میں اتنا حیران تھا کہ کچھ کر بھی نہ سکا سوائے اس کا منہ دیکھنے کے اور وہ میرا والٹ چھین کے یہ جا وہ جا۔''

''اوہو، یہ تو بہت برا ہوا۔''

''ارے اچھا برا چھوڑیے، والٹ کا کیا ہے نیا آ جاتا اور کریڈٹ کارڈز بندہ فریز کروا دیتا ہے مگر اس والٹ میں لگی میری منگیتر کی تصویر کا کیا ہوتا، پہلے ہی اس نے کتنی مشکلوں سے دی تھی اور اگر اسے پتہ چل جاتا کہ میں نے اس کی تصویر کسی فقیر کے حوالے کر دی ہے تو وہ تو غصے کے عالم

میں آ کر شاید منگنی ہی توڑ دیتی۔'' وہ مظلومیت سے بتا رہا تھا، حبا بے ساختہ ہنس پڑی۔

''پھر آپ نے کیا کیا؟ بھاگ کر فقیر سے والٹ چھین لینا تھا؟'' حبا نے جیسے مشورہ دیا۔

''ارے نہیں چھوڑیے نا ان باتوں کو، سنیئے آگے کیا ہوا۔'' اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

''کیا ہوا؟'' حبا نے بے ساختہ پوچھا۔

''آج صبح وہ فقیر پھر سے مجھے مل گیا۔''

''تو پھر آپ نے اسے پکڑ کر لگائی تھیں نا دو چار۔'' وہ فوراً سے بولی، وہ ہنس پڑا۔

''وہ بے چارہ رو رہا تھا، میں نے کہا یار آج تو میرے پاس والٹ نہیں ہے، ابھی نیا نہیں لیا، تو وہ شرمندہ سا معافی مانگنے لگا، ہاتھ جوڑ کے بولا۔''

''صاحب مجھے معاف کر دو میرا چھوٹا بچہ ہسپتال میں داخل ہے، مجھے پیسوں کی ضرورت تھی اور اس کے علاج کے لئے پیسے نہیں تھے، اسی مجبوری کی وجہ سے میں یہ حرکت کرنے پر مجبور ہو گیا، میں نے اس میں سے بس اپنی ضرورت کے مطابق پیسے لئے ہیں اب آپ یہ واپس رکھ لیں۔''

مجھے دکھ اور افسوس تو بہت تھا پھر میں نے اسے کچھ اور پیسے دیئے کہ کام آئیں گے اور ساتھ ہی کہا کہ اگر کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو منہ سے کہہ دو، ضروری نہیں ہر شخص تمہیں معاف کر دے اگر کوئی اور ہوتا تو تمہیں جیل بھجوا دیتا۔

تو اس نے آگے سے ایسا جواب دیا کہ میں لاجواب ہو گیا، کہنے لگا۔

''صاحب! غریبی بد بو دار ہوتی ہے تبھی تو سب امیر لوگ غریبوں سے دور بھاگتے ہیں، اگر میں یہی التجاء کسی سے کرتا تو مجھے جھوٹا اور فریبی کہہ کر دھتکار دیا جاتا اور کبھی کوئی میری مدد کو نہ آتا، اس ملک کو اسی لئے کچھ بنتا نہیں کیونکہ اس کی جڑوں میں لوگوں کی خود غرضی بیٹھ گئی ہے۔''

وہ روتا ہوا کہہ کر ایک طرف کو چل دیا، اس کے چہرے پہ افسردگی کے آثار تھے، حبا نے افسوس سے سر ہلایا۔

''بہت بڑا سبق ہے ویسے، اس کی بات میں۔''

''ویسے آپ بتائیں آپ نے اس سارے واقعے میں سے کیا سیکھا؟'' اس نے یکدم سوال کیا۔

''یہی کہ ہمیں غریبوں کی مدد کرنی چاہیے۔'' وہ فوراً سے بولی، اتنا آسان سوال جو تھا۔

''یعنی ہر فقیر کو اپنا والٹ پکڑا دینا چاہیے؟'' اس نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا، حبا شرمندہ سی ہو گئی۔

''تو پھر......'' اس نے سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''کوئی آئیڈیا نہیں؟'' وہ پوچھنے لگا، حبا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''اس سے میں نے یہ سبق سیکھا کہ ہمیں دوسروں کی غلطیوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے، ہو سکتا ہے جو ہمیں جرم نظر آ رہا ہو وہی کام کسی کی زندگی کا ضامن ہو۔'' وہ گہرے لہجے میں بولتا ہوا اٹھا ڈاکٹر کی کرسی پر براجمان ہو گیا۔

حبا جو اس کی اتنی گہری بات میں کھوئی ہوئی تھی، چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''میں ڈاکٹر حیدر عباس، کہیے کیسی ہیں مسز اسید!'' وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بول رہا تھا، حبا ہکا بکا سی رہ گئی۔

''آپ ڈاکٹر......؟'' وہ اتنا ہی بول سکی، وہ پھر سے ہنسا۔

☆☆☆

کچھ ایسی بے سکونی ہے
وفا کی سرزمینوں پر!!
کہ جو اہل محبت کو......!!
سدا بے چین رکھتی ہے
کہ جیسے پھول میں خوشبو
کہ جیسے ہاتھ میں پارا
کہ جیسے شام کا تارا
محبت کرنے والوں کی......
سحر راتوں میں رہتی ہے
گماں کے شاخچوں میں
آشیاں بنتا ہے الفت کا
یہ عین وصل میں بھی ہجر کے
خدشوں میں رہتی ہے......!

''اور کتنی بڑی حقیقت ہے نا یہ...... کہ واقعی زندگی میں کچھ بیماریاں روح اور دل کی ہوتی ہیں، میں نوفل بن معصب ہمیشہ اپنی ماں کے دکھ میں روتا رہا، میری سائیکی طلال بن معصب سے یکسر مختلف تھی، وہ خوبصورتی کی تلاش میں سر گرداں رہا اور میں اس جانچ پرکھ میں لگ گیا کہ بدصورتی لوگوں کو کیونکر نہیں بھاتی؟''

''میں کوئی نفسیاتی مریض نہیں ہوں، ایک نارمل انسان تھا اور نہ ہی میں کوئی ایسا سیریل کلر ٹائپ کریکٹر تھا کہ لڑکوں کے جذبات سے کھیلتا، مگر ایک جستجو سی تھی یہ جاننے کی کہ آخر ایسا کیسے ہوگا کہ جیسے میرے پاپا کو، ایک نیگرس سے محبت ہوگئی تھی، تو اگر میں نیگرو ہوتا تو کیا، کوئی بھی لڑکی کوئی عام سی لڑکی، مجھ سے محبت نہیں کرسکتی تھی؟ مجھے اتنی حیران نظروں سے مت دیکھو میں جانتا ہوں میں نیگرو نہیں ہوں! مگر میں فرض کر رہا ہوں، میں سوچتا تھا کہ اگر کبھی ایسا ہوگیا تو تب، ہاں تب میں اپنے باپ کے تاریخی عشق کو Justify کرسکوں گا، کہ پاپا اگر آپ سے کوئی اتنی محبت کرسکتا ہے اور آپ کسی کو اتنا چاہ سکتے ہیں تو ہاں مجھے یقین آگیا، میں ایمان لایا اس حدیث پر۔''

''کسی عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔''

''میری تلاش جاری رہی، میں اپنی منزل تک کبھی نہ پہنچ پاتا تارا!!''

''اگر مجھے تم نہ ملتیں، میں نے تمہیں کسی دوسرے کا آلٹرنیٹ نہیں بنایا، شائی وانگ صرف میری پسند تھی اور تم میری پہلی نظر کا عشق!'' وہ بول نہیں رہا تھا، سحر پھونک رہا تھا، وہ آج بھی ساحر تھا۔

''میں تمہیں کسی دوسرے سے چھینا نہیں چاہتا تھا، کبھی بھی نہ ہی میں خائن ہوں، مگر تم مشکل میں تھیں اور یہ تو محبت کا قرینہ ہے کہ جس سے ہمیں پیار ہوتا ہے اس کی عزت کی حفاظت اولین ترجیح ہوتی ہے، تمہاری ملکیت میرے لئے اہم نہ تھی، تم خواہ جس کی مرضی ہوتیں، مگر تمہاری حرمت پر کوئی داغ مجھے برداشت نہ تھا، اگر مجھے ایک فیصد بھی یقین ہوتا نا کہ مہروز کمال تمہارے ساتھ برا نہیں کرے گا، تو میں اتنے انتہائی قدم کبھی نہ اٹھاتا، میں کسی کا گھر خراب کرکے اپنے آشیانے میں ہیرے سجانے کا قائل نہیں تارا!''

''میں تمہارے گھر پہ شب خون مار کر اپنے لئے خوشیوں کے خزانے نہیں خرید سکتا تھا تارا۔''

مگر حالات جس نہج پہ جا چکے تھے وہاں سے تمہیں چھٹکارا دلانا ازحد ضروری تھا، مجھے مہروز کمال کے سدھرنے کی امید نہیں تھی اور مستزاد اس کے رابطے جن لوگوں کے ساتھ تھے وہ ہرگز اچھے اور مہذب لوگ نہیں تھے تارا، میں نے یہ فیصلہ بھلے ہی جلد بازی میں کیا تھا مگر مجھے اس کے دوررس نتائج کا اندازہ پہلے سے ہی تھا۔

اگر میں اس انتظار میں رہتا کہ شاید وہ بہتر ہو جائے تو تب تک تمہارا بہت نقصان ہو جاتا، اس لئے بھی کہ مجھے یقین تھا کہ تم سے اس کا پیچھا چھڑانے میں ہی سب کی بہتری تھی۔

''مگر پھر وہی مسئلہ میرے سامنے تھا، میں اپنا جو امیج تمہارے سامنے شو کر چکا تھا کہ میں نیگرو ہوں، اس کا کیا کروں گا؟ میں تمہارے سامنے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں نے کچھ ''جانچنے'' اور ''تصدیق'' کرنے کے لئے یہ ڈراما کیا تھا، اس میں سراسر خسارہ میرا تھا، پہلی بات تو یہ کہ میں اپنا اعتبار تم پر کھو دیتا، تم کبھی میرا یقین نہ کرتیں، دوسری بات مجھے ڈر تھا کہ میری اصلیت جاننے کے بعد شاید تم کبھی مجھ سے نہ ملتیں اور میں اپنے خدشات اور اوہام کو حقیقی روپ دھارتے کبھی نہیں دیکھ سکتا تھا، میں نے پھر سے ایک پلان ترتیب دیا، مجھے تمہارے سامنے گمنام بننا تھا، غائب ہونا تھا، یوں کہ تم مجھے بزدل اور کمزور سمجھ کر ہمیشہ کے لئے بھول جاؤ اور میں نے اپنا کام اسٹارٹ کر دیا۔''

''میں نے خود سامنے آنے کی بجائے ایک نیگرو ڈمی کو خریدا اور اسے عائشہ آپی کے سامنے پیش کر دیا، میں نے سب کچھ اس طرح مکمل راز داری اور مہارت سے کیا کہ کسی کو شک نہیں ہو سکا، پھر میں نے واپس کے لئے پر تولنے اسٹارٹ کر دیئے، پاپا کو میرے فیصلے کی خوشی تھی۔''

''اس کے بعد کی کہانی تو تمہارے علم میں ہے، مگر یہاں ایک چیز واضح کر دوں۔''

''میں نے شادی کے بعد بھی تم سے نوفل صدیق کی شناخت چھپائی تو اس کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ میں تمہارا بھروسہ نہیں کھونا چاہتا تھا تارا! مجھے احساس تھا کہ اگر ایسا کچھ ہوا تو میں ہمیشہ کے لئے تمہیں کھو دوں گا۔''

''تمہیں یاد ہے میرے اور تمہارے درمیان پہلا رشتہ احساس کا بنا تھا تارا! اور اگر یہ احساس ختم ہو جاتا تو باقی کیا بچتا تارا؟ میں تو دونوں ہاتھوں سے خالی رہ جاتا نا؟ اور تم نے بھی تو یہی سوال کیا تھا نا مجھ سے کہ میں نے تمہیں بے وقوف بنایا، نہیں تارا خدا گواہ ہے میرا ایسا کوئی مقصد نہ تھا، مجھے یقین آگیا کہ اگر دو تم طرف بدبودار کھنکھناتی مٹی سے بنائے گئے انسان شکل و صورت کے احساس سے بالاتر ہو کر ایک دوسرے سے محبت کر سکتے ہیں تو وہ رب اپنے بنائے ہوئے بندوں سے کیسے بلا فرق و لحاظ اور بلا تخصیص محبت کرتا ہے مجھے تب سمجھ آیا تارا جب میں نے اس پارک میں ''نوفل'' کے لئے تمہیں روتے دیکھا، مجھے اس رب کے انصاف پہ یقین آ گیا تارا!''

''مجھے یقین آ گیا تارا کہ رب نے مجھے نامراد نہیں رکھا، اگر میں نے اپنی ماں سے والہانہ محبت کی تھی تو اس نے بھی میری قسمت میں تمہاری محبت لکھی تھی، اتنی خالص، بے لوث اور بے غرض محبت، جسے دنیاوی آسائشوں اور خوبصورتی کے گھمنڈ کی ضرورت نہ تھی، مجھے تم پر فخر ہوا تھا اس دن......!!! مجھے خود پر فخر ہوا تھا اس دن! مجھے تم سے اتنی محبت تھی تارا کہ مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا تھا کہ تم کسی اور کی ہو جاتیں، میں خودغرض نہیں تھا تارا! مگر پھر تمہیں اپنا بنانا اس لئے ضروری تھا کہ اگر پھر سے تم کسی ناقدرے اور بے حس انسان کے پاس چلی جاتیں تو تب میں کیا کرتا؟ تب میں نے سوچا کہ کیا میں اس قابل نہیں تھا کہ تمہیں اپنا بنا سکوں؟ جبھی میں نے حیدر کو اس معاملے میں ڈالا، آگے سب کچھ میری توقع سے زیادہ آسان ہوتا گیا۔''

''تم میری بن گئیں اور میں مغرور ہو گیا،

سب کچھ بھول گیا، میں نے کیسے سوچ لیا کہ سچ ہمیشہ چھپا رہے گا؟"

"سچ سامنے آیا اور بڑے خوفناک مقام پر آیا، یوں کہ میرے ہاتھ سے سب نکل گیا، دیکھو نا تارا میرے ہاتھ خالی ہیں، یہ دیکھو۔" اس نے خالی ہتھیلیاں تارا کے آگے پھیلا دیں۔

"تمہارا مجرم حاضر ہے تارا، جو چاہے سزا دے لو۔" وہ انتہائی افسردہ اور غمگین تھا۔

ستارا نے اپنی آنکھوں ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے ہوئے اسے دیکھا اور پھر اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

تمہیں مجھ سے محبت ہے
سمندر سے کہیں گہری
ستاروں سے سوا روشن
پہاڑوں کی طرح قائم
ہواؤں کی طرح دائم
کہو! مجھ سے محبت ہے

وہ اس کے ہاتھ کھینچ کر کہہ رہی تھی، نوفل نے بے ساختہ مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

یہ سچ ہے نا!
مجھے تم سے محبت تھی
مجھے تم سے محبت ہے......!

وہ اس کے ہاتھ چومتے ہوئے دیوانگی سے کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

"زندگی میں بہت سے لمحے ایسے بھی آتے ہیں جب یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل لگتا ہے کہ ہم کتنے پرسنٹ غلط ہیں اور اگر ہیں تو خود کو ٹھیک کیوں نہیں کرتے؟ دوسرے صرف ہماری غلطیاں بتا سکتے ہیں ہمیں، خود کو درست ہمیں خود ہی کرنا ہوتا ہے، آپ کو یاد ہے شاہ بخت کہ آپ کا سب سے بڑا مسئلہ کیا رہا ہے ماضی میں؟ آپ کا غصہ! آپ بے حد اینگریسو ہیں، چونکیے مت اور نہ ہی یہ سوچیئے کہ مجھے یہ سب علینہ نے بتایا ہوگا، مجھے یہ سب پہلے سے پتہ ہے کیوں کہ میں ڈاکٹر سلطان کا ازحد کلوز فرینڈ اور اسٹوڈنٹ ہوں، آپ کا سارا کیس وہ پہلے بھی مجھ سے ڈسکس کرتے رہے ہیں اور آپ کو یاد دلاتا چلوں کہ پولیس کیس میں جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد آپ کا ٹکراؤ بھی مجھ سے ہی ہوا آپ کو انتہائی انجرڈ حالت میں ڈاکٹر سلطان کے کلینک لے کر جانے والا بھی میں ہی تھا۔"

"مجھے یہ بتانے دیجیے کہ آپ کا معالج بھلے ہی میں نہیں ہوں مگر پھر بھی میں آپ سے یہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ دوسروں کو اپنے قریب آنے کا موقع دیجیے شاہ بخت!" وہ انتہائی ملائم اور نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

"وہ سب ماضی میں ہوئے کلیشز جن کی وجہ سے آپ سمیت سب گھر والے ڈسٹرب ہوئے ان کی وجہ سے علینہ کے اندر کہیں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ اگر اس نے کبھی بھی آپ کے Against جانے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ کبھی بھی اچھا نہیں نکلے گا، جبھی وہ صرف ہر قیمت پر آپ کو خوش رکھنا چاہتی ہے، آپ کی ناراضی اس کے لئے موت ہے، وہ آپ سے اس قدر ڈرتی ہے کہ آپ کی مرضی کے خلاف کھانا تک نہیں کھاتی، اس سے زیادہ کیا کہوں؟"

"مگر میں نے شادی کے بعد تو اس پر غصہ نہیں کیا نا؟" وہ حیرت زدہ سا بول پڑا۔

"میں کب کہہ رہا ہوں کہ ایسا ہے، ایسا یقیناً نہیں ہے، مگر آپ کو ایک بات بتاؤں شاہ بخت، وہ بہت کم عمر ہے، امیچور ہے جذباتی ہے اور بے وقوف تو حد سے زیادہ ہے، وہ خود سے باتیں سوچتی ہے، Assume کرتی ہے اور پھر انہی پر یقین کر کے بیٹھ جاتی ہے، آپ کو اسے بدلنا ہوگا شاہ بخت آپ بہت اچھے ہیں کیوں کہ آپ اس سے بے تحاشا محبت کرتے ہیں مگر یاد رکھیں۔"

"بیوی کو صرف سینے سے لگانا اصل مردانگی نہیں، اصل مردانگی یہ ہے کہ اس کا دل جیتا جائے اس کا بھروسہ بن جایئے اس کا مان بن جایئے، اس کے بہترین دوست بن جایئے، تاکہ اسے آپ سے متعلق اپنی محبت اور شدت کسی دوسرے کو نہ بتانی پڑے وہ آپ سے سب کچھ شیئر کر سکے، بلا خوف وخطر، اسے اتنا یقین دیجیے کہ وہ اپنی ذات میں معتبر ٹھہرے۔"

"اور میں سمجھتا ہوں اگر آپ یہ کر گئے تو ایک کامیاب ازدواجی زندگی کا سفر بہت سہل اور آسانی سے کٹ جائے گا۔" حیدر نے لفظ لفظ امرت اس کے اندر انڈیلا تھا۔

شاہ بخت کے چہرے پر متاثر کن جگمگاہٹ تھی، وہ سوچ رہا تھا کہ وہ واقعی صحیح طور پر متاثر ہوا تھا اس ڈاکٹر سے، اس میں واقعی کوئی بات تھی، وہ واقعی مسیحا تھا، اسے اس کے سوالوں کے جواب مل گئے تھے، وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ میری انگیج منٹ کا کارڈ، لو میرج ہے، ضرور آیئے گا۔" حیدر نے ایک کارڈ اسے پکڑاتے ہوئے ایک آنکھ شرارتی انداز میں میچ کر کہا تھا، شاہ بخت زور سے ہنس پڑا پھر بے ساختہ اس سے بغلگیر ہو گیا۔

☆☆☆

تم وہی ہو جس سے مل کر زندگی اچھی لگی
یہ جہاں اچھا لگا یہ روشنی اچھی لگی
میرے آنگن میں کوئی سایہ سا لہراتا رہا
چاند بھی اچھا لگا اور چاندنی اچھی لگی
قطرہ قطرہ یاد تیری دل میں گھر کرنے لگی
تیرا پیکر تیری باتیں اور ہنسی اچھی لگی
کتنے چتوں نے جھکائے سر تمہاری راہ میں
یہ بدلتے موسموں کی بندگی اچھی لگی
ایک مدت بعد مجھ کو اپنا گھر اچھا لگا
بام و در اچھے لگے کھڑکی کھلی اچھی لگی
اس سحر سارے چمن کا روپ تھا نکھرا ہوا
پھول اچھے اور ان کی تازگی اچھی لگی

حبا نے مسکرا کر خود کو آئینے میں دیکھا اور طمانیت کا احساس اس کے اندر تک اتر گیا۔

ہر چیز خوبصورت تھی، باہر سے گاڑی کا ہارن بجنے کی آواز آئی، شفق اس سے پہلے ہی "بابا" کا نعرہ لگاتی ہوئی باہر بھاگ گئی، وہ بھی مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے تھی، پورچ تک پہنچتے پہنچتے اس نے دیکھا۔

اسید کی گاڑی رک چکی تھی، وہ گاڑی سے اتر کر اندر کی طرف بڑھ آیا، فل یونیفارم میں اپنے باوقار اور خوبصورت وجود کے ساتھ وہ آج بھی حبا تیمور کے دل پہ حاکم تھا۔

شفق بھاگتے ہوئے اس سے لپٹ گئی، ساڑھے تین سالہ شفق اس وقت دو پونیاں بنائے گلابی رنگ کی خوبصورت فراک پہنے باربی ڈول شوز پہنے بہت پیاری لگ رہی تھی، اسید نے اسے بازوؤں میں اٹھا لیا اور اب وہ باری باری اس کے دونوں گالوں پر پیار کر رہا تھا، حبا کے لئے یہ نظارہ بڑا پرسکون کر دینے والا تھا، وہ بھی آہستہ سے آگے بڑھی تھی۔

اسید چلتے ہوئے اس کے مقابل آ گیا، پھر مسکرا کر اسے دیکھا وہ اس وقت ہلکے پیلے رنگ کے فراک میں تھی جس کے ساتھ سفید ہی پاجامہ اور سفید دوپٹہ تھا۔

اسید کے اندر خوشی بھر آئی، وہ ایک ہیپی فیملی کا ایک مکمل عکس تھا، بجی بنی سی اس کی بیوی اور اس کے کندھوں پر چڑھی سرگوشیاں کرتی اس کی ننھی

سی گڑیا جیسی بیٹی، اس نے ایک بازو حبا کے گرد پھیلا دیا، یوں کہ وہ اس کے حصار میں آ گئی۔

''کیسی ہو؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''بالکل ٹھیک ہوں، آپ کا دن کیسا رہا؟'' حبا نے فدویانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بہت مصروف تھا دن، بہت تھکن تھی، مگر اب تھکن اتر گئی ہے۔'' وہ نرمی سے اس کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''وہ کیسے؟'' وہ مسکرا دی، انداز شوخ تھا۔

''بس جو دل کا سکون ہیں ان کی پیاری صورتیں دیکھ لیں، تو تھکن بھاگ گئی۔'' وہ بہت مان سے کہہ رہا تھا۔

حبا کے اٹھتے قدم کہکشاؤں پہ تھے، وہ اندر آ گئے، شفق اب اس سے الگ ہو کر لاؤنج میں بھاگ دوڑ کر رہی تھی۔

وہ اس کو چینج کرنے میں ہیلپ آؤٹ کرنے لگی، کچھ دیر بعد وہ شاور لے کر آ گیا، لائٹ اسکائے کلر کے شلوار قمیض میں نکھرا نکھرا سا وہ باہر آیا تو حبا ایک دل نواز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی سمت چلی آئی، اس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کے کف لگانے لگی۔

''آج شفق بہت ضد کرتی رہی۔'' حبا آہستہ سے اسے بتا رہی تھی۔

''ضد کس بات پر؟'' وہ حیران ہوا۔

''کہہ رہی تھی ماما مجھے باتیں کرنے والی باربی ڈول لا کر دیں۔'' حبا اسے بتاتے ہوئے ہنس رہی تھی۔

''پھر تم نے کیا کہا؟'' وہ بھی ہنسا۔

''میں نے کہا، بیٹا! باربی ڈول تو آپ خود ہو نا، باتیں کرنے والی، تو آپ جیسی دوسری کوئی کیسے ہو سکتی ہے؟'' حبا نے کہا۔

''پھر؟'' اسید نے دلچسپی سے اسے دیکھا، جو کہ اب اس کے فرنٹ والے بٹن بند کر رہی تھی۔

''پھر وہ بہت خوش ہوئی کہنے لگی، ماما میں تو ون اینڈ اونلی ہوں۔'' حبا اور اسید دونوں کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''وہ واقعی ون اینڈ اونلی ہے۔'' اسید کے لہجے میں گہری محبت تھی۔

''آپ کی بیٹی ہے نا؟'' وہ فخر سے بولی تھی۔

''اور تم ہمسائیوں کی بالکل نہیں ہو، تم بھی میری ہی ہو بے وقوف۔'' اسید نے اس کا گال چھو کر اسے خود سے قریب کیا اور موبائل اونچا کر کے اس یادگار لمحے کی یاد کو ہمیشہ کے لئے قید کر لیا تھا۔

☆☆☆

واپسی کا سفر بڑا عجیب تھا، رات کا آخری پہر تھا، اس نے ستاروں سے سجے آسمان کو دیکھا۔

ستاروں سے بھرے اس آسمان کی
وسعتوں میں
مجھے اپنا ستارا ڈھونڈنا ہے
فلک پر کہکشاں در کہکشاں
اک بے کرانی ہے
نہ اس کا نام ہے معلوم
نہ کوئی نشانی ہے
بس اتنا یاد ہے مجھ کو، ازل کی صبح جب
سارے ستارے الوداعی گفتگو کرتے ہوئے
رستوں پہ نکلے تھے
تو اس کی آنکھ میں اک اور تارا جھلملایا تھا
اسی تارے کی صورت کا
میری بھیگی ہوئی آنکھوں میں بھی

اک خواب رہتا ہے
میں اپنے آنسوؤں میں
اپنے خوابوں کو سجاتا ہوں
سنا ہے گمشدہ چیزیں
جہاں پہ کھوئی جاتی ہیں
وہیں سے مل بھی جاتی ہیں

مگر اسے اس کی کھوئی ہوئی علینہ وہاں نہیں ملی تھی، وہ حواس باختہ سا کمرے کے وسط میں کھڑا ادھر اُدھر دیکھتا رہ، ہر چیز ویسی ہی تھی، علینہ کے شاپنگ بیگز وہیں رکھے تھے اور وہ گلابی چمک دمک والی ساڑھی بھی وہیں رکھی تھی، مگر وہ کہیں نہیں تھی، اسے نے باتھ روم کا دروازہ دھکیلا وہ خالی تھا، وہ آگے بڑھا، ٹیرس کی سلائیڈنگ ونڈو بھی بند تھی، اس نے پھر بھی دھکیل کر کھولا اور پردے پیچھے ہٹا دیئے مگر وہ بھی خالی تھا، اس کا دل گھبرانے لگا، وہ کہاں تھی، وہ باہر نکل آیا، اب اس کے قدم اسٹڈی کی طرف تھے، اس نے وہاں بھی دیکھا، لاؤنج میں بھی کوئی نہیں تھا۔

وہ چند لمحے خالی الذہنی کے عالم میں کھڑا رہا، پھر بے ساختہ علینہ کے کمرے کی طرف بھگٹ بھاگا، دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے ذرا سا سانس لیا اور پھر دروازہ آہستہ سے دھکیلا، وہ کھل گیا، وہ اندر داخل ہو گیا، کمرے کی لائیٹس آف تھیں البتہ زیرو کا بلب جل رہا تھا، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

بیڈ خالی تھا اور رائٹنگ ٹیبل کے آگے رکھی چیئر پہ علینہ بیٹھی تھی وہ اور آگے بڑھ آیا۔

اور پھر اسے جھٹکا لگا، علینہ کا سر ٹیبل پہ ٹکا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس کے گال آنسوؤں سے بھیگے تھے، شاید وہ روتے روتے سو گئی تھی، اس کے آگے ایک ڈائری کھلی تھی، اس نے وہ اٹھالی۔

ایک ورق الٹا، پھر دوسرا، پھر تیسرا، وہاں صرف ایک نام تھا۔

''شاہ بخت!'' مختلف رنگوں سے سجا اس کا نام اور جب ان کی شادی ہو گئی تب اس کے بعد باقی ورق بھی اسی کے نام سے بھرے تھے۔

''میرا بخت۔'' وہ کسی چمکدار سیاہی والی بال پوائنٹ سے لکھے گئے تھے، جبھی کم روشنی کے باوجود ان میں افشاں سی چمکتی دکھائی دیتی تھی۔

ایک چپ وہ تھی جو اسے ڈاکٹر حیدر کے سامنے لگی تھی مگر اب کی بار تو اسے لگا تھا کہ وہ گونگا ہو گیا ہو، کیا اب بھی اسے کسی جواب کی ضرورت تھی؟

اس نے آہستہ سے ڈائری واپس رکھ دی اور علینہ کو دیکھا، پھر ذرا سا جھک کر اس کے گال پہ لگے آنسوؤں کو صاف کیا، وہ ہلکا سا کسمسائی۔

''علینہ میری جان!'' بخت نے اس کے کان میں سرگوشی کی اس کی بند پلکیں ہلکا سا لرز کر کھل گئیں، بخت نے اس کے شانوں پر ہاتھ پھیلاتے ہوئے اسے کرسی سے اٹھایا اور ساتھ لگا لیا اور اسے سامنے پا کر ایک دم بکھر گئی۔

''تم کہاں چلے گئے تھے بخت؟ میں بہت اداس تھی اور بہت پریشان بھی، تم ایسے کیوں گئے تھے، تم ناراض ہو مجھ سے؟'' وہ اس کا کالر جکڑے رو پڑی تھی۔

''عینا میری جان! میں بالکل ناراض نہیں تم سے اور سنو! تم میری زندگی ہو، تم سے ناراض ہوا تو مر جاؤں گا نا۔'' وہ اس کی نم پلکوں کو چومتا ہوا دیوانگی سے بولا تھا، پھر اسے لے کر بیڈ کی طرف آ گیا۔

''آؤ آج تمہارے کمرے میں ہی سو جاتے ہیں، صبح جب سب پوچھیں گے تو کہہ دیں گے کہ علینہ کا میکے آنے کا موڈ تھا۔'' وہ ہنستے

ہوئے کہہ رہا تھا۔
علینہ کی مدھم سی ہنسی نے اس کا ساتھ دیا، بیڈ پہ بیٹھتی ہوئی وہ ایکدم چونکی۔
''بخت! وہ میری ڈائری۔'' اس نے میز کی طرف دیکھا۔
''تم نے دیکھ لی؟'' وہ بے ساختہ پوچھ رہی تھی، شاہ بخت نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے دیکھا۔
''کیوں میں نہیں دیکھ سکتا؟'' اس نے پیار سے پوچھا۔
''میں نے ایسا کب کہا؟'' وہ گھبرا گئی۔
''میرے پاس خود بہت کچھ ہے تمہیں دکھانے کو۔'' بخت اب بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر سیدھا ہو رہا تھا۔
''کیا؟'' وہ حیران ہوئی۔
''تمہاری چیزیں ہمیشہ ہی خریدتا رہا، جب بھی کہیں گیا، ضرور لے کر آیا، شرٹس، ٹراوزرز، کلر فل پنسلیز ہیر پنز، کی چینز، بریسلٹ اور بہت کچھ، وہ جو خانہ مقفل ہے نا وارڈ روب کا اس میں۔'' وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا اور علینہ اپنی آنکھیں حیرانی سے کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔
''اور کتنے برے ہو نا، مجھے بتایا نہیں۔'' اس نے ننھے سے ہاتھ کا پنچ مار کر اسے گھورا تھا، شاہ بخت کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

☆☆☆

اور ایک سہانی صبح ستارا نے نوفل کی ٹائی باندھتے ہوئے بڑی عجیب سی بات کی تھی۔
''ہم چاہتے ہیں کہ ہماری غلطیوں کو معاف کر دیا جائے اور ہماری خطاؤں کو درگزر کر دیا جائے، ہمیں رعائیت دی جائے مگر ہم خود کسی کو رعایت کیوں نہیں دیتے نوفل؟'' نوفل نے اس کے ہاتھ تھام کر اسے وہیں روک دیا۔
''کیا کہنا چاہتی ہو تارا؟'' وہ جیسے بات کا پس منظر سمجھ نہ پایا تھا۔
''یہی کہ آپ منصف نہ بنیں، طلال کے معاملے میں دل کو وسیع کریں، اسے معاف کر دیں، میں چاہتی ہوں ہم اسے گھر لے آئیں، یہاں اپنے پاس رکھیں، ورنہ وہ خود کو برباد کر دے گا۔'' وہ نرمی اور ملائمت سے کہہ رہی تھی مگر اس کے انداز میں التجاء نہیں تھی، نوفل کا چہرہ پتھر کے بت میں ڈھل گیا، سخت اور غیر متغیر۔
''اور اگر میں ایسا نہ چاہوں تو؟'' اس نے کہا۔
''یہ میری خواہش ہے نوفل، کوئی ضد یا ڈیمانڈ نہیں ہے، مگر مجھے دکھ ہوگا کہ نوفل صدیق، جو بڑا مہربان اور دوسروں کی مدد کرنے والا ہے وہ کسی کو یوں بربادی کی دلدل میں نہیں دھکیل سکتا۔'' وہ گہرے یقین سے بولتی باہر نکل گئی۔
اور اس شام بہت عرصے بعد یا شاید کئی سالوں بعد صدیق احمد شاہ نے اپنے بڑے سے گھر کے گیٹ سے اپنے دونوں بیٹوں کو داخل ہوتے دیکھا تو خوشی سے گنگ رہ گئے۔
نوفل نے طلال کو بازو سے جکڑا ہوا تھا جو شرمندہ اور قدرے جھینپا ہوا لگ رہا تھا۔
''پاپا پکڑ لیجئے اپنے بگوڑے بیٹے کو، ایئر پورٹ سے پکڑ کر لایا ہوں اور شکر کیجئے کہ یہ جناب آرام سے ہی آ گئے ورنہ میں نے تو سوچا تھا کہ اس پر ہیروئن سمگل کرنے کا الزام نہ لگوانا پڑ جائے۔'' نوفل قہقہہ لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
صدیق احمد نے بے ساختہ دونوں بیٹوں کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

☆☆☆

گھر میں خوب رونق تھی، وہ سب اسلام آباد اکٹھے ہوئے تھے ناشتے کی ٹیبل پر شفق نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا تھا، تیمور اس سے دریافت کر رہے تھے کہ۔
''یار اسید! کیا مسئلہ ہے کیا پرابلم ہے تمہارے یہاں شفٹ ہونے میں؟''
''کچھ کہہ نہیں سکتا پاپا، بس ہائی اتھارٹیز نہیں ہیں اس تبادلے کے حق میں، وہ نہیں آنے دیتے۔'' وہ ہنستے ہوئے مجبوری بتا رہا تھا۔
''ہاں ایک تم ہی تو قابل افسر ہو ناں جیسے جس کے دم سے ملک چل رہا ہے۔'' مرینہ نے جل کر کہا، سب ہنس پڑے، اسید نے بے ساختہ ماں کا ہاتھ تھام لیا۔
''ایسا نہیں ہے نا ماما سچ میں، میں خود کب سے کوشش کر رہا ہوں مگر آپ کو پتا ہے نا کہ اسلام آباد کیپٹل ہے یہاں کافی کھینچا تانی ہوتی پوسٹنگ کے لئے، مگر پھر بھی بات کر رہا ہوں اس سال کے آخر تک میں آپ لوگوں کے پاس ہوں گا انشاء اللہ۔'' اس نے پورے یقین سے کہا۔
''انشاء اللہ پاپا۔'' شفق اس کا گال چوم کر انشاء اللہ کا ورد کرتی باہر نکل گئی، سب بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔
''ابھی تو ماما ہمارے ساتھ ہی جائیں گی۔'' حبا نے دھونس سے کہا۔
''ضرور بیٹا، میں بھی تھوڑا آزاد محسوس کروں گا۔'' تیمور نے تنگ کرنے کی خاطر شرارتی انداز میں کہا تو اسید ہنس پڑا۔
''یہ بھی آپ کا بس ابھی کا بیان ہے، میرے ادھر جانے کی دیر ہے آپ نے پیچھے پیچھے چلے آنا ہے اگلی فلائٹ سے۔'' مرینہ نے جل کر انکشاف کیا تو ایک بار پھر سب ہنسے تھے۔
''چلیں ماما آپ تو لکی ہیں نا؟ پاپا آپ کے پیچھے تو آئیں گے، انہیں دیکھیں فرصت ہی نہیں ہو گی۔'' حبا نے مصنوعی خفگی سے اسید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔
''ارے یار! میں مصروف بندہ ہوں نا، پیچھے کیوں آؤں گا، فون کر کے فلائٹ رکوا لوں گا نا کہ یار و میری بیوی کو واپس بھیج دو اپنا گزارہ نہیں اس کے بغیر۔'' وہ فدویانہ انداز میں کہہ رہا تھا، حبا اس بار خوشی سے ہنس پڑی تھی۔

☆☆☆

وہ آج شادی کے بعد پہلی مرتبہ اسید کے کمرے میں آئے تھے، حبا کو یاد تھا، اس نے محبت سے اس کمرے کو دیکھا اور اطمینان سے اٹھ کر رات کی تیاری میں مشغول ہو گئی، جب اسید اندر آیا وہ بالوں کو برش کر کے اپنے نائٹ سوٹ کے گاؤن کی ڈوریاں باندھتی اس کی سمت چلی آئی، جو کہ وارڈ روب کے پٹ کھولے کھڑا تھا، وہ ایک پٹ سے ٹیک لگا کر اسے قطرہ قطرہ دل میں اتارنے لگی، اس کے سامنے اس کا عشق تھا۔
''شفق کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا، نظریں اس کا صدقہ اتارا کرتی تھیں۔
''ماما کے پاس ہے، تمہیں تو پتا ہے نا کہ وہ یہاں آ کر ہمیں بالکل بھول جاتی ہے۔'' وہ ہنوز مصروف سا بتا رہا تھا۔
''ہاں یہ تو ہے۔'' حبا نے مسکرا کر کہا اور پھر سے پلٹ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی، پھر اس نے جھک کر کسی ربڑ بینڈ کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں اور جب سیدھی ہوئی تو اسید سے ٹکرا گئی، جو اس کے بالکل پیچھے کھڑا تھا، وہ حیران ہوئی۔
''ہیپی برتھ ڈے جاناں۔'' وہ اسے بازوؤں کے حصار میں لے کر اس کے کانوں پر ہونٹ رکھ کر کہہ رہا تھا۔
حبا سرپرائزڈ سی رہ گئی، اسید نے اس کی

طرف ایک گفٹ پیک اور کارڈ بڑھایا تھا، وہ بمشکل اپنی حیرت اور خوشی پہ قابو پاتی ہوئی ہنستی ہوئی کارڈ پکڑ کر کھول رہی تھی، بہت بے تابی سے اور پھر اس نے اسید کی خوبصورت ترین ہینڈ رائٹنگ میں اس کی آنکھوں میں زندگی اتارتے الفاظ پڑھے۔

"My dearest wife hiba!"۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''آپ کو یاد تھا۔'' وہ خوشی سے کپکپاتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''مجھے تو بالکل بھول گیا تھا۔'' وہ بتا رہی تھی اور اسے یاد تھا کہ کسی طرح شادی سے پہلے اس کی کتنی برتھ ڈیز وہ ہمیشہ اس کے انتظار میں ہی گزار دیا کرتی تھی اور اب اتنا غیر متوقع سرپرائز اس کے لئے از حد خوشگوار اور خوبصورت تھا۔

اسید نے گفٹ ریپ کھولا اور اس میں سے ایک خوبصورت رنگ نکال کی پھر اس نے مسکرا کر حبا کو دیکھا اس نے ہاتھ آگے کر دیا، اسید نے اس کے ہاتھ میں رنگ پہنا دی، حبا نے اس کے کندھے سے سر ٹکا دیا۔

''بہت زیادہ خوشی ہے یہ میرے لئے، میرے پاس تھینکس کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔'' وہ محبت سے چور لہجے میں کہہ رہی تھی، اس نے کوئی جواب دینے کی بجائے اس کی پیشانی پہ لب رکھ دیئے تھے۔

سجتے رہنا جھومر بن کر ماتھے پر
مجھ سے یہ سنگھار کبھی واپس مت لینا

☆☆☆

''مغل ہاؤس'' میں رمشہ کی شادی کی تقریبات کا آغاز ہو چکا تھا، سب لوگ خوش خوش سے شامل حال تھے، علینہ اور بخت نے بھی اس موقع پر اپنی ساری ناراضی ختم کر دی تھی اور انتہائی خلوص دل سے حصہ لیا تھا، جبکہ عباس اور سبین بھی ''ڈیسنٹ کپل'' کی صورت میں ایک طرف موجود تھے، طلال، نوفل اور ستارا بھی آئے تھے اور یہ کیسے ممکن تھا کہ حیدر کو نہ بلایا جاتا نتیجتاً وہ اور علینہ بھی اس پر رونق تقریب کا حصہ تھے، سب مل کر ہنسی مذاق اور قہقہوں میں مگن تھے۔

علینہ کو خوش دیکھ کر حیدر اندر سے بے حد مطمئن تھا، اگر اس نے کوئی بھی لفظ فالتو یا غلط جگہ پر استعمال کر دیا ہوتا تو شاہ بخت کا ردعمل کیا ہوتا؟ اسے یاد تھا اس نے شاہ بخت کے گلے مل کر کیا کہا تھا۔

''میں ایک معالج ہوں شاہ بخت، ایک ڈاکٹر جس کا کوئی مذہب کوئی عقیدہ اور کوئی جنس نہیں ہوتی، میرے نزدیک سب لوگ سب انسان ہیں میں ان کو مرد و عورت کی تفریق میں نہیں جانے دیتا، مجھے سب کا دوست بننا پڑتا ہے، ورنہ لوگ جو اپنے نفسیاتی مسائل میں الجھے ہوتے ہیں کبھی مجھ سے کچھ شیئر نہ کریں اور ہمیشہ یاد رکھیئے گا علینہ میرے نزدیک ایک انسان ہے، ایک ڈسٹرب ذہن والی کلائنٹ اور بس، باقی میرا اس کے ساتھ اور کوئی رشتہ نہیں۔'' حیدر نے بہت احترام اور تسلی بھرے انداز میں اسے باور کروا دیا تھا، کہ شاہ بخت کے اندر اٹھتے سوال اندر ہی دم توڑ گئے، وہ سمجھ گیا کہ علینہ نے بھی خود ہی اسے دوست کہا تھا ورنہ ان دونوں میں کہاں کی دوستی؟

اور اس نے بڑی خوبصورتی سے ساتھ ہی اسے اپنی انگیج منٹ پر بھی انوائٹ کر لیا تھا، حالانکہ مہک سراسر گھر والوں کی پسند تھی، مگر بخت کے سامنے اپنی سائیڈ سیکور کرنے کے لئے اس نے بڑے آرام سے لو میرج کا نام دے دیا تھا وجہ؟ تھی نا!

وہ ہر صورت علینہ کو بچانا چاہتا تھا، اسے

خوش دیکھنا چاہتا تھا اور سبین کے ساتھ بیٹھے عباس نے بھی تو یہی سوچا تھا۔

''سبین! اب مجھے لگ رہا ہے، ان دونوں نے مل کر ہمیں بے وقوف بنایا ہے، دیکھیں نا، کتنے خوش ہیں ساتھ میں اور شادی سے پہلے یوں لڑتے تھے جیسے جانی دشمن ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا، سبین نے مسکراتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ٹھیک کہتے ہیں، مجھے بھی تو یہی لگتا تھا کہ خدا معلوم کیا بنے گا میرا؟ بہت ڈر تھا میرے اندر اس بات کا، کہ آپ نے پتا نہیں کن مقاصد کے لئے مجھ سے شادی کی تھی؟'' وہ ہنستے ہوئے اسے شادی کے ابتدائی دنوں کی سوچ بتا رہی تھی۔

''بڑے نیک مقاصد تھے اب تک تو پتا چل گئے ہوں گے آپ کو۔'' عباس نے شرارتی انداز میں کہا تھا، سبین جھینپ گئی۔

''ہاں لگ گئے ہیں پتا، بس آگے تفصیل میں کیا جاتا؟'' وہ شرما گئی، عباس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

☆☆☆

''کاسہ دل'' ٹوٹے بکھرے لوگوں کی کہانی تھی اس کے کردار افسانوی خلائی مخلوق کی طرح مکمل اور خامیوں غلطیوں سے مبرا نہ تھے، ان سب کے ساتھ مسائل تھے، ان سب کے ساتھ مصائب تھے۔

''شاہ بخت!''

جس کو یہ ہی سمجھ نہ آتا تھا کہ سب اس سے اتنا پیار کیوں کرتے ہیں اپنے غصے کی حقیقت کو جان کر بہت دیر کڑھتا رہا، کیونکہ بھلے ہی وہ خوبصورت تھا، اچھا تھا مگر مکمل تو نہیں تھا، اس نے اسے انا کا مسئلہ نہیں بنایا، خود کو سمجھایا اور خود کو قابو کیا تھا۔

''علینہ احمد مغل۔''

بہت دبو اور کمزور کسی حد تک کنفیوژڈ لڑکی! مگر اسے جب شاہ بخت کا اعتماد ملا تو اس کی شخصیت نکھر گئی، بخت نے اسے سمیٹ لیا تھا، اسے اپنے اندر گم کر لیا تھا، اس نے اسے گھریلو معاملات میں نہیں الجھایا تھا مگر اپنے تک ضرور محدود کر لیا تھا وہ اس پر فخر کرتی تھی، اس کے ساتھ ہنسی تھی، اس کی دوست تھی اور سارا دن وہ گھر نہ بھی ہوتا تب بھی اس کے اندر گم رہتی تھی، اس کے لئے مصروف رہتی تھی۔

''عباس احمد مغل'' ایک دریا دل اور پاکیزہ نفس انسان، اس نے جتنی فراخدلی سے سبین احتشام کو سمیٹا تھا اتنی اعلیٰ ظرفی سے شاہ بخت کی بے وقوفیوں کو بھی معاف کر دیا تھا، کیونکہ زندگی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر چلتی ہے اور اگر شاہ بخت اس کی بہن کو اتنی عزت دے رہا تھا تو وہ کیوں پیچھے رہتا؟

''رمشہ احمد مغل'' اپنے غصے لڑائیوں اور شاہ بخت سے سخت ناراضی کو بھول بھال کر سسرال میں مگن تھی، ویسے بھی اس کے پاس اب کہاں وقت تھا کہ مڑ کر پیچھے دیکھتی، ہاں جب اسے شاہ بخت کے حوالے سے اپنی پسندیدگی یاد آتی تو وہ سر جھٹک کر سوچتی۔

''بچپن میں انسان کیا نہیں کرتا؟ میں کتنی بے وقوف تھی نا۔''

''اسید مصطفیٰ۔'' ایک کامیاب اور نامور سی ایس پی، اپنے محکمے کا دی موسٹ وانٹڈ اور دی موسٹ ڈیمانڈنگ آفیسر! زندگی سے اس نے بہت ٹھوکری کھائی تھیں مگر اپنے مضبوط ارادے اور مثبت سوچ کی وجہ سے اس کے پیروں پہ کھڑا کر چکا تھا اس کی شخصیت کو ٹوٹ پھوٹ سے بچا کر دوبارہ سے اس کے سانچے میں ڈھالا تھا اور

کامیاب تھا۔

''حبا تیمور۔'' شاید اس کہانی کا سب سے مظلوم کردار، جس پر ہونے والا ستم ہر آنکھ کو نم کرتا رہا تھا، مگر یہ بھی سچ ہے کہ خطا اور گناہ کا فرق جاننے کے باوجود بھی غلط قدم اٹھانے والی حبا تیمور نے بہت بھگتان بھگتا تھا۔

مگر اس نے اپنے استقلال اور ثابت قدمی سے اسید مصطفیٰ کے دل پہ ضرب لگا کر سارے قفل کھولے تھے اور اب بڑے حق سے اس کے شہر دل پہ قابض تھی، آخر کار اس کا عشق فاتح ٹھہرا تھا۔

''نوفل صدیق۔'' اپنی طرف سے بہت بڑا پلان میکر تھا، مگر یہ نہیں جانتا تھا خدا سے بڑھ کر بھلا کون ہو سکتا ہے، جب سچ کھل ہی گئے تو اس نے اعلیٰ ظرفی سے سب اعتراف کر کے معافی تو مانگ لی تھی مگر اصل امتحان تو ستارا نے اس کا تب لیا جب اسے خود کسی کو معاف کرنا پڑا، تب اس نے سوچا کہ ہاں، واقعی کام مشکل ہے اور اگر انکار کرتا ستارا سے محبت میں جھوٹا پڑتا۔

جبھی وہ طلال کو گھر لے آیا اور تب اس نے باپ کی آنکھوں میں ایک سچی اور الوہی خوشی دیکھی تھی اور اسے یقین تھا کہ اوپر کہیں عالم ارواح میں اس کی ماں یقیناً بہت خوش ہو گی۔

''ستارا ماہم۔'' جس کی ضد بڑی سخت تھی، جب وہ اپنی ضد پر آجاتی تو اسے ہٹانا ناممکن ہو جاتا تھا، یہ اس کی ضد ہی تو تھی کہ مہروز اسے جھکا نہ سکا، مگر نوفل...... تب اسے احساس ہوا کہ واقعی قربانی عورت کو ہی کیوں دینا پڑتی ہے، گھر بسانا واقعی اتنا مشکل کیوں ہے، تب اس کی ضد ٹوٹی جب اسے سچ کا ادراک ہوا۔

زندگی بڑا بے رحم استاد ہے، مار کے سکھاتا، جیسے ان سب نے سیکھا اور بہت اچھا سیکھا تھا، زندگی اور رشتوں کو برتنے کا ہنر آنا چاہیے رکاوٹیں آسان ہوتی جاتی ہیں۔

آج ڈاکٹر حیدر عباس کی شادی تھی، اس نے بڑے آرام سے تیار ہوتے ہوئے شاہ بخت کو دیکھا، پھر چھ ماہ کے شاہ ذان کو بازوؤں میں لے کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔

''ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' وہ اسے سنا رہی تھی۔

''مجھے پتا ہے میں لیٹ تھا۔'' وہ جھلا کر بولا، پھر جلدی جلدی ٹائی لگانے لگا۔

''یہ اتنی فارمل اور ہیوی ڈریسنگ سلیکٹ کرنا ضروری تھا کیا؟ کچھ Causual میں کر دیتی ناں۔'' وہ مزید جھلا کر کہہ رہا تھا۔

''فارمل فنکشن میں فارمل ڈریسنگ چلتی ہے۔'' عینا نے جتایا۔

''ہاں، میں تو ٹھہرا بے وقوف۔'' وہ جل کر بولا۔

''مجھے کیا پتا۔'' اس نے معصومیت سے کہا تو بخت نے جلدی میں بھی اسے گھوری ڈالی۔

''اسے ساتھ لے کر جانا ضروری ہے کیا؟'' اس نے شاہ ذان کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا مطلب؟ میرا بیٹا ہے، میں اسے گھر کیوں چھوڑ کر جاؤں؟'' وہ خفگی سے بولی۔

''میں بھی تمہارا ہی ہوں عینا، اگر تمہیں یاد ہو تو۔'' وہ بے چارگی سے کہتا پرفیوم چھڑک رہا تھا۔

علینہ کی مدھم ہنسی پھیلی تھی، شاہ بخت نے ٹھٹک کر اسے دیکھا، سجی بنی سی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی، وہ کار کی چابی پکڑتا اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

''ویسے لگ پیاری رہی ہو۔'' اس نے گاڑی گیٹ سے نکالتے ہوئے کہا، انداز سرسری

سا تھا۔

''آ گئی میری یاد؟'' وہ جل کر بولی۔

''تم تو ہمیشہ یاد رہتی ہو، پہلے اس لئے نہیں کہا کہ۔''

''نظر لگ جاتی نا۔'' وہ ہنسا تھا۔

''نہیں لگتی تم ساتھ ہو نا۔'' علینہ نے بھی بدلہ پورا کیا، شاہ بخت کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

کچھ دیر بعد وہ میرج گارڈن پہنچ گئے تھے، آج ان کا ریسپشن تھا، حیدر اور مہک بہت پیارے لگ رہے تھے، انہیں دیکھتے ہی ستارا اور نوفل ان کے قریب چلے آئے تھے، وہ بے فکری سے گپ شپ کرنے میں مگن تھے جب حبا اور اسید وہاں پہنچے، شاہ بخت تو اک نظر میں پہچان گیا، بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔

''کیسے ہیں سر؟'' وہ اسید کی بارعب پرسنالٹی سے ازحد متاثر تھا۔

''بالکل ٹھیک، تم کیسے ہو؟'' وہ سب اب نشستوں پر بیٹھ گئے تھے۔

''میں بھی ٹھیک ہوں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

اسید نے بغور علینہ کو دیکھا اور پہچان کر بے ساختہ ہنسا تھا۔

''اوہ پرنسز علینہ، کیسی ہیں آپ؟'' شاہ بخت کو ہنسی آ گئی،

''آپ کو یاد ہے سر؟''

''سب کچھ یاد ہے مجھے۔'' اس نے شرارت سے کہا۔

''یہ میری مسز ہیں حبا اور حبا یہ ان کی مسز علینہ۔'' اسید دونوں کو متعارف کروا رہا تھا۔

اور یہ آغاز تھا ایک اور تعلق کا، کچھ نئے رشتوں کا اور بہت سی نئی کہانیوں کا!!!

☆☆☆

تجھ پہ اگر جاں ہو نثار

عظمیٰ شاھین رفیق

میری زندگی کی چپ بھی کوئی داستان لکھنا
میرے دشمنوں میں فقط ہندوستان لکھنا
نہ لکھنا کچھ بھی اور جب میں مروں تو نذیر
میرے کفن پہ اک لفظ پاکستان لکھنا

''مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی۔'' کیپٹن عدل مصطفیٰ نے جیپ اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' لیفٹننٹ علی شیر نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ امریکہ ہم سے چاہتا کیا ہے۔''

''مجھے بھی ایک بات کی سمجھ نہیں آتی۔'' لیفٹننٹ علی شیر نے بڑی سنجیدگی سے نفی میں سر ہلایا۔

''کیا؟''

''تمہیں فوج میں کمیشن کس نے دے دیا، وہ بھی ایز اے کیپٹن۔'' علی شیر کی سنجیدہ بکواس پر عدل مصطفیٰ نے گردن موڑ کر اسے گھورا۔

''بس کرو کیا نظروں سے ہی نگل جاؤ گے اب۔'' علی شیر نے دھائی دی۔

''جوان!'' کیپٹن عدل مصطفیٰ کا لہجہ خاصا فوجی تھا۔

''لیس سر!'' لیفٹننٹ علی شیر فوراً مودب ہوا۔

''اسٹینڈ اپ اینڈ ہینڈز اپ۔''

''سر حکم کریں، بکواس نہ کریں، چلتی گاڑی میں سزا دینے کی کوئی تک بنتی ہے۔'' علی شیر کی زبان پر پھر کھجلی ہوئی۔

''یو......'' وہ غضب ناک انداز میں علی شیر کی طرف مڑا مگر اس کی آنکھوں میں مچلتی شرارت کو دیکھ کر وہ ہنس دیا، لیفٹننٹ علی شیر کی ہنسی بھی اس کی ہنسی میں شامل ہوگئی۔

ان کی ایسی نوک جھونک جاری تھی کہ اوپن جیپ جو سنگلاخ زمین اور جنگلی جھاڑیوں کے درمیان بھاگی جا رہی تھی، دائیں طرف موڑی تو ایک جنگی جہاز ان کے اوپر منڈلانے لگا دونوں نے چونک کر اوپر دیکھا۔

''یہ پاک فضائیہ کا طیارہ نہیں ہے علی۔'' کیپٹن عدل نے پیشہ ورانہ سنجیدگی سے کہا۔

''لیس سر!'' علی شیر الرٹ ہوا۔

''میں سمجھ گیا ہوں یہ کیا چکر ہے، تم وائرلیس پر پیغام بھیجو فوراً، امن جرگہ کے کمانڈر اپنا روٹ چینج کریں۔'' لیفٹیننٹ علی شیر نے فوراً سے پیشتر پیغام کوڈ ورڈز میں پیچھے بھیج دیا۔

☆☆☆

علی شیر اور عدل مصطفیٰ آپس میں فرسٹ کزنز تھے، عدل مصطفیٰ نے فون میں کمیشن حاصل کیا تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ علی شیر پیچھے رہتا، وہ بھی اس کے پیچھے چلا آیا، عدل مصطفیٰ کی تعیناتی آج کل وزیرستان جیسے حساس علاقے میں تھی اور حسن اتفاق علی شیر کو بھی وزیرستان بھیج دیا گیا، اکثر اوقات مختلف مشن ز پر وہ اکٹھے ہوتے تھے، وزیرستان اور دیگر سرحدی علاقوں کے حالات ایسے ہیں کہ ہماری فوج وہاں حالت جنگ میں ہے پاک فوج کی آنکھیں کھلی تھیں تو دشمن بھی بہت چوکس تھا، اس وقت بھی وہ دونوں جس علاقے سے ہو کر آ رہے تھے وہاں حال ہی میں پاکستان کا پرچم لہرایا گیا تھا، یہ کہنے میں بڑی آسان بات معلوم ہوتی ہے مگر پاک فوج ان علاقوں میں حکومت کی رٹ قائم کرنے کے لئے خون اور جانوں کے نذرانے پیش کر رہی تھی، دشمن اگر آمنے سامنے ہو تو لڑنا مشکل نہیں مگر یہ پیٹھ پیچھے سے وار کرتے ہیں، ان کی ایڈوانس ٹیکنالوجی کا مقابلہ ہمارے جوان اپنے جسموں سے کرتے ہیں، وہ خطرات کو سرحد پر ہی روکنے کے لئے جان کی بازی لگا جاتے ہیں، ہمارے

حکمرانوں کی نا اہلی، امریکہ کی جی حضوری اور اسلحے کے معاملے میں کافروں پر بھروسہ کرنے کے حکومتی رویے اور اپنی صفوں میں چھپے میر جعفر، میر صادق کی غداری کا ازالہ وہ جان لڑا کر کرتے ہیں۔

امن جرگہ کے کمانڈر کو اس روٹ سے بحفاظت گزارنے کی ذمہ داری ان دونوں نے اپنے سر لی تھی، دشمن کو دھوکا دینے کے لئے دو راستے منتخب کیے گئے تھے، ان کی زندگی جتنی انہیں عزیز تھی، دشمن اتنا ہی انہیں راستے سے ہٹانا ضروری سمجھتا تھا۔

☆☆☆

''دشمن اپنے ٹارگٹ کو ہٹ کیے بغیر نہیں جائے گا علی، کمانڈر کو ہم نے روک دیا ہے، ان کا شکار اب ہم ہیں، کلمہ پڑھ لو۔'' کیپٹن عدل مصطفیٰ کے چہرے پر جذبات کی سرخی چھا گئی۔

''اور دشمن کی جو خفیہ ویڈیو ہمارے آئی ٹی ایکسپرٹ نے کتنے خطرات عبور کر کے حاصل کی تھی وہ ہمارے پاس قوم کی امانت ہے، کیا اسے ہم اپنے ساتھ ختم کروا دیں۔'' علی شیر کے جواب نے عدل مصطفیٰ کے سر میں دھماکہ کیا تھا۔

طیارہ زناٹے دار آواز سے نیچی پرواز سے ان کے سروں کے اوپر سے گزرا۔

''گاڑی روک دیں سر، اس کو اڑانے کے لئے یقیناً اب تک دشمن ڈائنا مائیٹ لگا چکا ہو گا۔'' علی شیر کے کہنے پر عدل مصطفیٰ نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی اور بے بس سی نگاہ اوپر دوڑائی۔

''آج اگر ہمارے حکمران ان کے پیسے پر نہ پل رہے ہوتے تو وہ اس دشمن کو کتنی آسانی سے مار گراتے۔'' اس نے سوچا۔

''علی شیر تم وہ ڈسک لے کر نکل جاؤ، کیسے نکلنا ہے یہ تم جانتے ہو، میں ان سے نمٹ لوں گا۔''

''آپ کو مرنے کے لئے اکیلا چھوڑ جاؤں۔'' علی شیر چیخا۔

''مرنے کے لئے نہیں شہید ہونے کے لئے۔'' کیپٹن عدل نے جیسے تصحیح کی۔

''میں ایسا نہیں کر سکتا، میں آپ کو چھوڑ کے نہیں جا سکتا۔'' علی کا لہجہ ضدی ہوا۔

''بحث مت کرو، جو پرچم یہاں لہرا رہا ہے اس کی آبیاری ہمیں اپنے خون سے کرنی ہے۔'' عدل مصطفیٰ کا انداز اٹل تھا۔

''مگر......''

''اتنا وقت نہیں ہے علی ہری اپ۔''

''او کے اپنا خیال رکھنا۔'' لیفٹننٹ علی شیر کی آنکھیں نم ہوئیں۔

''ویڈیو دشمن کے ہاتھ نہ لگے، تمہیں زندہ رہنا ہے جب تک منزل مقصود پر نہ پہنچ جاؤ۔''

''اللہ حافظ۔'' علی نے کہا اور جیپ کا دروازہ کھولا، جست لگا کر جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔

''خیال رکھنا علی کوئی یہ نہ کہہ دے پنجابی خیبر پختونخواہ کا دفاع کرنے کے قابل نہیں۔'' پیچھے سے عدل چلایا۔

وہ خود موت کے دھانے پر کھڑا تھا مگر اسے اپنی پرواہ نہیں تھی، وہ ہر صورت دشمن کو ناکام دیکھنا چاہتا تھا، علی شیر کے جانے کے بعد اس نے جیپ اسٹارٹ کی اور خود باہر نکل کر اسے ایک سیدھ میں چلتا چھوڑ دیا، علی کا کہا درست نکلا جب جیپ کچھ آگے جا کر ایک دھماکے سے اڑ گئی، دشمن نے پھر بھی اسے ٹریس کر لیا تھا، جہاز نے بم گرایا مگر اونچے نیچے پہاڑ کیپٹن عدل کے لئے مددگار ثابت ہو رہے تھے، اس نے ایک چٹان کی اوٹ لی اور وائرلیس پر بیس کیمپ میں رابطہ کیا۔

''دشمن کا جہاز بمباری کر رہا ہے، علی شیر کے پاس ایک اہم راز ہے اسے (محفوظ) کریں۔'' پیغام دینے کے بعد اس نے دیکھا جہاز ابھی تک اوپر منڈلا رہا ہے، اس کے پاس لائٹ میشن گن تھی، طیارہ گرانے کے لئے طیارہ شکن توپ یا کم از کم ہیوی مشین گن چاہیے تھی۔

''سنگینوں سے خالی، ہاتھوں سے، ناخنوں سے لڑو، لیکن اپنے وطن کا ایک انچ دشمن کے قبضے میں نا جانے دو۔'' اسے جنگ ستمبر 1965ء میں لاہور ڈویژن کے کمانڈر کا ''آرڈر آف دی ڈے'' یاد آیا۔

کیپٹن عدل مصطفیٰ کے خون نے جوش مارا، جب بیدیاں سائفن کا دفاع ایسٹ بنگال رجمنٹ کے صرف تین ٹائیگرز کر سکتے ہیں، افغانسان میں مجاہدین جدید ڈرون گرا سکتے ہیں تو میں یہ طیارہ اکیلا کیوں نہیں گرا سکتا، اس نے خود کلامی کی۔

خودرو جھاڑیوں کی آڑ میں رینگتا وہ اوپر ہی اوپر جا رہا تھا، دل جیسے کانوں میں دھڑک رہا تھا، دوسری طرف صرف ایک شخص سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے، یہ سوچ دشمن کو کافی قریب لے آئی تھی، اس نے میشن گن کا رخ اوپر کی جانب کیا اور زندگی جیسے آنکھوں میں سمٹ آئی تھی، ''نعرہ حیدری'' اس نے نعرہ بلند کیا اور برسٹ فائر کر دیا، جہاز کا انجن اس کی ذد میں آ گیا اور ساتھ ہی جہاز نے آگ پکڑ لی، یہ سب پلک جھپکتے میں ہوا، اس نے پوری قوت سے قلابازی لگائی، گرتا ہوا جہاز زیادہ دور نہیں جا سکا تھا جیسے ہی جہاز گرا پتھر اڑ کر اس کے اوپر گرے اور پتھر کا ایک ٹکڑا اس کی پیشانی پر لگا، اس نے سر میں درد کی لہر اٹھتی ہوئی محسوس کی اور اپنا جسم ڈھلوان کی طرف رول کرنا شروع کر دیا، خطرہ وقتی طور پر ٹل گیا تھا اس نے سر پر ہاتھ رکھا اور جب سامنے کیا تو وہ خون سے بھرا پڑا تھا، درد کی شدت محسوس کر کے وہ مسکرایا اور اپنا سر زمین پر رکھ دیا، وہ نہیں جانتا تھا یہ تو ابھی آغاز ہے وطن کی مٹی کا قرض چکانے کے لئے اسے اپنے لہو کا آخری قطرہ بھی بہا دینا پڑے گا، وائرلیس جو کہ اس نے بیلٹ میں لگا رکھا تھا، بند ہوتی آنکھوں سے نکالا اور بیس کیمپ میں رابطہ کیا۔

''دشمن کا جہاز میں نے گرا دیا ہے سر، میں زخمی ہوں کیا علی...... علی شیر پہنچا؟'' یہ آخری الفاظ تھے جو اس نے ادا کیے پھر اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ خرد سے بیگانہ ہو گیا۔

☆☆☆

''کوئی حال رہ گیا ہے اس ملک کا۔'' تشہد نے دائیں ہاتھ سے ماتھا سہلاتے ہوئے صوفے کی پشت پر سر ٹکایا۔

''نہ...... نہ یوں کہو کہ ہم نے کچھ حال چھوڑا ہے اس ملک کا۔'' محسن نے بڑے مدبرانہ انداز میں تصحیح کی۔

''ہم نے کیوں؟ ہم نے کب برا چاہا اپنے ملک کا۔'' تشہد نے تڑپ کر الزام کی تردید کی۔

''اس سے کیا ہوتا ہے کہ میں نے یا تم نے برا نہیں چاہا، یہ لوگ بھی ہماری قوم کا حصہ ہیں، ہم میں سے ہیں، انفرادی غلطیاں تو معاف ہو جاتی ہیں، قدرت کسی قوم کی اجتماعی غلطیاں معاف نہیں کرتی۔'' محسن نے وضاحت دی۔

وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے، سکرین پہ پولیس اور عوام کے گتھم گتھا ہونے کا منظر چل رہا تھا، جس پر دونوں تبصرہ کر رہے تھے۔

''عدل سے رابطہ ہوا؟'' تشہد نے بات بدلی۔

"شرم کرو بڑا ہے تم سے، کیسے منہ پھاڑ کر عدل کہہ رہی ہو، بھائی کہو۔" محسن نے بڑی بوڑھیوں کی طرح ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

"بھائی ہو گا تمہارا میں ایویں بھائی بنا لوں۔" محسن کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"میں جا رہا ہوں ذرا کام سے، آٹھ نو بجے تک آ جاؤں گا۔" وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"ٹھہر جاؤ محسن بتا کے جاؤ جو میں نے پوچھا ہے۔" تشہد پیچھے سے چیخی مگر تب تک وہ باہر نکل چکا تھا۔

عدل مصطفیٰ کے لئے وہ بہت حساس ہے یہ سوچ کر محسن نے تشہد کو عدل کے زخمی ہونے کے متعلق نہیں بتایا ہے، عدل مصطفیٰ اور علی شیر کے علاوہ گھر میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ محسن پچھلے تین سال سے خفیہ ایجنسی کے لئے کام کر رہا ہے، لوگوں کے لئے وہ ایک کھلنڈرا سا نوجوان تھا جس میں مستقل مزاجی نہ تھی، وہ حیران ہوتے تھے کہ ایک دو سال پہلے تک سب ٹھیک تھا کہتا تھا ایف ایس سی کرنے کے بعد ایز سیکنڈ لیفٹیننٹ فوج میں کمیشن حاصل کروں گا، اسی سلسلے میں اسلام آباد پنڈی کے چکر بھی لگا جا چکا تھا، مگر اس کے بعد جانے کن چکروں میں پڑ گیا تھا، ان کو کیا معلوم تھا کہ وہ اب بھی سیکنڈ لیفٹیننٹ ہی ریکوگنائزڈ (جانا جاتا) ہے، اس کے جذبے اس کی حب الوطنی اور سب سے بڑھ کر اس کی غیر معمولی ذہانت کے پیش نظر آئی ایس آئی نے اپنی طرف سے پیش کش کی تھی، جسے اس نے بلا تامل قبول کر لیا تھا، وہ جانتا تھا کہ اس نے اپنے قدم کانٹوں کی راہ گزر پر رکھ دیئے ہیں، وہ ایسے لوگوں کی صف میں شامل ہو گیا تھا، جو ملک کی آنکھیں کہلاتے ہیں، اسے معلوم تھا جو وہ کر رہا ہے اس کا کریڈٹ اسے کبھی نہیں ملے گا، وہ گھر سے باہر کہیں مارا گیا تو اس کی لاش پرچم میں لپٹے تابوت میں نہیں آئے گی، نا اس کی قبر پر پرچم لہرائے گا بلکہ اس کی فائل پر ٹاپ سیکرٹ لگا کر ہمیشہ کے لئے بند کر دی جائے گی، مگر اسے یہ سودا بھی منظور تھا۔

☆☆☆

فرحان احمد ریٹائرڈ آرمی آفیسر تھے ان کے دو بیٹے تھے عدل مصطفیٰ اور محمد محسن تھے، ان کے چھوٹے بھائی ظہیر احمد ریٹائرڈ گورنمنٹ ملازم تھے اور مارکیٹ میں ہونے والے خودکش بم دھماکے میں شہید ہو چکے تھے، ان کے بھی دو بچے تھے، بیٹا علی شیر اور بیٹی تشہد جو کہ جرنلزم میں ماسٹرز کر لینے کے بعد تشہد اور اس کی والدہ ذکیہ بیگم فرحان احمد کی فیملی کے ساتھ رہنے لگ گئیں تھیں، دونوں بھائیوں نے اپنے بچوں کی تربیت ایسے کی تھی کہ وطن کی محبت جسے ان کی گھٹی میں دی گئی تھی۔

☆☆☆

"محسن تم کب سنجیدہ ہو گے؟ چھوڑ دو یہ آوارہ گردیاں۔" وہ گھر میں داخل ہو رہی تھی کہ فاطمہ بیگم (محسن کی والدہ) نے سخت لہجے میں اسے ڈانٹا۔

میں جو کبھی گھر سے نکلا نہ تھا
اک تیری محبت نے مجھے آوارہ بنا دیا

جواب میں محسن نے شرارت سے شعر پڑھا تو انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا کان پکڑ لیا۔

"اب کرو شاعری۔"

"اف کیا کر رہی ہیں والدہ محترمہ، کان لمبا ہو جائے گا۔" اس نے مصنوعی تکلیف کے آثار چہرے پر پیدا کیے۔

"تم نے تشہد کو کیا کہا ہے، ناراض ہو کے

کمرے میں بیٹھی ہے۔"

"قسم لے لیں والدہ جو میں نے کچھ کہا۔"

"ہاں میں جیسے تمہیں جانتی نہیں ہوں، جاؤ ستاؤ اسے۔" وہ اس کا کان چھوڑ کر وہاں سے ہٹ گئیں اور وہ ہنستا ہوا تشہد کے کمرے کی طرف چل پڑا، اس کا دروازہ ناک کیا تو کوئی ریسپانس نہ ملا، محسن نے تھوڑا سا دباؤ ڈالا تو دروازہ کھلتا چلا گیا، اس نے اندر قدم رکھا ہی تھی کہ کشن ٹھک سے اس کی ناک پر لگا، ابھی سنبھلا بھی نہ تھا کہ ایک اور کشن آیا۔

"بس کرو تشہد، تمہارا عدل وہاں دشمن سے جنگ لڑ رہا ہے اور یہاں تم نے مجھ غریب پر گولہ باری شروع کر دی ہے۔"

"ہاں وہ میرے ملک کی حفاظت کے لئے لڑ رہا ہے اور خود کو تم نے دیکھا ہے کبھی، پھرنے پھرانے، وقت ضائع کرنے کے سوا کوئی کام ہی نہیں ہے۔" تشہد کی بات پر محسن نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"تمہیں کچھ بھی نہیں پتہ تشہد، میں نہ غازی ہوں اور نہ شہید، مگر لڑ رہا ہوں، شاید وقت ثابت کر دے یا شاید اس الزام کے ساتھ ہی مر جاؤں اور میرے بھائی سرحدوں پر شہید ہوتے رہے اور میں اپنی سرمستیوں میں رہا۔" تشہد نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں، میں فرنٹیئر جا رہا ہوں بھائی کا پتہ کرنے، چلو گی میرے ساتھ؟"

"تم پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ عدل کے زخمی ہونے کا مجھ سے کیوں چھپایا؟"

"تم پریشان ہو جاتیں خوامخواہ۔"

"ہاں اب تو میں جیسے خوشی سے لڈیاں ڈال رہی ہوں۔" وہ چڑ کر بولی۔

"چھوڑو نا، یہ بتاؤ چلو گی؟"

"مجھے کون جانے دے گا۔" اس نے خفگی سے منہ پھیرا۔

"یہ تم مجھ پہ چھوڑ دو۔" پھر نجانے کیا کہہ کر محسن نے اجازت لی اور شام کو وہ دونوں خیبر پختونخواہ جا رہے تھے۔

☆☆☆

کیپٹن عدل مصطفیٰ کو کچھ عرصے کے لئے ریسٹ دے دیا گیا تھا اور لیفٹیننٹ علی شیر کو بھی منظر عام سے ہٹا دیا گیا تھا، پاک فوج نہیں چاہتی تھی کہ ان کے دو نڈر اور ذہین بندے دشمن کے ہاتھ لگ جائیں، محسن اور تشہد جب خیبر پختونخواہ پہنچے تو کیپٹن عدل مصطفیٰ کو سی ایم ایچ سے ایک بنگلے پر شفٹ کر دیا گیا تھا، سر پر ابھی تک بینڈیج بندھی ہوئی تھی۔

"آپ کو اتنی چھوٹ لگی اور مجھے بتایا تک نہیں۔" محسن اٹھ کر کمرے سے باہر گیا تو تشہد نے شکوہ کیا۔

"اب تم آ گئی ہو نا اب میں ٹھیک ہوں۔" کیپٹن عدل نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک بات بتاؤں۔" تشہد نے کیپٹن عدل مصطفیٰ کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

"بتاؤ۔"

"آپ کو پتہ ہے میں آپ سے اتنا پیار کیوں کرتی ہوں۔" اتنا واضح اقرار، وہ حیران ہوا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ آپ پاکستان سے پیار کرتے ہیں۔"

"اگر میں پاکستان سے پیار نہ کرتا ہوتا

تو۔‘‘ اس نے لب دانتوں تلے دبائے۔
’’ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔‘‘ وہ یقین سے بولی۔
’’تشہد!‘‘
’’جی!‘‘
’’اگر میں شہید ہو جاؤں۔‘‘ تشہد چپ کی چپ رہ گئی، کچھ پل ٹھہر کر بولی۔
’’آپ چھٹی پر ہیں نا، ہمارے ساتھ گھر چلیں۔‘‘ اس کا سوال اس نے یکسر نظر انداز کر دیا۔
’’ہاں چلتے ہیں، مکمل ٹھیک ہونے تک تو شاید مجھے کچھ کرنے نہ دیا جائے۔‘‘ گہری سانس لے کر وہ گویا ہوا، اسی پل محسن، علی شیر کے ساتھ اندر آیا۔
’’کیسے ہیں آپ بھیا۔‘‘ علی شیر کو دیکھ کر وہ بے اختیار خوش ہوئی اور اس کے سینے جا لگی۔
’’بھیا بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں، بھیا کی جان کیسی ہے؟‘‘ علی شیر نے شفقت سے اس کا سر سہلایا۔
’’میں بھی ٹھیک ٹھاک۔‘‘ وہ چہکی۔
’’تم کیا یار بستر سنبھال کر بیٹھ گئے ہو۔‘‘ اس نے عدل کو چھیڑا۔
’’بس یاروں کے دیئے ہوئے زخم ہیں۔‘‘ وہ بھی شریر ہوا۔
’’بھائی آپ نے تشہد کو بتایا؟‘‘ محسن بولا۔
’’نہیں یار تم بیٹھو تمہارے سامنے بتاتا ہوں۔‘‘ ان کے آپس کے مکالمے پر وہ حیران ہوئی۔
’’تم سے ایک بہت ضروری اور راز کی بات ڈسکس کرنی ہے تشہد، ایک تم ہو جس پر ہم اعتماد کر سکتے ہیں۔‘‘
’’جی بتائیں۔‘‘ وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔
پھر اس نے محسن کے خفیہ ایجنسی سے تعلق کی داستاں اس کے گوش گزار کی۔
’’محسن......تم۔‘‘ حیرت سے اس سے بات ہی مکمل نہ ہوئی۔
’’یس...... مادام۔‘‘ اس نے سر ذرا سا خ[illegible] کر کے شوخی سے کہا۔
’’او مائی گاڈ، تم اتنا کچھ کرتے رہے اور خ[illegible] تک نہ ہونے دی۔‘‘
’’معاملہ ہی کچھ ایسا ہے چندا، ابھی بھ[illegible] شاید تمہیں پتہ نہ چلتا اگر اس بار تمہاری مدد[illegible] ضرورت نہ پڑتی۔‘‘ علی شیر نے جواب دیا۔
’’کیسی مدد؟‘‘ تشہد نے پوچھا۔
پھر انہوں نے اسے سمجھایا کہ ایک فیکٹر[illegible] کے مالک پر شک ہے کہ وہ فیکٹری کے گودام م[illegible] اسلحہ ڈپو بنا چکا ہے اور اب کیسے اس کی فیکٹری [illegible] مالک کی بیٹی سے دوستی کرنی ہے اور گھر سے با[illegible] لانا ہے، اس کو کڈنیپ کر کے کیسے فیکٹری [illegible] مالک سے سچائی اگلوانی ہے۔
’’ٹھیک ہے میں تیار ہوں یہ کرنے [illegible] لئے۔‘‘
’’گڈ! ہمیں تم سے یہی امید تھی۔‘‘ کیپٹ[illegible] عدل مصطفیٰ نے جواب دیا۔
اگلی صبح کی فلائیٹ سے وہ چاروں گھر [illegible] آ گئے۔

☆☆☆

چند دنوں بعد کیپٹن عدل مصطفیٰ صحت یا[illegible] ہو چکا تھا اور سروس میں واپس جا رہا تھا بلکہ [illegible] بلا لیا گیا تھا اور لیفٹیننٹ علی شیر، وہ کیسے رہ سک[illegible] اس نے درخواست کر کے اپنے افسران بال[illegible] ناک میں دم کر رکھا تھا، وہ بھی یہ سب خلا[illegible] ڈسپلن اس لئے برداشت کر لیتے تھے کہ لیفٹ[illegible] علی شیر مشکل سے مشکل ٹاسک کے لئے خو[illegible] پیش کر دیتا تھا اور دشمن کی جدید ٹیکنالوجی کو [illegible]

کرنے کے ایسے ایسے حل نکالتا تھا کہ وہ دنگ رہ جاتے تھے چنانچہ علی شیر کو بھی اس کے ساتھ ہی واپس بلا لیا گیا تھا۔
’’محسن! تشہد کا خیال رکھنا، میرا دل کہتا ہے اب میں زندہ نہیں لوٹ سکوں گا، تم میرے اور اس کے تعلق کو جانتے ہو اور اس کو جانتے ہوئے ایک تم ہو جو اس کا خیال رکھ سکتے ہو۔‘‘ کیپٹن عدل مصطفیٰ جو کہہ رہا تھا محسن اسے اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔
’’ایسی باتیں نہ کریں بھائی، آپ کو زندہ رہنا ہے اور اپنے ملک کے لئے ابھی آپ کو بہت لڑنا ہے۔‘‘
’’یہ زمین ہمیشہ شہیدوں کے لہو سے سیراب ہوئی ہے، اس کو وضو کے لئے اب مجھے اپنا لہو پیش کرنا ہے، اب میری باری ہے۔‘‘ کیپٹن عدل مصطفیٰ نے اسے رسانیت سے سمجھایا۔
’’بس تم اپنا مشن ہمیشہ مدنظر رکھنا اور تشہد کا خیال رکھنا۔‘‘
’’اللہ آپ کو کامیاب کرے بھائی۔‘‘ محسن نے دعا دی۔
’’اوکے ماما جان اجازت دیجئے اور اپنے بیٹے کو اچھی سی دعا دیجئے آپ جانتی ہیں نا ایک مجاہد کے لئے سب سے اچھی دعا کون سی ہوتی ہے۔‘‘ اب وہ ماں کے سامنے جھکا۔
’’فکر نہ کرو بیٹا، جب مجاہدوں کی مائیں رب کے حضور پیش ہونگی تو ان میں تمہاری ماں بھی شامل ہو گی۔‘‘ ماں کے جواب نے کیپٹن عدل مصطفیٰ کو خوش کر دیا تھا، وہ آج کے زمانے کی ماں ہی تھیں مگر قرون اولیٰ کی بہادر ماؤں کی تمنائیں اور آرزوئیں ان کے لئے عجیب نہیں تھیں، وہ ان ماؤں میں سے نہیں تھیں جو اپنے بچوں کو بلی کا خوف دلا کر سلاتی ہیں، بلکہ وہ ان میں سے تھیں جو اپنے بچوں کو شیروں کے مقابلے میں کھڑا کرنے کے خواب دیکھتی ہیں، آج کے زمانے کے لوگوں کو یہ باتیں عجیب لگتی ہونگی مگر ایسی مائیں موجود ہیں جو بخوشی اپنے بیٹے اللہ کی راہ میں وقف کر دیتی ہیں، ایسا ہے تو جہاد جاری ہے، نبی پاک کا فرمان ہے کہ ’’جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔‘‘ اور یہ حق ہے جہاد جاری ہے کہیں پہ مظلوموں کی دادرسی کی صورت میں، کہیں اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کی صورت میں۔
سب لوگوں سے مل کر عدل مصطفیٰ لاؤنج سے نکلا تو تشہد اسے گیٹ تک سی آف کرنے گئی۔
’’آپ ایک دن اور رک جاتے عدل۔‘‘ تشہد کا چہرہ ضبط سے سرخ ہو رہا تھا۔
’’سوات اور وزیرستان میں ہمارے لوگ بے موت مر رہے ہیں، فرض بلا رہا ہے تشہد، جانا تو ہے۔‘‘ عدل کے کہنے پر تشہد خاموش رہی۔
’’میں مر جاؤں تو میری موت پر آنسو نہ بہانا، یہ خیال نہ کرنا کہ میں تم سے دور چلا گیا ہوں، ہم کسی دن ایسے مقام پہ اکٹھے ہونگے جہاں دائمی خوشیاں ہونگی، میں جس مقصد کے لئے جا رہا ہوں وہ چاند ستاروں سے کہیں بلند ہے، میرے بعد تمہیں باقی رہ جانے والوں کو اس مقام کا راستہ دکھانا ہے، کرو گی نا ایسا؟‘‘ وہ اس سے کیا پوچھ رہا تھا، شاید اس کے حوصلے کو آزمانا چاہتا تھا، جانے کیا ہوا تھا کہ اس کی باتوں سے تشہد کا دل ٹھہر سا گیا تھا، بے قراری میں کمی آ رہی تھی، عدل مصطفیٰ نے اپنے ہاتھ پر نگاہ کی وہ اس کی کلائی سے گھڑی کھول رہی تھی، وہ خاموش رہا، تشہد نے گھڑی اپنی مٹھی میں دبا لی عدل مصطفیٰ نے جانے کو قدم بڑھائے۔

''فرض یاد رکھیے، میری فکر مت کیجئے گا، میں نہیں روؤں گی۔'' تشہد کی بات پر اس کے قدم رکے۔

''تم ایک فوجی ایک مجاہد کی محبت ہو، حوصلہ رکھنا۔'' وہ مسکرایا اور وہ بھی مسکرا دی، پھر وہ تیز قدم اٹھاتا گھر سے باہر نکل گیا، جہاں گاڑی میں علی شیر اور محسن اس کے منتظر تھے، محسن انہیں ائیر پورٹ تک چھوڑنے جا رہا تھا۔

☆☆☆

''تیار ہو جوانو!'' میجر مراتب بولے۔

''یس سر!'' وہ یک زبان بولے۔

''اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو، یاد رکھنا وہ پل اڑانا تم لوگوں کے زندہ رہ جانے سے زیادہ ضروری ہے، شہادت نصیب والوں کو ملتی ہے مگر ایک بات یاد رکھنا، دشمن کو مارنے سے پہلے ہرگز، ہرگز نہ مرنا۔''

''انشاءاللہ سر!'' وہ پھر بولے۔

اب کے بار کیپٹن عدل مصطفیٰ کو آزاد کشمیر بھیجا جا رہا تھا، جہاں پر سیاچن کے جس حصے پر انڈین آرمی کا قبضہ تھا، ان کو پہنچائی جانے والی رسد کے راستے میں ایک دریا آتا تھا، اس کے پل کو خفیہ طور پر اڑانے کی مہم اب ان لوگوں کے سپرد کی گئی تھی، اس ٹیم میں چار افراد تھے کیپٹن عدل مصطفیٰ، لیفٹیننٹ علی شیر، لیفٹیننٹ احمر اور لیفٹیننٹ عادل، ان کی کمانڈ کیپٹن عدل مصطفیٰ کے ہاتھ میں تھی، اللہ کے بھروسے پر وہ چل پڑے تھے، اس علاقے میں بغیر دشمن کی نظروں میں آئے پہنچنا ہی جان جوکھوں کا کام تھا، مگر وہ پہنچ چکے تھے، کیونکہ ان کا اللہ تعالیٰ پر یقین مستحکم تھا، وہ دریاؤں اور سمندروں میں کودنے، تپتے ہوئے صحراؤں کو عبور کرنے اور فلک بوس پہاڑوں کو روندنے کی صلاحیت رکھتے تھے کیونکہ وہ وہی جذبہ رکھتے تھے جس نے تین سو تیرہ کو ایک ہزار کے مقابلے میں لا کھڑا کیا تھا، جان ہتھیلی پر رکھ کر وہ پل کے نیچے ڈائنا مائیٹ اور بم لگا چکے تھے ان کا کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا کہ لیفٹیننٹ احمر پر ایک سنتری کی نظر پڑ گئی، وہ چلایا۔

''آتنگ وادی......اوئے نیچے آتنگ وادی آ گئے۔'' ساتھ ہی روشنی راؤنڈ فائر ہونا شروع ہو گئے جن میں ہر چیز روشن ہو جاتی تھی، ساتھ ہی مشین گن کا فائر کھل گیا اور ایک گولی لیفٹیننٹ احمر کے بازو میں پیوست ہو گئی، کیپٹن عدل مصطفیٰ نے اپنے ساتھیوں کو کور دینا شروع کیا، دشمن کی فورسز نے فوراً سے پیشتر دریا کو گھیرے میں لے لیا تھا، تینوں لیفٹیننٹ دریا میں کود گئے جبکہ کیپٹن عدل مصطفیٰ دشمن میں گھر گیا، اس نے جان بوجھ کر دشمن کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا تاکہ پل پر سے ان کی توجہ ہٹ جائے اور ان کا سیٹ کیا گیا ٹائم پورا ہو جائے، وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو رہا تھا، کیپٹن عدل مصطفیٰ کو وہ گرفتار کیے پل کے اوپر سے گزر رہے تھے کہ چلتے چلتے کیپٹن عدل نے چلتے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی، ٹائم پورا ہونے میں صرف دو منٹ رہ گئے تھے، اس کے قدم رک گئے، وہ پل کو اپنی نظروں کے سامنے تباہ ہوتے دیکھنا چاہتا تھا۔

''یا اللہ وہ تینوں خیریت سے واپس پہنچ جائیں۔'' اس نے دل میں دعا مانگی۔

آسمان خوشی سے سینہ پھلائے ہوئے کھڑا تھا، فرشتے دنگ تھے، ہوائیں لہک لہک کر اس کا طواف کر رہی تھیں، کائنات کی ہر چیز حیرت زدہ تھی، زمین فخر سے آسمان سے مخاطب تھی۔

''دیکھو میرے سینے پر ایسا ایمان اور ایسا جذبہ رکھنے والے بستے ہیں کہ آخری وقت میں بھی اپنی فکر نہیں، اپنے ساتھیوں کی سلامتی اور مشن کی

تکمیل کی فکر ہے۔''

''اوئے چل آگے، رک کیوں گئے۔'' ایک انڈین فوجی نے اس کو آگے دھکیلا، دو منٹ پورے ہو چکے تھے، وہ فکر مند ہوا۔

''بم کیوں نہیں پھٹ رہے کہیں۔'' وہ اتنا ہی سوچ سکا تھا کہ پل ایک زور دھماکے سے اڑ گیا اور جتنے بھارتی پل کے اوپر موجود تھے سب جہنم واصل ہو گئے اور کیپٹن عدل مصطفیٰ کا جسم نوری ذرات بن کر فضا میں تحلیل ہو گیا۔

آؤ جھک کر سلام کریں انہیں
جن کے حصے میں یہ مقام آتا ہے
بہت ہی خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ
جن کا لہو وطن کے کام آتا ہے

کیپٹن عدل مصطفیٰ ارض وطن کو اپنے خون کا نذرانہ پیش کر چکا تھا، لیفٹیننٹ احمر نے سر اٹھا کر دیکھا، دھماکے پر دھماکے ہو رہے تھے، اس کا خون بہت بہہ گیا تھا، ہوش و خرد سے بیگانہ ہونے سے پہلے اس نے آخری منظر یہی دیکھا تھا۔

یونٹ میں واپس پہنچنے والے لیفٹیننٹ علی شیر اور عادل تھے، احمر لاپتہ تھا، انہیں یقین تھا وہ زندہ ہوا تو ضرور واپس پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

☆☆☆

''وہ شہید ہو چکا ہے، مجھے افسوس ہے میں زندہ واپس آیا ہوں۔'' لیفٹیننٹ علی شیر کا چہرہ غیر معمولی حزن و ملال کا اظہار کر رہا تھا، وہ اپنے خاندان کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔

فرحان احمد نے آگے بڑھ کر بازو پھیلائے، وہ ان کے بازوؤں میں سما گیا۔

''رومت علی شیر، میرے بیٹے کی روح کو تکلیف ہو گی۔'' ان سے الگ ہو کر وہ تشہد کی جانب پلٹا۔

''تمہارا بھائی غازی بن کر لوٹا ہے، کوئی بات نہیں کرو گی اپنے بھائی سے؟''

''آپ کے ساتھ گیا وہ بھیا، وہ کیوں واپس نہیں آیا۔'' تشہد کے سوال پر علی شیر کی پھر آنکھیں چھلکیں، محسن نے علی شیر کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور حوصلہ دینے والے انداز میں دبایا۔

''وہ کیا کہہ کر اسے حوصلہ دے۔'' یہ سوچ ہی رہا تھا کہ تشہد یک دم لڑکھڑائی، گرنے کو تھی کہ علی شیر نے فوراً اسے سہارا دیا، وہ اس کے بازوؤں میں ہوش سے بیگانہ ہو گئی۔

☆☆☆

وضو ہم اپنے لہو سے کر کے خدا کے ہاں سرخرو ٹھہرے
ہم اپنا فرض نبھا چلے تم اپنا فرض نبھا جانا

''محسن! مت سمجھنا کہ میں چلا گیا ہوں، محسوس کرنا تمہارے دل میں اور تمہارے آس پاس موجود ہوں، صرف میری شہادت سے مقصد پورا نہیں ہو جائے گا، میری جگہ تمہیں لینی ہے، مسلمان اسلام کے تحفظ کے لئے اپنا خون آج بھی ارزاں سمجھتا ہے، دشمن نے کشمیر میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے، افغان سرحدی علاقوں میں بھی سکون نہیں، سب ہمارے اپنے ہیں، میرے بعد تمہارے منتظر ہونگے، جب تک ایک بھی مسلمان زندہ ہے دشمن کو ہم سے ڈر کر رہنا چاہیے، تشہد کو تمہارے حوالے کر کے جا رہا ہوں، اس کا اور سب گھر والوں کا خیال رکھنا۔

تمہارا بھائی
(عدل مصطفیٰ)

یہ وہ خط تھا جو علی شیر کے ذریعے محسن تک پہنچا تھا، اس نے اپنے آنسو خشک کیے اور تشہد کے کمرے کی طرف بڑھا تاکہ اسے بھی وہ یہ خط دکھا سکے۔

☆☆☆

کیپٹن عدل مصطفیٰ کی شہادت کے چھ ماہ

بعد محسن نے اپنی خفیہ ایجنسی میں درخواست دے دی کہ وہ اپنے بھائی کی جگہ لینا چاہتا ہے، اسے جانے دیا، اس کی گزشتہ خدمات اور پر زور درخواست کو دیکھتے ہوئے اسے اجازت دے دی گئی، تشہد نے گھر میں اس کے خفیہ ایجنسی سے تعلق کے بارے میں بتا دیا تھا۔

''اچھا اتنے عرصے سے اتنی خطرناک مہمات کرتے رہے اور ہمیں بھنک بھی نہ پڑنے دی۔'' سب کے درمیان وہ سر جھکائے بیٹھا تھا، فرحان احمد اس سے پوچھ رہے تھے۔

''جاب کا تقاضہ تھا۔'' وہ مختصراً بولا۔

''تشہد تم جاؤ ذرا ہم سب کے لئے چائے بنا کر لاؤ۔'' محسن تشہد سے مخاطب ہوا تو سب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، تشہد اٹھ گئی اس نے اپنا مدعا گھر والوں کے سامنے بیان کیا۔

''لیکن بیٹا ابھی اتنی جلدی کیسے ممکن ہے، تشہد شاید نہ مانے۔'' تشہد کی والدہ ذکیہ بیگم نے نقطہ اٹھایا۔

''مجھے جانا ہے زیادہ وقت نہیں ہے اور جانے سے پہلے میں یہ کام کر کے جانا چاہتا ہوں۔'' محسن نے رسانیت سے جواب دیا، مزید بولا۔

''جہاں تک تشہد کی مرضی کی بات ہے میں خود ابھی اس سے بات کرتا ہوں۔'' وہ کسی کے روکنے یا کچھ کہنے سے پہلے اٹھ کر تشہد کے پیچھے چلا آیا اور بغیر لگی لپٹی رکھے اپنا مقصد بیان کیا۔

''وہ شہید ہو چکا ہے، ہمیشہ کے لئے زندہ و جاوید، اس کی محبت بھی زندہ ہے میرے دل میں، جو کسی محافظ کی طرح محبوب کو اپنے حصار میں لئے رکھتی ہے، اس سے زیادہ میں کیا کہوں۔''

''تم قابل فخر ہو کہ ایک شہید کی محبت ہو، لیکن کیا ایک غازی کی شریک حیات بننا تمہارے لئے قابل قبول نہیں؟ یہ صرف میری ہی نہیں بھائی کی بھی خواہش ہے۔'' وہ پھر بھی خاموش رہی تو وہ مزید بولا۔

''بھائی کی جو جگہ تمہارے دل میں ہے وہ ہمیشہ رہے گی نہ مجھے کبھی اس کی خواہش ہو گی نہ اس پر اعتراض، ہمیں ایک نہ ایک دن تمہاری شادی کرنی ہی ہے پھر کیا یہ بہتر نہیں کہ بھائی کی خواہش پوری کی جائے؟ انہیں یقین تھا کہ میں تمہارا خیال رکھ سکتا ہوں۔'' اس کی بات پر درزیدہ نگاہوں سے تشہد نے اس کی جانب دیکھا، وہ پھر بولا۔

''اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں تشہد، بھائی کا خیال بالکل سچ ثابت ہو گا اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ تم......'' اتنا کہہ کر وہ چند ثانیے رکا اور بولا۔

''میرے ساتھ رہو گی تو ایک دن تم بھی میری محبت میں مبتلا ہو جاؤ گی۔'' تشہد نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا، محسن کی آنکھوں میں جیسے چاند ستارے بھرے ہوئے تھے، اس نے فوراً رخ موڑ لیا۔

''مجھے کچھ وقت چاہیے۔''

''ٹھیک ہے تمہارے پاس سوچنے کے لئے آج کی رات ہے۔'' وہ دو قدم آگے بڑھ آیا اور ٹرے میں کپ سیٹ کرنے لگا۔

''صرف آج کی رات۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''ہاں کیونکہ مجھے ایک ہفتے بعد ہیڈ کوارٹر رپورٹ کرنی ہے۔'' محسن نے اس کی جانب نگاہ کی اور سٹپٹا گیا۔

''تم رو رہی ہو تشہد، پلیز ایسے نہیں۔''

''محسن!...... عدل۔'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''میں جانتا ہوں تشہد، بھائی نے اور تم نے

ایک دوسرے کو بہت چاہا ہے، اکٹھے زندگی گزارنے کے خواب دیکھے ہیں، مگر قدرت کو یہی منظور تھا، تمہارا عدل اس وطن کی حرمت پر قربان ہوا ہے، اس کی قربانی رائیگاں نہیں گئی۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے رکا اور پھر کچن سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اگلے دن شام میں ان کا نکاح رکھ دیا گیا، قریبی رشتہ داروں کو دعوتی فون کر دیئے گے، نکاح کے لئے دلہن بنی تشہد کے کمرے میں نکاح خواں کے ساتھ فرحان احمد، علی شیر اور ان کے دو کزنز اندر آئے۔

''محمد محسن ولد فرحان احمد کے ساتھ حق مہر پچاس ہزار روپے سکہ رائج الوقت کے عوض نکاح قبول ہے۔'' نکاح خواں نے جب پوچھا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، اس نے نظریں اٹھا کر کھلے دروازے سے سامنے لاؤنج میں لگی عدل مصطفیٰ کی لارج سائز تصویر کو دیکھا، اس کے دیکھنے پر سب نے اس تصویر کی سمت نگاہ کی اور ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئے، علی شیر نے تشہد کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''بولو گڑیا۔''

''قبول ہے۔'' اس نے پست آواز میں کہا اور آنکھیں بند کر لیں، آنسو بند آنکھوں سے گرنے لگے۔

مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے
وہ قرض اتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

''بس میری گڑیا، بھیا کی جان ہو نا، دیکھو عدل بھی خوش نظر آ رہا ہے، رو کر اس کی خوشی تو خراب نہیں کرو نا۔'' علی شیر نے اسے بہلایا۔

''آں...... دیکھو محسن ڈر نہ جائے تمہیں دیکھ کر، سارا میک اپ خراب کر لیا۔'' وہ شرارت سے بولا تو وہ بھی آنسوؤں کے درمیان ہلکے سے مسکرا دی۔

☆☆☆

''آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ دہشت گرد خاموش ہو گئے ہیں، اس لئے یہ مت سمجھیں کہ دشمن ڈھیلا پڑ گیا ہے، اس خاموشی کا مطلب یہ ہے کہ وہ دہشت گردی کی کوئی بڑی پلاننگ کر رہے ہیں۔'' کمانڈنگ آفسر اچانک خاموش ہو گیا، اس کی نگاہیں تمام افسروں پر گھوم گئیں، سب خاموش تھے۔

''میرے ساتھیو!'' کمانڈنگ آفیسر نے فوجی انداز میں کہا۔

''ہم سیاست دان نہیں، ہم اس ملک کے محافظ ہیں، ہم تلوار بھی ہیں اور ڈھال بھی، ہمیں حکم ماننا پڑتا ہے، سوال کرنے کی اتھارٹی ہمارے پاس نہیں، لیکن افسوس ہوتا ہے یہ دیکھ کر دشمن کے عزائم اور تیاریاں دیکھ کر بھی ہمارے حکمرانوں کی آنکھیں نہیں کھلیں، دشمن ڈرون اٹیک کرتا ہے ہمیں اپنے دفاع کا حکم نہیں، اگر یہ ہمیں اجازت دیں تو کم از کم نصف صدی تک ہم انہیں پاکستان کی طرف دیکھنے کے قابل نہ رہنے دیں۔'' کمانڈنگ آفیسر پھر خاموش ہو گیا، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی جس میں شگفتگی کم اور تھکن کا تاثر زیادہ تھا۔

''بہر حال۔'' اس نے آہ بھری۔

''ہمیں اپنا فرض ادا کرنا ہے، ہر کمی کو اپنے جذبے سے پورا کرنا ہے۔''

''سر!'' سیکنڈ لیفٹننٹ محمد محسن نے پکارا۔

''گستاخی کی معافی چاہتا ہوں، میرے پاس ایک مشورہ ہے، سب سے جونیئر ہوں اگر غلط کہوں تو معاف کر دیجئے گا۔''

''کہو...... کہو محسن۔'' کمانڈنگ آفیسر نے کہا۔

''جونیئر ہو تو کیا ہوا، تم کہو۔''

''سر! میں دشمن کی پوزیشنوں کے عقب میں کمانڈو آپریشن کا مشورہ دیتا ہوں۔''

تمام افسروں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی، دشمن کے عقب میں جا کر کمانڈو آپریشن انتہائی دلیرانہ کاروائی ہوتی ہے اور تجویز بھی سیکنڈ لیفٹننٹ محسن کی طرف سے آئی تھی جو ابھی اتنا تجربہ کار نہیں تھا۔

''ہاں محسن۔'' کمانڈنگ آفیسر نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہو سکتا ہے کمانڈو آپریشن کی ضرورت پڑ جائے۔''

''سر! ہمیں ضرورت ہے۔'' محسن نے زور دے کر کہا۔

''میں آپ کے تجربے کو چیلنج نہیں کر رہا لیکن میں اس آپریشن کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں اور درخواست بھی کرتا ہوں کہ اس کمانڈو پارٹی کے ساتھ مجھے بھیجا جائے۔''

''تمہارا جذبہ قابل تعریف ہے محسن! تم صرف یہ بتاؤ کہ یہ کمانڈو کاروائی تم کیسے کرنا چاہتے ہو۔'' سیکنڈ لیفٹننٹ محمد محسن نے اپنے آفیسر کو تفصیل سے بتایا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

''کتنی نفری چاہیے تمہیں اس کے لئے؟''

''صرف آٹھ۔''

''محسن! تمہیں معلوم ہے کمانڈو آپریشن کتنی نازک اور کتنی خطرناک کاروائی ہے۔'' کمانڈنگ آفیسر پھر بولا۔

''یس سر!'' محسن نے مسکرا کر جواب دیا۔

''یہ وہاں جا کر ہی معلوم ہوگا کہ کتنی نازک اور کتنی خطرناک ہے۔''

فوج میں ایسے لہجے میں بات نہیں کی جاتی لیکن شمالی وزیرستان میں صورتحال ایسی بن چکی تھی اس کا دفاع ہر شخص اپنا ذاتی مسئلہ سمجھ رہا تھا، کمانڈنگ آفیسر نے محسن کو اجازت دے دی۔

☆☆☆

''تم سب جانتے ہو ہمیں کیا کرنا ہے، جانا ہے صرف آنا نہیں ہے، تم اللہ کے حکم سے جا رہے ہو، اس کا صلہ ہمیں وہاں سے ملے گا، ہمیں آج وہ کام کرنا ہے جو دہشت گردوں کی کمر توڑ دے گا، ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہم اللہ کے سپاہی ہیں۔''

محسن اپنے جوانوں کو ہدایات دے رہا تھا، وہ سب بہت پر جوش تھے اور اپنی کامیابی کے لئے پر یقین بھی۔

''ضرور، یہ پاکستان ان حرام خوروں کا نہیں، میرا اور آپ کا ہے، ان سے چھین لینا ہے، جیسے پہلے چھینا تھا۔''

''انشاء اللہ کامیابی ہمارا مقدر بنے گی۔'' ایک جوان نے کہا۔

''انشاءاللہ۔'' سب یک زبان بولے، آخر کار وہ کمانڈو کاروائی کے لئے چل پڑے۔

سیکنڈ لیفٹننٹ محمد محسن کا بٹالین کمانڈو اپنے سیکنڈ ان کمانڈ کے ساتھ ایک بڑے سے کنٹینر کے اوپر چڑھ کر کھڑا دوربین سے دہشت گردوں کے مقبوضہ علاقے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کہیں اس لڑکے کو بھیج کر غلطی تو نہیں کی، ابھی کم عمر اور نا تجربہ کار ہے۔'' بٹالین کمانڈر نے کہا۔

''اب تک اسے ٹارگٹ تک پہنچ جانا چاہیے تھا، ہے تو جذباتی سا نوجوان۔'' سیکنڈ ان کمانڈ بولا۔

''مارا جائے گا یا پکڑا جائے گا، آپ کا کیا خیال ہے نائب صاحب۔'' اتنی دیر میں نائب صوبیدار بدر بھی وہاں آ چکا تھا، اس سے کمانڈر نے پوچھا۔

''ایسا نہیں ہوگا سر، وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرے گا۔'' بدر نے جواب دیا، یہ سب بے چین ہو رہے تھے، اب تک دہشت گردوں کی پوزیشنوں کے پیچھے دھماکہ ہو جانا چاہیے تھا، محمد محسن اور اس کے ساتھی نہایت احتیاط سے دہشت گردوں کے مقبوضہ علاقے کی طرف بڑھ رہے تھے، ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ پہاڑوں کی سمت چلے گئے، دہشت گرد سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ادھر سے بھی ان پر حملہ ہو سکتا ہے لہٰذا ادھر سے وہ کچھ بے فکر تھے، وہ سب کے سب بلندی پر پہنچ چکے تھے، اب انہیں اترائی اترنا تھی اور دشمن کے اندر پہنچ جانا تھا، نہایت احتیاط برتتے ہوئے وہ نیچے پہنچ چکے تھے اور اب کچھ پتھریلی زمین عبور کر کے ایک خستہ حال عمارت کے پچھواڑے کھڑے تھے جو کسی زمانے میں درسگاہ کا درجہ رکھتی تھی، مگر اس ملک کے دشمنوں نے وہاں اب اپنے ٹھکانے بنا رکھے تھے، اس وقت محسن کی پارٹی عمارت میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی، یہ ایک وسیع و عریض عمارت تھی ایک طرف کمرے بنے ہوئے تھے، چھوٹی چھوٹی چار دیواری تھی، احاطے میں گڑھا کھود کر اسلحہ رکھا گیا تھا، معلومات کے مطابق یہ سارا احاطہ اسلحہ اور بارود سے بھرا ہوا تھا، وہاں پر روشنی نہیں تھی، لیکن دھندلی چاندنی میں ان کو صحن میں بڑے بڑے ڈھیر نظر آ رہے تھے جن کو سیاہ کپڑا ڈال کر ڈھکا گیا تھا، اس کے نیچے اسلحہ ہی ہونا چاہیے تھا۔

''یہاں سے گرنیڈ احاطے کے درمیاں میں پہنچ جائے گا؟'' محسن نے اپنے ساتھی جوان سے آہستہ آواز میں پوچھا۔

''یس سر! پوری طاقت سے پھینکیں گے تو پہنچ جائے گا۔'' اس نے جواب دیا۔

اسلحہ پھٹتا تو اس کی زد میں آنے کا خطرہ تھا مگر محسن نے پرواہ نہ کی، وہ سب دیوار پر چڑھے، اپنے ہاتھوں میں گرنیڈ پکڑے، پن نکالی اور محسن نے بلند آواز میں بسم اللہ شریف پڑھی اور پوری قوت سے گرنیڈ احاطے میں اچھال دیے اور ساتھ ہی محسن اور اس کے ساتھیوں نے دیوار کے دوسری طرف چھلانگ لگا دی، دو تین سیکنڈ گزرے، پہلے گرنیڈوں کے دھماکے ہوئے پھر اتنا زوردار دھماکہ ہوا کہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینے کے باوجود محسن اور اس کے گڑھے میں لیٹے جوانوں کو کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔

''وہ مارا۔'' کنٹینر پر کھڑے کمانڈر نے نعرہ بلند کیا۔

''مائی گاڈ کیا کچھ تھا وہاں۔''

''ایمونیشن ہوگا۔'' سیکنڈ ان کمانڈ نے کہا۔

''اللہ کرے سب خیریت سے واپس آ جائیں۔''

''ہمارا محسن شیر ہے شیر۔'' بدر نے جوش سے کہا۔

دھماکوں پر دھماکے ہو رہے تھے جن سے سارا علاقہ لرز اٹھا تھا، میر علی میں تعینات فوج یہ نظارہ دیکھنے ایک جگہ اکٹھی ہو گئی تھی۔

''نعرہ تکبیر۔'' بدر نے نعرہ بلند کیا۔

''اللہ اکبر۔'' بٹالین کمانڈر کا نعرہ سب سے اونچا تھا۔

☆☆☆

دہشت گردوں کے مقبوضہ علاقے میں بھگدڑ مچ گئی تھی، انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ کمانڈو ایکشن ہوا ہے جس میں ان کا جمع شدہ سارا اسلحہ، جو انہوں نے دہشت گردی کی کاروائیوں میں استعمال کرنا تھا تباہ ہو گیا تھا۔

محسن نے ایک جوان کو ٹارگٹ بتایا اور خود

اک جہاں اور ہے

سدرۃ المنتہیٰ

آٹھویں قسط کا خلاصہ

امر کلہ فنکار کے سامنے چھپ نہیں پاتی اور اس کا علی گوہر سے تعلق واضح ہو جاتا ہے، وہ جاتے وقت فنکار کو سختی سے روکتی ہے کہ علی گوہر کے علم میں کچھ نہیں آنا چاہئے۔

امرت کو ماں شادی کے لئے دھمکاتی ہے۔

پروفیسر غفور امر کلہ کی موجودگی میں بہت حساس ہو گیا ہے اور اسے عبادت کا مشورہ دیتا ہے، امر کلہ اپنی الجھن گھٹانے کے لئے چرچ کا رخ کرتی ہے۔

عمارہ علی گوہر کے معاملے میں امرت کے ساتھ ابھی تک بد لحاظ ہے آٹھواں مہینہ شروع ہو چکا ہے، فنکار علی گوہر کے کہنے پہ شیو کر کے اور بال کٹوا کر ملنے جاتا ہے جہاں عمارہ اسے ملتی ہے۔

علی گوہر کو عمارہ پروفیسر کے بارے میں پیغام دیتی ہے جب وہ سرخ کوٹ پہن کر اور گھڑی لے کر وہاں سے روانہ ہو جاتا ہے پروفیسر کے گھر اسے امر کلہ نہیں ملتی وہ پوری رات کے انتظار کے بعد مایوس ہو کر لوٹ رہا ہے جب گلی کے نکڑ پر پیچھے سے امر کلہ سرخ کوٹ میں ملبوس ہالار کو دیکھتی جو رخ بدلنے پر علی گوہر ہوتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

نویں قسط

میں حیرت وحسرت کا مارا
خاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریائے محبت کہتا ہے......
دریائے محبت اپنی اور بلاتا رہا

امر کلہ جب چھٹتی دھند کے پہر میں دیوار کے پیچھے کونے میں پتھر بنی کھڑی تھی، جب ھالار علی گوہر کا چہرہ پہن کر آیا اور رخ بدل کر چلا تو چلتا گیا، پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، دیکھتا تو پتھر ہو جاتا ہل نہ سکتا، بات نہ کر سکتا، رو نہ سکتا، پتھر ہو جاتا، جیسے امر کلہ تھی نہ بول سکتی نہ روک پائی نہ رو پائی، روکتی تو کسے روکتی، نہ تو وہ پورا ھالار تھا نہ پورا علی گوہر تھا، وہ تو سراب تھا، جو اس کے پیچھے پیچھے بھاگتا تھا اور وہ جس کے پیچھے پیچھے بھاگتی رہی تھی، محبت کا پہیہ الٹا گھومنا شروع ہو گیا اور اس کے گرد چکر کاٹنے لگے تھے، حسرت، آس، محبت کے حصول کی خواہش، خود وہ...... خود علی گوہر، خود ھالار خود امرت فنکار، عمارہ...... اور ایک وہ تھا جو بے وجہ ہی کبھی غائب ہو چکا تھا، اس نے فنا سے بقا کے راستے کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے، خدا کی تلاش میں وہ جس انتہاؤں کو چھو رہا تھا امر کلہ جو اسے کبیر بھائی کہتی تھی۔

جو خود اسے جویریہ، کلثوم، زینب، عائشہ مریم کہتا تھا، اس نے ابھی ابتدائی رستے کی طرف رخ ہی کیا تھا۔

گئی خدا کو ڈھونڈنے تھی، چھان آئی گرجا، مندر، مسجد اور جب آئی تو ملا وہی جس کی ازلی تمنا تھی، کبھی ھالار کبھی علی گوہر نے اس کا رستہ روکا تھا، جبھی دونوں کا اکٹھے نام لے لیا، شاید گرجا، مندر، مسجد کے کسی کونے میں پھرتے جب خدا خدا کر کے سامنے نفسانی خواہش آ گئی اور زبان پر علی گوہر بھی آیا اور ھالار بھی، وہ لوٹی تو وہ علی گوہر بھی تھا اور ھالار بھی۔

وہ تو یہی سوچتی رہی کہ علی گوہر کا چہرہ پہنے ھالار کو پکارے بے وفا کہہ کر، یا پھر ھالار کا سرخ کوٹ پہنے علی گوہر کو اپنا علی گوہر کہے، باوفا علی گوہر، جو رلاتا کم ہے اور روتا زیادہ ہے، جو جنگلوں میں بھی پہنچ جاتا ہے اور ویرانے میں بھی اور ایک ھالار جو کسی کا دل لے کر نکلتا ہے تو پیچھے مڑ کر یہ تک نہیں پوچھتا کہ کھانا بھی کھایا، سوئی بھی ہو، زندہ بھی بچ گئیں یا مر گئیں۔

اور ایک سراب تھا جسے محبت کہتے تھے، جب گلی پوری خالی تھی جو علی گوہر تھا وہ چلا گیا اور ھالار کو ساتھ لے گیا، اب صبح کے لئے اجالے میں ایک امر کلہ تھی جس کے ساتھ اس کا سایہ بھی نہ تھا۔

☆☆☆

رات میں کوئی تیسری بار اس نے تصویر کو تکیے سے نکال کر دیکھا تھا اور اب بھی تصویر اس کے ہاتھوں میں تھی جب ادھ کھلی کھڑکی سے روشنی کی لکیریں مسخ شدہ تصویر کے کھرچے ہوئے چہروں پر پڑ رہی تھیں اور وہ ان کھرچے ہوئے مسخ شدہ چہروں پر انگلی پھیرتے ہوئے خود کو کیا یقین دہانی کرا رہی تھی، جب دروازہ تیزی سے کھلا تھا اور اسی تیزی سے تصویر کو گھٹنے کے نیچے سرکا دیا گیا۔

''تم فجر کے بعد نہیں سوئیں رات ڈھائی بجے کی اٹھی ہوئی ہو۔'' وہ اس کے لئے ناشتہ یہیں لے کر آ گئیں تھیں۔

''آپ کو کیسے پتہ کہ میں ڈھائی بجے کی اٹھی ہوئی ہوں۔'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تصویر اور کھسک کر ٹانگ کے نیچے دب گئی۔

''تمہارے کمرے کی بتی جل رہی تھی امرت۔'' وہ ٹرے بیڈ پہ رکھ کر خفگی سے دیکھنے لگیں (جیسے تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو کہ اسے انداز میں)۔

''اوہ، یہ تو ہے بتی تو واقعی جل رہی تھی، اصل میں عشاء قضا ہو گئی تو اس فکر نے تہجد کے وقت جگا دیا پھر دونوں نمازیں ساتھ پڑھ کر تلاوت کرتی رہی تھی کچھ دیر لیٹی تو فجر کی اذان ہونے لگی اور فجر کے بعد دفتر جانے کی فکر نے سونے نہیں دیا، سوچا سوؤں گی تو سوتی رہ جاؤں گی اور آپ مجھے اٹھائیں گی نہیں تھکن کا سوچ کر اس طرح ہفتے میں دوسری چھٹی ہو جائے گی میری۔'' اس نے پوری تفصیل سے بتاتے ہوئے ٹرے اپنی طرف کھسکائی۔

''پہلے فریش ہو جاؤ پھر ناشتہ کر لو۔''

''بہت بھوک لگی ہے امی وضو تو کیا ہوا تھا فجر کا اب ناشتہ کر کے ہی چینج کروں گی۔''

''تھکی ہوئی لگ رہی ہو چھٹی کر لو آج کہو تو میں تمہارے دفتر فون کر لوں۔'' وہ فکر مندی سے اسے دیکھنے لگیں، پہلے سے وہ بہت کمزور ہو گئی تھی، رنگت بھی ہلکی پڑ گئی تھی اور ابھی تو کچھ زیادہ ہی لگ رہی تھی۔

''اس کی ضرورت نہیں، کل بھی تو گھر پر ہی تھی میں۔'' وہ مسکرا کر پانی پینے لگی پھر کاغذ میں سے پوری نکال کر پہلے اچھی طرح اسے دیکھتی رہی پھر یہی جائزہ پراٹھے کا لیا جو گھی میں ڈوبا ہوا تھا، اس نے دونوں چیزیں پلیٹ میں واپس رکھ لیں اور پیالی میں تھوڑی سی چنا چاٹ نکال کر کھانے لگی۔

''کل سنڈے تھا امرت۔''

''یہی تو افسوس ہے کہ ہفتے میں دو سنڈے نہیں ہو سکتے امی، سادہ روٹی نہیں ہے؟''

''یہ سب میں نے تمہارے لئے منگایا ہے کھا لو، چلو پوری چھوڑو پراٹھا ہی کھا لو۔''

''امی بہت چکنا ہے یقین کریں ہضم ہی نہیں ہو گا۔''

''کیوں نہیں ہضم ہو گا ایک دنیا تو کھاتی ہے، تمہیں کوئی چیز ہضم نہیں ہوتی کمال ہے۔''

''یہی تو کمال ہے کہ مجھے کم چیزیں ہضم ہوتی ہیں، میرا معدہ بڑا اصول پرست ہے چیز چیک کر کے لیتا ہے۔''

''بہت کمزور کر لیا ہے خود کو تم نے، دیکھتی ہوں تو فکر لگ جاتی ہے، یہ نوکری چھوڑ دو امرت بہت مشقت ہے اس میں۔''

''امی ہر وہ کام جس سے پیسے ملتے ہوں وہ مشقت سے خالی نہیں ہوتا۔'' وہ اب نیپکن سے منہ صاف کر کے چائے پینے لگی۔

''تم نے سیلری بڑھانے کی بھی بات نہیں کی ہو گی، ہے نا۔''

''سیلری بڑھانے کی بات، فی الحال تو صرف کام ہی بڑھ رہا ہے سیلری بڑھانے کی اب جو بات کروں تو بورڈ والے کہیں اپنا دفتر ہی نہ بند کر دیں، چوبیس ہزار دیتے ہیں وہ مجھے اور یہ چوبیس

ہزاران کی جیب سے پیسے نکلتے ہیں یہ صرف مجھے پتہ ہے ایک ہزار بھی بڑھانے سے پہلے خودکشی کر لیں گے، ستر ہزار کے قریب پرچہ نکلتا ہے، اگر فی پرچہ ایک روپے بھی دیں تو سیلری ستر ہزار بنتی ہے، لیکن ان لوگوں کو خدا یاد ہی نہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں روزے بھی رکھتے ہیں مگر نہیں جانتے یہ سب بیکار ہے جب تک وہ حق دار کو حق ادا نہیں کریں گے، اللہ کے حضور سرخرو بھی نہیں ہوں گے۔" وہ بڑے مزے سے ٹیک لگا کر چائے پیتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم کبھی اپنے بارے میں سنجیدہ نہ ہونا امرت۔"

"آپ جو ہیں میرے بارے میں سنجیدہ، کافی نہیں۔" چائے کا کپ خالی کر کے رکھا اور اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئی، تصویر کا خیال آتے ہی۔

"اب پلیز یہ لے جائیں تاکہ میں چینج کر لو، دیر ہو رہی ہے نو بج گئے ہیں امی پہنچتے پہنچتے گیارہ بج جائیں۔"

"سب کا کام اپنے سر پہ لے لیا ہے، ضرورت کیا ہے، اتنا ہلکان ہونے کی، وہاں بڑا کسی کو احساس ہے، الٹا چار پیسے دے کر احسان ہی جتاتے ہوں گے، کہتے ہوں گے اچھی بے وقوف ہاتھ لگی ہے۔" وہ خفا ہوتے ہوئے ٹرے لے کر اٹھیں۔

"اس نے مسکرا کر ماں کو دیکھا اور تکیہ ٹھیک کرنے کے بہانے تصویر کھسکا کر تکیے کے نیچے کر لی۔

"کچھ چھپا رہی ہو مجھ سے تم۔" وہ بھی اس کی ماں تھیں۔

"کیا چھپا سکتی ہوں میں آپ سے؟" (وہ یہ نہ کہہ سکی کہ کچھ بھی نہیں چھپا سکتی میں آپ سے)

"یہ تو تمہیں ہی پتہ ہوگا۔" وہ کچھ خفگی سے کہتی ہوئیں باہر چلی گئیں، اس نے سر جھٹک کر کپڑے نکالے اور واش روم کا رخ کیا۔

"آج کیسے چھٹی کر لیتی آج اگر چھٹی کرتی تو ہمیشہ کے لئے چھٹی ہو جاتی۔" وہ واش روم میں گئی تھی اور وہ پیچھے آ گئیں تکیہ اٹھایا تو وہی پرانی مسخ شدہ تصویر ملی دل ایک بار پھر ڈھے سا گیا۔

"تم کب یہ سب بھلاؤ گی امرت۔" تصویر لے کر کچن میں آئیں اور لائٹر کی لو تصویر کے کونے پر رکھ کر، دیکھتے ہی دیکھتے تصویر آگ سے بھر گئی اور ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی آگ کا چھوٹا سا گولہ پھڑک رہا تھا جسے راکھ میں بدلنے کے لئے پاؤں رکھ دیئے اور پاؤں سے بری طرح ماضی کا ایک حصہ مسل دیا کبھی اپنے نصیب کو اسی طرح ٹھوکر ماری تھی۔

اور کسی کا دل ایسے ہی مسل دیا جیسے پاؤں کی جوتی کے نیچے دہکتا آگ کا گولہ مسلا تھا راکھ اڑ کر کچن کے فرش پر پھیل گئی کیبنیٹ کی درزوں میں گھس گئی برتنوں کی سطح پر جم گئی پاؤں کی جوتی سے چمٹ گئی، راکھ ہر جگہ نظر آنے لگی بس دل کھول کر کسی کو دکھانے کی چیز نہ تھی، جہاں راکھ صدیوں سے جمی ہوئی تھی اور دل گرد آلود تھا مگر پھر بھی کام کر رہا تھا۔

☆☆☆

صبح کا پہلا پہر پھوٹتے ہی چارپائیاں خالی ہو گئی تھیں، وہ بظاہر تسبیح کر رہی تھیں مگر اندر سے فکر

مند تھی، اس کی جس نے ہمیشہ فکریں کھلائیں تھیں، جو خود بھی فکر پر گزارہ کرتا تھا، وہ فریش ہو کر بیگ لے کر باہر آئی تو دیکھا چائے کا کپ ویسے کا ویسا پڑا تھا۔

"آپ نے ناشتہ کیوں نہیں کیا اماں۔"

"عمارہ!" وہ خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"وہ آ جائے گا اماں، اسے یہیں آنا ہے، فکر نہ کریں۔"

"تو کہاں جا رہی ہے عمارہ۔"

"دفتر جا رہی ہوں، جہاں روز جاتی ہوں۔"

"کل تو گھر پہ تھی تو۔"

"کل اتوار تھا اماں، آج جانا ہے۔"

"آج چھٹی کر لے عمارہ، ماں کا دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

"(ماں کا دل کب نہیں بیٹھتا ہے)۔" وہ بڑبڑائی۔

"نہیں کر سکتی اماں، بہت ضروری کام ہے، ورنہ میری کزن آسمان سر پہ اٹھا لے گی یہاں آ جائے کی لڑنے، کہے گی پھر نوکری چھوڑ دی تم نے اور پھر میری جگہ آپ کا شہزادہ ڈیوٹی دینے پہنچ جائے گا سب کو اس کی فکر رہتی ہے۔"

"گوہر پتہ نہیں کہاں ہوگا، اس کے ابا بھی مسجد گئے ہیں خدا جانے کون سا وظیفہ چلا نکالنے بیٹھ گئے ہیں، بیٹے کی طرح گھر یاد ہی نہیں رہتا باہر جانے کے بعد۔"

"آ جائیں گے اماں، گوہر بھی آ جائے گا، کب تک پریشان ہوتی رہیں گی، اس کے تو روز کے یہی حالات ہیں۔"

"اچھا بھلا گھر بیٹھا ہوا تھا عمارہ، تو نے تو کچھ نہیں کہہ دیا اسے۔" خدشہ زبان پر آ ہی گیا۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں اسے اماں، وہی کرتا ہے جو اس کا دل کہتا ہے اسے (یہ نہیں کہہ سکی کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا اماں)۔"

"تو پھر بھی اسے فون کر لینا عمارہ، کہنا اماں پریشان ہو رہی ہیں جلدی گھر آ جا، دل بڑا بے چین ہو رہا ہے عمارہ۔"

"اماں خدا کے لئے آج کل عورتیں سارا سارا دن گھر نہیں بیٹھ سکتیں وہ تو پھر بھی مرد ہے، اسے نکلنے دیں اسے اپنے لئے جو کرنا ہے اسے کرنے دیں پلیز۔"

"کیا کرتا ہے اپنے لئے وہ، لور لور پھرتا ہے سارا دن۔"

"یہ بھی بہت بڑا کام ہے اماں کچھ نہ کرنے سے تو بہتر ہے۔" اس نے دوپٹہ سر پہ پھیلایا بیگ کندھے سے لگایا، چپل بدلی اور پانی کا گلاس پی کر باہر کی طرف مڑی۔

"چلتی ہوں اماں دیر ہو رہی ہے ساڑھے نو بج رہے ہیں اب نہ گئی تو امرت صاحبہ تھانے میں رپورٹ درج کروانے سے باز نہیں آئیں گی، ناشتہ کر لیجئے گا اور چائے گرم کر کے پی لیجئے گا، آپ کے بھوک ہڑتال کرنے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا، دل ہے کوئی فون کے سگنل نہیں رکھتا جو گھنٹی بجے گی بلانے والے کا نام چمکے گا اور میسج ٹیکسٹ مل جائے گا۔" گیٹ تک آتے آتے وہ

بڑبڑاتی رہی یہ جانے بغیر کہ کبھی کبھار واقعی دل موبائل فون بن بھی جاتا ہے۔

خیال واحساس کی لہروں پر سگنل چلتے ہیں، فیلنگ سفر کرتی ہیں دل کی گھنٹی بجتی ہے ٹیکسٹ میسج کھلتے ہیں اور حال سناتے ہیں، کوئی تو سگنل جلتا بجھتا ماں کے دل پر پہنچا ہی تھا جس کی وجہ سے پراٹھا اپنی پلیٹ میں سوکھا پڑ گیا اور چائے پیالی میں ہی ٹھنڈی ہوگئی۔

آنسو تسبیح کرتے بے وجہ تو نہیں گرا تھا، کہیں تو علی کو ہرٹ پا تھا، آنکھ سے آنسو بہے تھے، دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی، حواس تھک کر ڈھے گئے تھے جبھی اماں کا علی کو ہر اور فنکار کا قائم مقام شہزادہ بیچ سڑک فٹ پاتھ کے کنارے چکرا کر گرا تھا اور ابا کسی لمبے وظیفے میں لگے ہوئے تھے، دل میں ٹیکسٹ میسج کی گھنٹی وہاں بھی بجائی تھی مگر ٹیکسٹ کھولا نہ گیا وظیفہ توجہ مانگتا تھا۔

ادھر عمارہ کا دل تھا جو کب سے کسی نے مٹھی میں جکڑ رکھا تھا مگر اب دل کی حالت پر اس نے خاتمہ جو پڑھ لی تھی سو مرے ہوئے دل کی پکار کون سنتا ہے بھلا، یہاں مسائل جو سڑکوں پر زندہ زندہ پھرتے ہیں۔

ایک امر کلہ کا دل تھا جو پھڑک بھی رہا تھا، تڑپ بھی رہا تھا مگر ہونٹوں پر چپ کا تالا بڑی مشکل سے ڈالا تھا کیفیات جب الفاظ کی حدود سے نکل جائیں تو زبان مقفل ہو ہی جاتی ہے۔

صبح سرک کر دھوپ کی لپیٹ میں جانے لگی جب کھلے دروازے سے وہ اندر آئی تھی، جس دروازے سے کچھ دیر پہلے ہی پروفیسر غفور نکل کر شہر کی طرف گئے تھے، اسے ہجوم میں ڈھونڈنے کے لئے انہیں کہاں پتہ تھا کہ وہ اسی گلی کے کونے سے چل کر گھر آئے گی۔

دروازہ کھلا ہی رہا تھا اور امر کلہ نے کمرے کے کونے میں آ کر دیوار سے سر ٹکا دیا، جب ہونٹ چپ تھے اور آنکھیں باتیں کر رہیں تھیں دیواروں سے، کیونکہ آنسوؤں کو مقفل کرنا ناممکن تھا۔

☆☆☆

وہ نہا کر باہر آئی بال خشک کیے چہرے پر ہلکی سی کریم لگائی بالوں کو کیچر میں جکڑا پھر بیگ چیک کیا جس میں آج کے کرائے کے پیسے اور کچھ کاغذ اسی جگہ ساکت تھے جہاں پر سلایا تھا، وہ اطمینان سے بیگ کی زپ بند کر کے تکیے کی طرف آئی تو تصویر کو نا پا کر بجھ گئی مگر خاموشی سے باہر نکل آئی، انہوں نے عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا، تب ہی اس نے نظریں چرائیں اور اللہ حافظ، کہنا ہی چاہتی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی تھی اور بجتی رہ گئی اس نے آگے بڑھ کر ریسور اٹھایا تھا۔

"کیسے ہو عبدالحنان۔"

"میں ٹھیک ہوں اللہ کا شکر ہے، شادی کی تاریخ۔" وہ کچھ رکی جبھی وہ اس سے ریسور لینے کے لئے آگے بڑھیں تھیں۔

"نہیں میں تمہیں نہیں ٹالوں گی اب۔" اس نے ان کو ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے بات جاری رکھی تھی۔

"ٹھیک ہے تم اگلے ہفتے تاریخ لینے آ جانا، تاریخ کوئی بھی ہو مگر بیچ میں تین ماہ کا گیپ ہو، ٹھیک ہے مجھے منظور ہے دیکھو اگر تمہیں جہیز نہیں چاہیے تو ایک ماہ ہی کافی ہے، بلکہ بیس دن پر ڈیٹ

رکھ لو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"اوکے...... تو پھر میں چلتی ہوں مجھے دفتر سے دیر ہو رہی ہے۔" اللہ حافظ کہہ کر اس نے فون رکھا۔

"یہ کیا کہا تم نے امرت اتنی جلدی، مجھے تو بات کرنے دیتیں۔"

"آپ کی خواہش پوری کر دی، اب وہ ایک ہفتے تک فون نہیں کرے گا اور پورا ایک ہفتہ میں سکون کے ساتھ اپنا کام کر لوں گی۔" بڑے مزے کی مسکراہٹ سے اس نے ان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں اس نے باہر کی راہ لی، وہ کتنی دیر تک کھلے دروازے کو دیکھتی رہی، سمجھ نہیں آ رہا تھا اس کی اچانک رضامندی پر خوش ہو جائے جی جان سے یا فکر مند جبکہ اس کی عجلت اور اطمینان پر انہیں خوشی کے بجائے فکر ہی ہوئی تھی، کیونکہ وہ فوری طور پر کچھ سمجھ نہیں پا رہیں تھیں مگر دال میں کچھ کالا بہر حال لگ رہا تھا، حالانکہ درحقیقت پوری دال ہی کالی تھی۔

☆☆☆

"تو مس امرت آپ انٹرویو کے لئے تیار ہیں۔" طاہر پرچے کے ساتھ کاغذ لے کر اس کی میز کے سامنے بغیر کسی اجازت دعا سلام کر آ بیٹھا تھا۔

"انٹرویو میرا کیا جا رہا ہے۔" اس نے ایک سرسری سی نظر اس کی طرف ڈال کر پھر سے کمپیوٹر اسکرین پر جما دیں۔

"نہیں انٹرویو تو آپ نے کرنا ہے نا۔" وہ بلاوجہ ہی مسکراتا تھا۔

"تو اب حالات اتنے برے ہو گئے ہیں کہ مجھے آپ کا انٹرویو بھی کرنا پڑے گا۔" وہ سنجیدگی سے کمپیوٹر میں کوئی ڈیٹا فائل کرنے لگی۔

"اتنے اچھے حالات میرے کہاں کہ آپ میرا انٹرویو کرنے بیٹھ جائیں، ویسے یہ سلسلہ کیا سوچ کر شروع کیا ہے آپ نے، بڈھے پرانے ادیبوں کی بے تکی باتوں سے ریڈر پہلے ہی بیزار ہیں، چلے گا نہیں یہ سلسلہ، بیٹھ جائے گا۔" وہ میز پر دونوں بازو رکھ کر ذرا جھکتے ہوئے سنجیدگی سے اظہار خیال دینے لگا۔

"ان ہی بڈھے پرانے ادیبوں کے پرانے خیالات اور کہانیوں نے آپ لوگوں کے نئے رسالوں کو کچھ سہارا دے رکھا ہے، پرانے ناموں کو نکال کر نئی نسل کو کاغذوں کا ڈھیر۔"

"اوں ہاں۔" وہ کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر کے میز کی درازوں کے کاغذ دیکھنے لگی اور ایک بے ترتیب مڑا ہوا کاغذ نکال کر سیدھا کیا اور اس پر اسٹیپ رکھ دیا تا کہ سیدھا ہو، پر اس سے پہلے کہ طاہر کچھ اور کہتا وہ بیگ میں سوالات والی پیڈ پین اور کچھ خالی کاغذات دوسری طرف پانی کی بوتل اٹکا کر اٹھی، پانی کی بوتل بالکل خالی دراز کے ساتھ جڑے ہوئے سائیڈ والے خانے میں اٹکائی تا کہ بوتل کے خارج ہوتے ہوئے قطروں سے کاغذ پر کوئی اثر نہ پڑے، بیگ ایک بار پھر چیک کیا اور کمرے سے باہر نکل گئی مس یاسمین کو دیکھنے اور حسب معمول وہ لیڈیز واش روم کے پاس ہی ملیں باہر لگے ہوئے مرر پر خود کو بغور دیکھتی ہوئیں چہرے پہ اچھی طرح اسٹک لگانے کے بعد اب باری لپ اسٹک کی تھی۔

''کیسی لگ رہی ہوں امرت؟'' اسے سامنے پا کر مسکرا کر پوچھنے لگیں۔

''اچھی لگ رہی ہیں۔'' وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

''میرے شوہر کی طرح جھوٹی تعریف کر دی، اچھا چھوڑو چلو اب کہاں چلنا ہے انٹرویو کے لئے بتاؤ۔''

''عمارہ آجائے اسی کا انتظار کر رہی ہوں۔''

''امرت کبھی اپنی طرف بھی توجہ دے دیا کرو، شکل تو اچھی ہے اسے ٹپ ٹاپ رکھو تو خوبصورت لگو گی بالکل ہیروئن فلموں کی۔'' بات کرتے ہوئے آنکھ ماری۔

''شکر ہے آپ نے یہ نہیں کہا کہ پاکستانی فلموں کی ہیروئن لگو گی۔''

''تمہیں یہ سننا ہے کہ انگریزی فلموں کی ہیروئن لگو گی۔''

''نہیں مجھے فلم کی ہیروئن لگنا ہی نہیں ہے ایسا کوئی شوق نہیں ہے مجھے، یہ عمارہ نہیں آئی ساڑھے گیارہ ہوئے ہیں، فون کر لوں ذرا۔'' اس نے سیل فون نکالنے کے لئے بیگ کی زپ کھولی ہی تھی کہ سامنے آتی عمارہ دکھائی دی۔

''اوہ شکر ہے تم آگئیں۔''

''میں روم میں تھی طاہر صاحب نے بتایا کہ آپ دونوں باہر ہیں تو چلی آئی، کہیں جانا ہے کیا؟''

''ہاں جانا تو ہے تم چلنا چاہو گی، کسی پرانے ادیب کا انٹرویو کرنے جانا ہے، امرت کو نیا بخار چڑھا ہے، بروفن دے دینا تھی۔'' عمارہ پہلی بار دوستانہ انداز میں ان سے بات کر رہی تھی۔

''اس پر انجکشن کا اثر نہیں ہوتا تم بروفن کی بات کر رہی ہو۔'' مس یاسمین بے ساختہ ہنس دی۔

''آپ لوگ کسی نئی دوائی کا نام سوچیں میں ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہہ دوں۔''

''بورڈ کی گاڑی تو صبح سے سیکرٹری کے پاس ہے ہمیں رکشہ لینا پڑے گا یا ٹیکسی۔'' امرت کا موڈ کچھ آف سا ہو گیا۔

''چلیں یوں ہی سہی۔''

''کیا میرا جانا ضروری ہے۔'' عمارہ کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔

''تمہیں مسٹر طاہر کی کمپنی میں بیٹھ کر کام کرنا ہے یہ اگر آسان ہے تو رک جاؤ۔''

''نہیں پھر میں چلتی ہوں۔'' اسے طاہر سے ڈر نہیں لگ رہا تھا، مگر کام کرنے کا یہ طاہر کی بکواس سن کر ہضم کرنے کا کوئی موڈ نہیں تھا اس لئے وہ ان دونوں کے ساتھ باہر نکلی۔

''مس یاسمین سنیں، آپ لوگ اکیلے کیسے جا سکتے ہیں یہ علاقہ جام شورہ سے بھی دوسرے ویران علاقہ ہے وہاں چور چکے بھی ہوتے ہیں۔'' مسٹر طاہر ان سے پہلے بیرونی گیٹ پر جا کھڑا تھا۔

''ارے بھئی طاہر میاں چور چکے کوئی دن میں دندناتے تھوڑا ہی پھرتے ہیں ہم تین لوگ ہیں تین عورتوں سے ایک آدمی بیچارہ کیا لڑے گا۔'' مس یاسمین بے فکری سے کہتی آگے بڑھیں۔

''وہ شخص پاگل ہے عجیب ہے خدا جانے کیسا سلوک کرے اکیلا رہتا ہے اور دہشت گرد لگتا

ہے اپنے لمبے بالوں بڑی لمبی داڑھی سے، پورا گھر اس کا جھاڑیوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے، بہت برا حال ہے۔"

وہ ہر طرح سے ان کو ہراساں کر کے روکنا یا ساتھ چلنا چاہ رہا تھا۔

"اتنی دیر کھڑے ہو کر باتیں کرنے سے بہتر تھا کہ تم ہمارے لئے ٹیکسی ہی لے آتے۔" اس بار امرت خاموش تھی، مس یاسمین ہی بات کر رہی تھی۔

"ٹیکسی ہم لے لیتے ہیں مس یاسمین چلیں بس دیر ہو رہی ہے۔" وہ عمارہ کو اشارہ کر کے اور انہیں کہہ کر گیٹ عبور کر گئی تھی۔

"رکشہ لے لیتے ہیں امرت۔" مس یاسمین نے پرس کی پاکٹ میں سے اکلوتے سو روپے کے نوٹ کو نکال کر دیکھتے ہوئے سوچ کر کہا۔

"کرایہ میں دے دوں گی۔" وہ مسکرائی۔

"پھر ٹھیک ہے۔" مس یاسمین نے پرس کی زپ تسلی سے بند کرتے ہوئے جیسے اس اکلوتے سو کے نوٹ کو بچ جانے کی تسلی دی تھی۔

ان دونوں کی بات پر عمارہ بھی بے ساختہ مسکرا دی اور مس یاسمین دونوں ڈپٹنے والے انداز میں گھورنے لگیں جب دونوں بے ساختہ ہنس دی تھیں اور تب تک سامنے آتی ٹیکسی کو مس یاسمین نے روک لیا تھا اور اب کی بار انہوں نے کرائے پر تکرار بھی نہیں کی تھی۔

☆☆☆

آج معمول سے زیادہ ٹھنڈ تھی اور برف باری بھی ہو رہی تھی وہ اوور کوٹ چڑھاتا ہوا باہر آ گیا اور تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا جہاں جوذف اس کا پچھلے بیس منٹ سے انتظار کر رہا تھا۔

"اتنا تو کوئی لڑکی بھی انتظار نہیں کراتی جتنا تم کراتے ہو، ساری حسیناؤں جیسی ادائیں ہیں، کچھ تو تمہارے فنکار باپ نے بھی تمہیں نکما بنا دیا ہے۔" وہ اس کے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے خود بھی شروع ہو گیا تھا۔

"تم اور تمہاری کھٹارہ گاڑی شروع ہو تو رکنے کا نام نہ لو اور جب انجن بند ہو تو چلنے کا نام نہ لو، ویسے آج بہت ٹھنڈ ہے۔" اس نے گاڑی کے شیشے پر گرتی شبنم کے قطرے دیکھنے لگا۔

"تم واقعی پاکستان جا رہے ہو حالی؟" وہ اس کے ارادے کو مذاق سمجھ رہا تھا۔

"تمہیں میرے ابا کی طرح میری کسی بات پر یقین کیوں نہیں آتا جوذی۔"

"تمہارے ابا تو ایک الگ دنیا کے ہی باسی لگتے ہیں، خیالوں میں رہتے ہیں۔" وہ ڈرائیو کرتے ہوئے مسکرایا۔

"آج کل وہ ہواؤں میں رہنے لگے ہیں، شیو کرا لی تیار شیار سوٹڈ بوٹڈ ینگ مین بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"تم نے کبھی ان کا علاج کرانے کا نہیں سوچا، اب کی بار ان کو کسی اچھے سے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے کر جانا، ان کا مرنے کا وہم کہاں تک پہنچا ویسے؟" وہ بڑے مزے سے پوچھ رہا تھا۔

"وہم یقین میں بدل گیا ہے ان کا، آٹھواں ماہ، گزر رہا ہے وہ ہر روز یاد دلاتے ہیں، صبح فون کر کے بتایا کہ کسی پرچے کے دفتر سے فون آیا تھا اور وہ انٹرویو دینے کے لئے رضامند ہیں، کبھی شاپنگ کرنے نکل جاتے ہیں، کبھی جھاڑیاں کاٹ رہے ہیں، کبھی ساری چیزیں پھیلا دیتے ہیں، عجیب متضاد طبیعت ہو رہی ہے، وہ پہلے بھی عجیب تھے مگر کم، اب وہ عجیب تر ہو گئے ہیں۔" وہ بڑی سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔

"ہاہا...... ان کے دماغ کا خناس بڑھ گیا ہو گا۔"

"میں سنجیدہ ہوں جوذف۔" اسے جوذف کا یوں قہقہہ مار کر ہنسنا برا لگا تھا۔

"وہ تو میں دیکھ رہا ہوں، اتنے سنجیدہ تم کبھی کسی لڑکی کے لئے نہیں ہوئے، جتنا ابے کے لئے ہوتے ہو۔"

"وہ لڑکی نہیں میرا باپ ہے، سب سے زیادہ اہم۔" اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی تھی اور اب آنکھیں بند کر کے پیشانی مسل رہا تھا۔

"آج پھر تمہیں سر میں درد ہے، چار کپ چائے کے صبح سے پی چکے ہو، اس کے باوجود بھی......"

"جوذف دعا کرو۔" وہ مسکین سی صورت لئے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"بہت مشکل کام ہے یہ دعا وغیرہ، کئی سالوں سے دعا نہیں کی اب تم کہو گے کہ تم پھر بھی زندہ ہو، بغیر دعا کیئے۔" وہ کہتے ہوئے ہنس پڑا۔

"میں یہ نہیں کہوں گا، بلکہ مجھے حیرانی ہو گی کہ تم بغیر امید کے کیسے زندہ ہو، مجھے تمہیں سیلوٹ کرنا چاہیے پھر تو۔" وہ سنجیدگی سے اسے ڈرائیونگ کرتے دیکھتا رہا۔

"ہاہا...... امید...... میں ایک ناکارہ انسان ہوں، مزے کی بات کہ میں زیادہ خواب نہیں پالتا اور مجھے دکھ بہت کم ہوتا ہے، تم سمجھو میں سخت جان ہوں، مجھے فرق نہیں پڑتا حالار، تمہارے ساتھ یہ مسئلہ ہے کہ تمہیں فرق بہت پڑتا ہے، تم لوگ اندر سے کچے ہو خالص سچے ڈھیلے نرم وفادار کچی لکڑی کی طرح بار بار جھکتی ہے، ٹوٹتی ہے پھر بھی اگ آتی ہے۔"

"تم بہت گہری باتیں کرنے لگی ہو جوذف اور تمہاری اردو بھی بہت اچھی ہو گئی ہے۔" وہ اسے پیار سے دیکھتے ہوئے بے ساختہ مسکرایا۔

"مجھے پتہ ہے جب تمہارا ابا بولتا ہے تو تم اسے اسی طرح دیکھتے ہو جیسے کوئی عاشق معشوقہ کو دیکھتا ہے۔"

"غلط اندازہ ہے تمہارا، میرا ابا کہتا ہے جیسے کوئی شفیق باپ اپنی نادان اولاد کو اچھا کام کرتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتا ہے یا پھر نادانی کرتے دیکھتے ہوئے ہنس کر ٹال دیتا ہے، تمہیں پتہ ہے جب میں چھوٹا تھا تو میرا باپ مجھے ایسے ہی دیکھتا تھا، اب میں اس طرح دیکھنا سیکھ گیا ہوں۔" جوذف اس کی بات پر مسکرائی تھی۔

"تمہیں پتہ ہے جوذی، میرا باپ ہی وہ ایک شخص ہے جسے مجھ سے محبت کرنے کے لئے اس دنیا میں بھیجا گیا، میں نہیں چاہتا وہ مجھ سے دور ہو، حالانکہ وہ کب سے اپنے موت کا جنتر منتر سنا کر

مجھے آمادہ کر رہا ہے ذہنی طور پر تیار کر رہا ہے میں پچھلے پانچ سال سے بھاگ رہا ہوں اس سے، وہ روز فون کرتا ہے، میں بھی روز فون کرتا ہوں، مگر مجھے لگتا ہے میں اس کا سامنا نہیں کر پاؤں گا، مجھے لگتا ہے میں اپنے باپ کو کوئی سکھ نہیں دے سکتا، میں ڈرتا ہوں اپنے آپ سے اور اس سے، میں اس کی کوئی ایک خواہش تک پوری نہ کر سکا، لڑکی بھگا کر نکاح تک تو نہیں کر سکا۔" آخر میں کہتے ہوئے وہ خود ہنس دیا، مگر اس بار جوذف نہ ہنس سکی، گاڑی کیفے کے سامنے رک گئی، وہ دونوں اترے، گاڑی بند کی اور کیفے میں آ گئے۔

"تم چائے کا پانچواں کپ پیو گے یا پھر کچھ اور۔"

"میں کافی کا آج کا پہلا کپ پیوں گا جوذف۔" وہ کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، اپنا اوور کوٹ اتار کر کرسی کی پشت پر ٹکا دیا اور اب گلاس وال سے باہر بے وجہ دیکھنے لگا۔

"پہلا اور آخری کپ ہونا چاہیے۔" جوذف تنبیہ کرتے ہوئے کافی کا کپ اس کے لئے اور ایک اپنے لئے لے آئی۔

"آج تم ڈرنک نہیں کرو گے؟" وہ اس کے ہاتھ میں کافی دیکھ کر حیران ہوا۔

"نہیں آج میں ہاٹ ڈرنک کروں گا۔" وہ کافی کا سیپ لیتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے حالار تم جتنا چھپنے کی کوشش کرو، جتنا چہرہ سخت کر کے ہونٹ سکیڑ کر بدتمیزی سے پیش آؤ، تمہارے اندر کا سیدھا پن جاتا نہیں ہے۔"

"یہ تمہاری تربیت کا حصہ جو ہے۔"

"میں جتنا چاہوں فنکار جیسی عادتوں سے دور رہوں مگر فنکار میرے اندر آ جاتا ہے، رنگیلا ہے خود بھی مجھے بھی رنگیلا کر دیا ہے، اس نے یہ نہیں کہا کہ رنگین ہے خود بھی اور مجھے بھی رنگین کر دیا ہے۔"

"تم سے ایک بات پوچھوں حالار، پاکستان صرف ابے کے لئے جا رہے ہو نا۔"

"نہیں اپنی محبوبہ کے لئے جا رہا ہوں۔" وہ ہونٹ سکیڑ کر اسے گھورنے لگا۔

"پھر تو کل ہی جاؤ، ایک ہفتے بعد کیوں۔" وہ حسب عادت ہنسا۔

"جوذف دعا کرو میرے والد کا وہم وہم ہی ہو، میں ڈرنے لگا ہوں وہ کہتا ہے آٹھواں مہینہ لگ گیا ہے، باقی کچھ دن رہتے ہیں۔"

"میں دعا کروں گا حالار، بہت عرصے بعد سہی مگر کروں گا ضرور، مگر ایک شرط پر۔" وہ کچھ سوتے ہوئے رکا۔

"کیا شرط ہے؟" حالار کافی کا پورا کپ خالی کر چکا تھا۔

"وہ کون تھی؟" جوذف اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھنے لگا۔

"وہ کون تھی؟" وہ کندھے جھٹک کر سیدھا ہوا۔

"وہی جو کہانیاں لکھتی تھی، جس نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا۔"

"وہ صرف جاگتی آنکھوں کا خواب تھی، پچھلے سالوں بڑے دل سے میں دعا کی تھی کہ اللہ کرے وہ مر جائے۔" حالار نے آنکھیں بھینچ لیں ایک لمحے کے لئے اور پھر آنکھیں کھول کر باہر

دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"پھر کیا ہوا کہ...... وہ مر گئی۔" اس بار حالار کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی اور جوذف حیرانی سے چپ کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

یہ زلف پڑی کیوں میرے گلے
یہ پیچا پیچ اور مار سیا
رخ مجھ سے چھپایا کیوں تو نے
جب تجھ پہ یہ دل نادان ہوا

اسے اپنی پشت جلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور قوم بے طرح لڑکھڑا رہے تھے مگر وہ چلتا گیا، اس کی آنکھوں سے قطار در قطار آنسو بہتے گئے، وہ بار بار کوٹ کے کف سے آنکھیں اور چہرہ صاف کرتا پھر جانے کہاں سے آنکھیں بھر آتیں دریائے محبت مستی پہ تھا اور اس کا دل بچوں کی طرح بلک رہا تھا، راستے میں بازار دوکانیں مسجد منبر سب گزر گئے وہ سیدھ میں دیکھتا چلتا گیا، جیسے کوئی اپنی شکست تسلیم کر لیتا ہے، جیسے کوئی جواری ساری بازی ہار کر گھر جا رہا ہوتا ہے، اسے تمنا تھی وہ ملے گی، وہ رکے گی، وہ روکے گی، وہ ایک آواز تو ضرور دے گی، وہ ایک بار رستے میں تو ٹکرائے گی، ملاقات تو لکھی تھی، ملاقات تو ہونی تھی یہ آخری بار ہی سہی، وہ اس آخری بار کو آخری کرنے آیا تھا، اس کی تمنا تو کچھ مشکل نہ تھی تھوڑی دیر بیٹھ کر باتیں کرنا، بہت ساری باتیں کرنا، اسے اس کی کہانی سننی تھی، اسے اپنی سنانی تھی وہ اسے روکنے کی ہمت کہاں رکھتا تھا۔

وہ اسے روک بھی نہیں پاتا، اسے پتہ تھا اس ملاقات کو اختتام ہونا تھا پھر دونوں کو اپنے اپنے رستے پر چلے جانا تھا ایک طویل موت کے لئے، اس کے بعد اصل نصیب کس کو کہاں لے آتا یہ تو نہ علی گوہر جانتا تھا، نہ وہ، یہ تو صرف ان کا رب ہی جانتا تھا، مگر دکھ اس کے اندر چیخیں مار کر رونے لگا جب پتھرائی ہوئی سڑک پر وہ اوندھے منہ گرا پڑا تھا۔

☆☆☆

مس یاسمین فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئیں جبکہ یہ دونوں پیچھے، مس یاسمین نے ہاتھ بڑھا کر ٹیپ ریکاڈر کھول دیا عادت سے مجبور ہو کر، دوسرے ہی لمحے گاڑی میں موسیقی گونجنے لگی۔

ساکوں یار مناوناں اے
چاہے سر دی بازی لگ جاوے
ایہو گجرہ چانوناں اے
چاہے سر دی بازی لگ جاوے

"پریشان ہو؟" امرت نے آہستگی سے عمارہ کے کان کے قریب کہا، اس نے بے یقینی سے امرت کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی (کیسے سمجھ جاتی ہو تم سب کچھ)

"علی گوہر گھر سے بھاگ گیا ہے؟" وہ اس کے لئے کچھ نزدیک کھسک آئی، اس نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر سے چہرہ ونڈ اسکرین کی طرف موڑ دیا۔

"اسے تو پھرنے دو، وہ ایک دن تمہارے پاس آجائے گا۔"
"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" عمارہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔
"وہ کیا؟ کہ تم اسے رسیوں سے باندھ دو گی اب کی بار۔"
"اسے رسیوں سے آزاد کردوں گی اب کی بار۔" امرت اسے بغور دیکھنے لگی، وہ اسے سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔

اودے باجوں نبھ دی نا میری
سارے ہیلے لا گھنساں
ایہو مسئلہ مکاوناں اے
چاہے سر دی بازی لگ جائے

عمارہ کی آنکھوں میں نمی اتر کر تیرنے لگی اور اس نے آنکھوں پہ دھوپ کے گلاسز چڑھا دیے تھے۔

دھوپ کا چشمہ کسی اور کام بھی آتا ہے یہ اسے پتا تھا، امرت نے بھی آج کے بعد اپنے ساتھ دھوپ کا چشمہ رکھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

یاد نہیں نے جیوناں کھڑا
نال پریشاں تھیوناں کھڑا
اج بخت لڑاوناں اے
چاہے سر دی بازی لگ جاوے
پاویں سر دی بازی لگ جاوے

مس یاسمین بے خبر گانے کی موسیقی اور بول سے محظوظ ہو کر سر دھن رہیں تھیں۔
عمارہ نے دھوپ کا چشمہ چڑھا رکھا تھا اور رخ باہر کی طرف تھا امرت نے سیٹ کی پشت سے سر لٹکا لیا تھا۔
گاڑی کی خاموشی میں صرف ایک ہی بول روائینڈ فارورڈ ہو رہا تھا۔

ساکوں ڈھول مناوناں اے
ساکوں یار مناوناں اے

☆☆☆

نواز حسین علی گوہر کو کندھے پر اٹھائے ہسپتال کے دروازے پر کھڑا تھا جہاں اسے فوری ٹریٹ منٹ دے کر پٹی وغیرہ کردی گئی تھی، تھوڑی دیر میں وہ پورے ہوش و حواس کے ساتھ آنکھیں کھول کر اٹھ بیٹھا اور ہسپتال کا کمرہ دیکھ کر فوری طور پر کچھ نہ سمجھ سکا جبھی نواز حسین کرسی سے اٹھ کر اس کے نزدیک آتا تھا۔
"میں نواز حسین ہوں، تانگہ چلاتا ہوں، سڑک سے گزرا تو تم گرے پڑے تھے اسی وقت گرے تھے اٹھا کر یہاں آگیا، اب کیسے ہو؟" اس نے بڑے دوستانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بتایا جتنا وہ خود سادہ تھا اتنا اس کا بات کرنے کا طریقہ سادہ تھا فوری طور پر سمجھ آنے اور

اپنی طرف کھینچنے والا۔
علی گوہر کو فوری طور پر کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کہے، نرس علی گوہر کو چیک کرنے آئی اور گھر جانے کا کہہ کر لوٹ گئی۔
"چل تو باؤ تجھے اپنے یا تیرے گھر لے چلوں، زخم تیرا ٹھیک ہے مگر تجھے آرام کی ضرورت ہے ڈاکٹر نے انجکشن لگائے ہیں پھر سے نیند آرہی ہے نا؟" وہ اسی طرح اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے پوچھنے لگا تو علی گوہر نے کسی معصوم بچے کی طرح سر ہلایا اثبات میں اور وہ اسے لے کر باہر آگیا ریسپشن پر بل ادا کیا دوائیں خریدیں کچھ اور ہاتھ سے پکڑ کر باہر لے آیا۔
علی گوہر بلا چوں چرا اس کیے معصوم بچے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلتا جارہا تھا، نواز نے علی گوہر کو تانگے کی پچھلی سیٹ پر بٹھایا ٹیک لگا کر لیٹنے کے سے انداز میں۔
"ٹھیک ہو، گرو گے تو نہیں؟" اور علی گوہر نے بچے کی طرح نفی میں سر ہلا دیا تو وہ مطمئن ہو کر آگے چڑھ کر بیٹھ گیا۔
علی گوہر نے سیٹ پر بازو پھیلا لیا اور آڑھا ترچھا لیٹ ہی گیا، اس نے زور سے گھوڑے پر چابک مارا۔
"قابو چل بھاؤ، مضبوطی سے پکڑنا بھائی۔" گھوڑے نے قدم آگے بڑھائے تھے اور اس نے علی گوہر کی طرف فکر سے دیکھتے ہوئے کہا تھا تانگہ ہچکولے کھاتا ہوا چلنے لگا۔
"چل تجھے اپنے گھر لے چلتا ہوں فی الحال، وہاں کسی کو آرام نصیب تو نہیں ہوتا مگر تیرے نصیب میں وہاں آرام لکھا ہوگا تجھے ضرور ملے گا۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں کہتا ہوا مسکرایا تھا اور گھوڑے کی لگام کھینچی، تانگے کے ساتھ ساتھ علی گوہر کا ذہن بھی ہچکولے کھا رہا تھا، ایک بار وہ گرتے گرتے بچا اور پھر نواز حسین کا ایک ہاتھ اس کی پشت پر مضبوطی سے ٹکا تھا اور ایک گھوڑے کے لگام کھینچنے میں مصروف تھا، تھوڑی دیر بعد یہ مشکل سفر ختم ہوا تھا۔

☆☆☆

سب کچھ تو بے ترتیب تھا، مگر فنکار کو کوئی پرواہ نہ تھی، چیزوں کا ڈھیر بے ترتیب بکھرا پڑا تھا، اس نے سوچا وہ ایک دو دن میں سب سمیٹ لے گا اور سمیٹنے کے چکر میں سارا کمرہ جو الٹائے رکھا تھا، کیبنٹ کھول کر ساری چیزیں ہاتھ مار کر گرادیں، کتابیں، ڈائریاں کچھ ٹوٹے قلم حالار کا بریف کیس الٹ کر فرش پر پڑا تھا جس کی ہر ایک چیز ان کے لئے توجہ کی طالب تھی، اس نے ابھی ڈائری کھولی تھی حالار کی وہ پڑھ کر جاننا چاہتا تھا اسے پتہ تھا یہاں جاتے ہوئے بھی دو دن پہلے حالار یہ ڈائری لکھتا رہا تھا، یہاں سے جاتے وقت اس کے دل پہ کیا گزر رہی تھی اور وہ کیا محسوس کر رہا تھا انہیں اندازہ ضرور تھا مگر کچھ احساسات کو اس نے چھپائے چھپائے رکھا تھا، کچھ چیزیں ابھی ان پر کھلنی تھیں اور پورا بریف کیس کھلا پڑا تھا۔
ٹیکسی آکر دروازے کے نزدیک رکی تھی، وہ تینوں ساتھ اتریں۔
"کتنی دیر کھڑا رہنا پڑے گا بی بی!" ڈرائیور نے بیزاری سے پوچھا۔
"کھڑے رہنے کے کتنے پیسے لوگے؟" مس یاسمین نے امرت سے کرائے کے پیسے لے کر

دیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تم چلے جاؤ ہم دوسری گاڑی پکڑ لیں گے۔" امرت نے پرس چیک کرتے ہوئے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

"رات ٹھہرنے کا ارادہ تو نہیں امرت۔" مس یاسمین نے کہا۔

"اللہ نہ کرے۔" امرت سے پہلے عمارہ بول پڑی۔

امرت نے آگے بڑھ کر دروازے کی بیل پر ہاتھ رکھا جو خراب تھی، پھر اس نے دروازے پر ایک ہلکا سا ہاتھ مارا۔

"تو زور سے بجا خاصی زور سے بجتا ہے۔" اس نے ہاتھ روک لیا۔

"لکڑی نہیں لوہا ہے یہ ظاہر ہے بجے گا تو آواز آئے گی۔" مس یاسمین نے ٹوکنا مناسب سمجھا۔

"دروازے کو بجاؤ یا دھکا دو امرت ہم یہاں کھیلنے کے لئے کھڑے ہیں کیا۔" عمارہ نے چہرے پر آیا پسینہ ہاتھ سے ہی صاف کیا اور بیزاری سے کہا تھا، امرت نے ہلکا سا دھکا دیا دروازہ چر...... کی آواز کے ساتھ آدھا کھلا تھا آدھا تینوں نے مل کر کھولا۔

فنکار ایک لمحے کے لئے دروازے کی آواز پر چونکا ضرور مگر پرانی بات سمجھ کر اگنور کر دیا اور ڈائری کا صفحہ نمبر دو کھولا، وہ تینوں گول برآمدے سے گزر کر ہال کی طرف آئیں۔

یہاں تو کوئی چور چکا بھی گھس سکتا ہے، کوئی بندہ بشر رہتا بھی ہے یا نہیں، امرت ہم غلط جگہ تو نہیں آ گئے۔" مس یاسمین بے چین ہو گئیں۔

"آواز تو دے لو بھوت بنگلے میں، کوئی ہے یہاں پر۔" مس یاسمین بچوں کی طرح چھت کی طرف منہ کر کے بولیں، تو بلند چھت سے آواز ٹکرا کر گونجی تھی اور امرت نے ناگواری سے ان کو دیکھا۔

"امرت اغواء نہ ہو جائیں خدارا تصدیق کر لو یہی جگہ تھی نہ۔" مس یاسمین کو خوف لاحق ہو گیا ساتھ ہی بڑی سی تصویر کا فریم جو دیوار سے لگے ایک پر لٹکا تھا وہ فریم اچانک ہی زور سے گر پڑا تھا اور تینوں ساتھ چونکیں تھیں، فنکار جھنجلا کر ڈائری کو اور پھر بند دروازے کو دیکھنے لگا۔

"نکلو امرت مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔"

"یہ ایک دفعہ گر چکی ہے اب نہیں گرے گی۔" امرت کا اشارہ تصویر کی طرف تھا۔

"یہ واقعی ٹھیک جگہ ہے امرت۔" عمارہ بھی ہال کی بڑی کھڑکیوں سے جھانکتے ہوئے فکر مند سی ہوئی۔

"اب تو ٹیکسی والا بھی چلا گیا ہوگا۔" مس یاسمین کی فکرمندی چوٹ پر تھی۔

"ایک لمحے کو رک جائیں، دیکھتے ہیں اس کمرے سے کچھ چیزیں بکھرنے کی آواز آ رہی ہے۔" وہ کہہ رہی تھی جب کمرے کا دروازہ کھلا اور سامنے اجنبی شخص کھڑا تھا، جسے امرت دیکھ کر دیکھتی ہی رہ گئی، کیا یہ وہی کلین شیو شخص تھا، وہی داڑھی والا۔

عمارہ البتہ ضرور چونکی تھی وہی شخص دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھ کر پانی کا گلاس پینے والا، اسے

ان کا دیا ہوا پیغام یاد آ گیا۔

"جی خواتین۔" وہ بوکھلایا کھڑا تھا۔

"پانی پینا ہے آپ لوگوں نے۔" اگلے لمحے ہی بے ترتیب کپڑوں والے کلین شیو شخص نے دریافت کیا۔

"صرف پانی۔" مس یاسمین تنقیدی نگاہوں سے دیکھتے بولیں۔

"رہبر سندھی آپ ہیں؟" امرت بغور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی، وہ گھبرائے ہوئے انداز میں تھوڑی مسلنے لگا تھا۔

"ہم بورڈ کی طرف سے آئے ہیں انٹرویو کرنے آپ کا۔" وہ کچھ سمجھتے ہوئے سر ہلا کر مطمئن ہوا کچھ اور باہر آیا کمرے سے۔

"کیا اب ہمیں خود ہی کرسیاں سیدھی کر کے بیٹھنا پڑے گا۔" مس یاسمین کھڑے کھڑے تھک چکی تھیں سارا سارا دن بیٹھ بیٹھ کر بیٹھے رہنے کی عادت جو پڑ گئی تھی۔

"کرسیاں میں خود سیدھی کر لیتا ہوں۔" وہ فوراً آگے بڑھے، دو کرسیاں سیدھی کیں، ایک ٹوٹی ٹانگ والی کرسی کی کیل کو ٹھونک کر پیش کیا اور خود اسٹول پکڑ کر میز کے قریب بیٹھ گئے ان تینوں کے بیٹھتے ہی، عمارہ کو انہوں نے مسکرا کر دیکھا تھا مگر کچھ کہا نہیں تھا۔

"آپ کا گھر عجیب سا ہے، یہاں چیزیں گرتی رہتی ہیں، سب کچھ بکھرا پڑا ہے، وہ کہاں چپ رہنے والی تھیں، غلط جگہ پر ساری چیزیں رکھی ہیں، جب غلط جگہ رکھی جائیں گی تو ضرور گریں گی، امرت اپنا لہجہ نارمل رکھتے ہوئے پرس سے پیڈ پین اور چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈ نکال کر میز پر رکھنے لگیں۔"

"اب تم یہاں چیزیں اٹھ کر ٹھیک کرنے نہ لگ جانا۔" انہوں نے ٹوکنا ہمیشہ کی طرح ضروری سمجھا تھا۔

"اگر یہاں علی گوہر ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔" وہ عمارہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے کہ علی گوہر کو ابھی تو یہیں ہونا چاہیے تھا۔" عمارہ کا لہجہ خاصہ چبھتا ہوا تھا۔

"علی گوہر کو جہاں ہونا چاہیے وہ وہیں ہوگا۔" وہ پھر پھیکا سا مسکرائے۔

"آپ لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟" کہنا امرت چاہتی تھی مگر بولنے میں جلدی مس یاسمین نے ہی کی تھی۔

"بڑی تازہ ملاقات ہوئی ہے کل ہی تو، یہ ہماری چوکھٹ پر پانی کا گلاس پینے آ گئے تھے۔" عمارہ کا لہجہ وہی تھا۔

"اور آج کس کو پتہ کہ عمارہ صاحبہ فنکار کے گھر پانی پینے آ جائیں گی، یہ واقعی نہیں پتہ کہ کون کل کہاں پہ ہوتا ہے، کسے کہاں پہنچا دیا جاتا ہے۔" عمارہ کا لہجہ اب جا کر نرم ہوا تھا۔

"اور آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں علی گوہر کا، حالانکہ مجھے کہاں پتہ کہ اسے ابھی کہاں پہنچا دیا گیا ہے۔"

"آپ لوگ یہی الجھی الجھی باتیں کرنے لگیں گے یا کام کی بات ہوگی؟" یاسمین نے گھڑی

دیکھ کر کہا تھا۔

"میں نے زندگی میں کبھی ایسا انٹرویو نہیں دیا، تین خواتین مجھ سے سوال جواب کرنے آئی ہیں، سمجھ نہیں آ رہا انٹرویو کس طرح کا ہوگا۔" وہ مصنوعی فکرمندی دکھا کر بولے۔

"امرت سوال شروع کرو۔" مس یاسمین نے ٹیپ ریکارڈر کھول دیا۔

"پہلے میں آپ لوگوں کو پانی دوں گا، ہاں مگر یہاں کا پانی تھوڑا کھارا ضرور ہے یہ بتا دوں آپ کو۔" وہ اسٹول سے اٹھے پانی لانے کے لئے۔

"پھر رہنے دیں ہمیں کھارا زہر نہیں پانی۔" یاسمین نے روکا۔

"زہر بھی میٹھا ہوتا ہے کیا محترمہ۔" وہ جی بھر کر مسکرائے۔

"زہر تو صرف زہر ہوتا ہے، مگر ہم مہمانوں کو زہر نہیں دیتے بلکہ مہمان زہر پلا دیں تو پی لیتے ہیں۔" اب وہ امرت کی طرف دیکھنے لگے تو وہ چونکی تھی، پھر وہ کچھ منٹ میں کھارے پانی میں شربت گھول کر لے کر آ گئے۔

"اب پانی پینے کے قابل ہے۔" وہ سب کو باری باری پیش کرنے لگے تھے۔

"زہر اب میٹھا ہو گیا ہے۔" امرت نے گلاس پکڑ لیا، وہ کچھ کہہ نہیں سکے مگر شکوے سے دیکھتے رہے۔

امرت نے تین سانس میں پورا گلاس خالی کر دیا ان تینوں نے گلاس رکھے میز پر اور امرت نے پیپر نکال کر دیکھے، پھر پہلا سوال نکالا۔

"پہلا آسان سوال۔"

"ہم کہانی کیوں لکھتے ہیں؟"

"تم نے کتنی کہانیاں لکھی ہیں امرت، ایک تو مس یاسمین کہانیاں گن کر نہیں لکھی جاتیں نہ ہی لکھنے کے بعد گنی جاتی ہیں، آپ مجھے بتا ئیں انسان کہانی کیوں لکھتا ہے؟"

(دنیا کا احمق ترین انسان ہوتا ہے جو کہانی لکھتا ہے) مس یاسمین کہنا چاہتی تھیں مگر امرت کے ناراض سے انداز میں دیکھنے پر چپ ہو کر بلکہ کرسی تھوڑی پیچھے کھسکا کر بیٹھ گئیں۔

اور عمارہ تو ویسے بھی فاصلے پر تھی جو کھڑکی سے باہر گول برآمدے کی جالی میں بیٹھے کبوتروں کو دیکھنے لگی تھی، امرت نے اپنا سوال دہرایا۔

"انسان کہانی کیوں لکھتا ہے؟"

وہ میز پر کہنی ٹکا کر بیٹھ گئے۔

"جب ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے، یا پھر بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں تب ہم جیسے انسان کہانی لکھتے ہیں۔" ان تینوں نے ایک لمحے میں دلچسپی سے فنکار کی طرف دیکھا تھا۔

☆☆☆

قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا چوبیس سالہ نوجوان اپنی گہری آنکھوں کی جھیل میں اپنے جاگتے ہوئے سپنے دیکھ رہا تھا جب آئینے کو اندر ایک فکرمند عکس نمایاں ہوا، سفید چادر میں ڈھکا وجود جس کے چہرے پر جھریاں عمر کے آخری اسٹیج کو ظاہر کرتی تھیں، اس نے مڑ کر ماں کی ویران آنکھوں

میں دیکھا اور انہیں اپنے ساتھ لگاتا ہوا باہر کی طرف آیا۔

"اماں میں ہمیشہ کے لئے تو نہیں جا رہا، آتا جاتا رہوں گا چھٹیوں میں، پہلے ہی میرے دو سال ویسے ہی گھر بیٹھے ضائع ہو گئے میری عمر کے لڑکے پاس آؤٹ کر کے یونیورسٹیوں سے نکل رہے ہونگے اور میں اب جاؤں گا ماسٹرز کرنے۔" اس سے پہلے کہ وہ ناراضگی دکھاتیں اس نے خود خفگی کا اظہار کر دیا۔

"بیٹا اتنا تو پڑھا ہے تو نے، کون سا نوکری کرنی ہے، اپنی زمین ہی تو سنبھالنی ہے اپنا لنگر اپنی درگاہ کو ہی سنبھالنا ہے، تو شہر جا کر زیادہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔"

"اماں میری پیاری اماں، میں سب کچھ سنبھال لوں گا مگر مجھے پڑھنے سے مت روکیں، یہ ایک ہی تو خواہش ہے میری۔"

"ٹھیک ہے تو پھر داخلہ لے لے جس طرح تو نے اتنی پڑھائی گھر بیٹھے کی ہے صرف امتحان دینے جاتا ہے یہ پڑھائی بھی اسی طرح کر لے، ماں کی آنکھوں کے سامنے تو رہے گا نا۔"

"مگر یہاں سے جو بھی شہر گیا ہے وہ شہر کا ہو کر رہ گیا پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا، تو بھی نہ اگر آیا تو میں کس کا چہرہ دیکھ دیکھ کر جیوں گی۔" ماں کی آنکھیں بھر آئیں اور جھریاں لمحے بھر کو اور گہری ہو گئیں۔

"اماں، میری چری ماں (بھولی) میں ہر مہینے گوٹھ چکر لگاؤں گا آتا جاتا رہوں گا، بس مجھے روک نہ، دیکھ بابا نے بھی اجازت دے ہی دی ہے۔"

"تیرا بابا مگر تجھ سے ناراض بہت ہے، اسے پسند نہیں تیرا جانا پر وہ مجبور ہے جوان اولاد کو باغی نہیں کرنا چاہتا، میں نے بڑا سمجھایا اسے، تیری پھپھو نے بھی سمجھایا تب جا کر راضی ہوا، مگر بچا دل تو میرا بھی تمہیں چھوڑنے پر رضامند نہیں ہے۔"

"بابا سائیں اور آپ کو تو عجیب دھڑکے لگے رہتے ہیں، ایسا کچھ نہیں ہوگا اماں۔"

"وہ بھی ایسا کہتا تھا تیرا چاچا بھی، پر وہ بھی ایسا ہی نکلا۔" اس نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔

"بدل گیا سر سے پیر تک بدل گیا۔"

"وہ تو شروع سے بدلے ہوئے تھے نا، بابا کہتے تھے نہ وہ زمین پر جاتے نہ گھر کے معاملات دیکھتے تھے نہ درگاہ پر جاتے کچھ نہیں سنبھالا انہوں نے، وہ تو باغی تھے، وہ کہتے تھے کہ میں یہاں نہیں رہوں گا (ان کو سچ بولنے کی ہمت تھی جو مجھ میں نہیں ہے)۔" وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔

"لاھوت تو بھی ایسا کرے گا کیا، تو ایسا مت کرنا، دیکھ تیرے چاچا کے چلے جانے کے بعد تیرے بابا تھے جنہوں نے سب کچھ سنبھال لیا مگر تیرے سوا یہاں کوئی نہیں جو سب کچھ سنبھال لے، تیرے باپ کو شہر کی زندگی، بے وفائی اور باغی پن پسند نہیں ہے تیرا باپ بڑا تیکھا ہے جسے عمر نے کچھ ڈھیلا کر دیا ہے مگر لاھوت کچھ ایسا نہ کرنا جس کی وجہ سے تیرا باپ تجھ سے خفا ہو۔"

"کچھ ایسا نہیں کروں گا (اتنی ہمت کہاں مجھ میں)۔" وہ پھیکی مسکراہٹ سے ان کو تسلی دینے لگا۔

"لاھوت!" ماں کتنی دیر سے یہ چہرہ دیکھتی رہی۔

”لاھوت ماں کو پتہ ہے، تو بھی ویسا ہے، تو بھی یہی سوچتا ہے، ہمارے خاندان میں نسل در نسل جس طرح ایک بزرگ پیدا ہوتا رہا ہے ویسے ہی ایک باغی بھی پیدا ہوتا رہا ہے، وہ بھی ایسا تھا، اس کی بیٹی بھی ایسی نکلی، پلٹ کر خبر تک نہ لی تھی، اچھا کیا نہ پلٹی ورنہ تیرے ابا تو اس کا پتہ نہیں کیا حال کرتے، مگر لاھوت تو ایسا نہ کرنا، تو باغی نہ بننا۔“ ماں نے لاھوت کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر التجاء کی۔

(مجھے صرف کچھ دیر کی آزادی چاہیے ماں، لوٹ آؤں گا۔)

”ماں کو اپنے لاھوت پر بھروسہ ہے نا؟“ ماں نے اثبات میں سر ہلا دیا تو لاھوت نے بوڑھی آنکھوں سے بہتے واہے آنسوؤں کی صورت اپنے ہاتھ سے صاف کر ڈالے۔

”ماں اب کبھی نہیں روئے گی، وعدہ کریں۔“

(تیرے جانے کے بعد ماں روز روئے گی) ماں نے اسے خوش کرنے کے لئے نفی میں سر ہلا دیا اور اس نے ماں کے دونوں ہاتھ چوم لئے اور ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

”لاھوت ایک بات پوچھوں؟“

”تو اپنے چاچے کے بند کمرے میں کیوں جاتا ہے اور اس کا صندوق کیوں کھولتا ہے۔“ ماں نے کئی بار دیکھا تھا، وہ جھوٹ نہ بول سکا۔

”اماں چاچا کے کمرے میں جا کر گھٹن کا احساس نہیں ہوتا، پتہ ہے اماں، میں نے چاچا کی صندوق سے وہ البم چرالی ہے، چاچا مجھے کبھی بھی زندگی میں ملا تو اسے ضرور دکھاؤں گا، وہ بہت خوبصورت تھا نا اماں۔“

”ہاں تیرے چاچے پہ گئی ہیں تیری آنکھیں اور تیرے نقش، عادتیں بھی اسی پہ چلی گئی ہیں، مگر وہ بہت لاپرواہ تھا لاھوت وہ کسی سے ڈرتا نہیں تھا، سچ تو یہ ہے کہ اس نے اپنے ابے اور بڑے بھائی کا بڑا دل دکھایا، خاندان والوں کو بڑے دکھ دیئے، جبھی اسے جائیداد سے عاق کر کے نکال دیا گیا، مگر یہاں سے جاتے وقت بھی اسے کوئی پرواہ نہ تھی، وہ یہاں سے کچھ نہیں لے کر گیا، اس کے پرانے کپڑے بوٹ سب چیزیں ویسی کی ویسی پڑی ہیں، وہ ضدی تھا، بڑے بابا سائیں نے ایک دفعہ کہا اگر وہ لوٹ آیا، اگر اس نے معافی مانگ لی تو ہو سکتا ہے وہ اسے معاف کر دیں، مگر تمہارا ابا بگڑا ہوا تھا، وہ کبھی اسے معاف نہیں کرتا، لاھوت تیرا ابا بڑا اصول پسند ہے، وہ اسے جان بوجھ کر بتا رہیں تھیں کہ وہ سمجھ جائے، آخری سانس تک بڑے بابا انتظار کرتے رہے مگر وہ باغی نہیں آیا، ماں باپ تو اولاد کو معاف کرنے کے لئے بے چین ہوتے ہیں اگر اولاد کو یہ احساس ہو جائے کہ ماں باپ کی محبت کیا ہے تو وہ شاید ایک لمحے کے لئے بھی ماں باپ کو چھوڑ کر کہیں نہ جائیں۔“ لاھوت نے آنکھیں موند لیں تھیں، وہ خاموش تھا کچھ بھی کہنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ کتنی دیر تک بولتی رہیں نصیحتیں کرتی رہیں اور چوبیس سالہ نوجوان کا ذہن نیند کی گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا اور آنکھیں خواب دیکھنے لگیں، وہ ہمیشہ آزاد پرندے کا خواب دیکھتا تھا، یہ خواب نسلوں سے باغی دیکھتے ہوئے آئے تھے، یہ خواب اس کے چاچا عبدالحادی عرف فنکار نے بھی دیکھا یہ خواب کئی لوگوں نے دیکھا تھا۔

ماں نے فکرمندی سے لاھوت کی پیشانی سے پریشان بال ہٹائے اور ایک بوسہ دے دیا جس کی محبت کی تاثیر اس کے اندر تک گئی تھی، اڑتے ہوئے آزاد پرندے نے لمحے بھر کے لئے اپنے آسماں کی طرف دیکھا تھا پھر اڑ گیا۔

☆☆☆

عقل کے مدرسے سے اٹھ

کبیر احمد نے ساری سوچوں کو ایک بار ہی سر جھٹک کر جھٹک دیا تھا، جب سواری مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں تھی۔

عشق کے میکدے میں آ

سرزمین طیبہ کو آنکھوں کے سارے ارمانوں نے بوسہ دیا اور سرزمین پاک پہ قدم رکھتے ہی قدم لڑکھڑانے لگے جہاں قدموں سے نہیں آنکھوں سے سر کہ بل چلنے کا مقام تھا۔

وہ اس مقام پہ کھڑا تھا، جہاں سانسیں ساکت ہو جاتی ہیں، جہاں وقت آ کے تھم سا جاتا ہے، جہاں اشرف المخلوقات رحمت کی بلندیوں کو چھوتی ہے، کیا ہی مقام تھا جہاں کبیر احمد دل کے بل چلا آیا تھا آنکھیں سر تو قربان اور دل نچھاور ہوا جاتا تھا، خواہش اور حسرت کہیں چھپ کر دل کے کونے میں بیٹھ کر اپنی اوقات میں آ گئی اور دل بے طرح دھڑکنے لگا جہاں وہ دل کہ بل آیا تھا۔

جام فنا و بے خودی

اب تو پیا، جو ہو سو ہو

عشق کیا مسئلہ ہے کسی کامل سے پوچھنا چاہیے

وہ کس ہستی کے سراب سے باہر نکلا تھا

ایسے جیسے جسم کے سراب سے روح نکلتی ہے

ہستی کے اس سراب میں

راکھ کی راکھ بس رہی

سوئے الم عدم ہوا

پاؤں اٹھا جو ہو سو ہو

وہ جنت الریاض کا مقام تھا جہاں لفظ، دل، روح ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو جاتی ہے، جہاں مقام عظیم پہ کبیر احمد دل باندھے کھڑا تھا۔

عشق ابتدا سے ارتقاء کی منزل طے کر کے آیا تھا اور اب عشق انتہا کو چھو رہا تھا۔

(جاری ہے)

تالے چابیاں

سیمیں کرن

کچھ چیزیں ست جہتی تالے بند ہوتی ہیں، عام تالہ نہیں ست دندے وہاں عام چابیاں کام نہیں کرتیں، خاص تالے بھلا یوں ہی تھوڑا کھل جاتے ہیں، خاص الخاص اشیاء قیمتی خزانے ہمیشہ خاص تالوں میں ہی محفوظ کیے جاتے ہیں اور خود سپردگی بھی اک خاص چابی ہے مکمل شکست سرنڈر، اپنا آپ مفتوح بنا کر مفتاح میں ڈھالا اور بنا کر اس خاص تالے میں ڈالا جاتا ہے، پھر کشف ہوتے ہیں اور تالے خاص تالے کھل جاتے ہیں، خزانے یونہی تھوڑی ہاتھ لگتے ہیں تالے کی ہیت کی مناسبت سے چابی استعمال کرنی پڑتی ہے خزانے تو تبھی ہاتھ لگتے ہیں، پھر کشادگی نصیب ہوتی ہے کشادگی قید کی ضد ہے اور قید سے نجات بھی مگر کسی خاص تالے کو کھولنا بھی تو اک بڑی فنکاری ہے مہارت درکار ہے مگر مہارت، دسترس اور ہنر ان میں کچھ تو فرق ہے اور وہ فرق شاید بے صبری کا ہے۔

نازش نے قلم اور کاغذوں کو فائل میں رکھا، اک سائیڈ پر رکھا اور آسودگی سے اک سانس لی، اس کا معمول تھا کہ کوئی کتاب پڑھتی اور وہ دل کی گہرائی کو چھو لیتی تو وہ دل کی کیفیت کو اپنی ڈائری میں یا اپنی کسی تحریر کے لئے سنبھال رکھتی، اسی طرح نوٹس لینے شروع کیے تھے کہ اسے محسوس ہوا یہ بے ربط سے نوٹس افسانوں کی شکلیں دھارنے کو بے قرار ہیں اور اس کیفیت کے کیف وکام کی تو کوئی انتہا ہی نہ رہتی جب لکھاری اس کا پسندیدہ ہوتا، ہر حرف مشکل و مجسم ہو جاتا، ہر لفظ اپنے اسرار سمیت اس پر کھلتا تخلیق اپنے بند تالے کھول کر اس پر منکشف ہو جاتی، وہ تحریر کے بطن میں ایسے جا اترتی کہ وہی تو اس کو جنم دے گی، تحریر و مصنف اپنی کیفیت اس پر واشگاف ہو جاتے، پھر وہ ہوتی اس کے تخیل کا گھوڑا اسے دوڑائے پھرتا نئے نئے جہانوں کے سیر کراتا، ہر کتاب پڑھنے کے بعد اسے محسوس ہوتا کہ وہ پہلے سی نہیں رہی اندر سے کیمسٹری کچھ بدلی ہے کچھ رچاؤ کچھ گداز آیا ہے۔

یہ کتابوں کی دنیا اس کی اپنی تھی اس کی سہیلی تھی اس کا محبوب اور عشق تھا، وہ ان میں لکھے حرفوں اور لفظوں کی تقدیس سے آگاہ انہیں رگ جاں کا حصہ بناتی جا رہی تھی، جز وایمان کی طرح اور ایمان کے رستے میں سوالوں کے وہم اور وسوسوں کے ناگ بھی آتے ہیں یہ ناگ جتنے بڑے ہوں اتنے ہی زہری ہوتے ہیں ان زہروں کو تریاق میں بدلنا پڑتا ہے پھر علم محبت بن جاتا ہے، وہ اپنے پسندیدہ لکھاریوں کو پڑھتی ان کی کتابوں سے بہت کچھ سیکھتی اپنے سوال لکھتی اور دل میں آرزو کرتی کہ کبھی موقع ملے وہ اپنے پسندیدہ لکھاری کے سامنے بیٹھ کر اس سے سوال پوچھے اک پیاس تھی جو اس کو دہکائے رکھتی چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی سلگاتی تھی دھیمی آنچ پر رکھی ہنڈیا کی طرح سوختہ جان کیے رکھتی، اس نے خود کو سیال بنا لیا تھا جہاں علم اور اچھائی اور نیکی دیکھتی اس کو اپنی سرشت و جبلت میں ڈال کر عادت بنا لیتی تھی اور یہ کتنی بڑی خوبی و خاصیت

تھی، وہ کب جانتی تھی اسے معلوم ہی نہ تھا، یہی خاصیت اس سے خاصے کی چیزیں لکھوا رہی تھی، وہ اچھے پرچوں میں چھپ رہی تھی، اس کا اپنا نام ابھر کر سامنے آ رہا تھا اک معقول طبقہ اسے جانتا اس کی تحریروں کو بہت سراہتا تھا اس کے اپنے فینز کا اک حلقہ بن رہا تھا مگر اس کے اندر وہی اک سیال پن تھا وہ بہتی ندی تھی اور بس بہنا چاہتی تھی اور اتنا جانتی تھی کہ جس دن وہ رک گئی تو سڑاند دینے لگے گی اور یہی چیز اسے رکنے نہ دیتی تھی وہ خود کو شخصیت کی مسند پر نہ آنے دیتی بلکہ اک

عامی کی طرح وہ اپنی ان پسندیدہ شخصیتوں، لکھاریوں اور دانشوروں کے پیچھے بھاگتی تھی کہ کوئی موقع ملے کچھ سیکھنے اور پوچھنے کا تو وہ اپنی پیاس بجھالے۔

نوریہ رضوی جو کہ اس کی دوست بھی تھی اس سے سینئر لکھاری تھی صاحب کتاب تھی اک ناول اور افسانوی مجموعہ چھپ چکا تھا اس کی حالت دیکھ کر کبھی تو اس کو ٹوک دیتی اور کبھی ہنس کر مذاق اڑاتی۔

''ابھی اس راہ میں نیا نیا قدم رکھا ہے نہ، دلہنوں کی طرح سج سج رکھے بہت سے ارمان سلامت ہیں، ابھی آنکھیں خواب دیکھتی ہیں ابھی لوگوں سے پر امید ہو ان کو ان کے لفظوں میں ڈھونڈھتی ہو، بہت معصوم ہو بہت ساری، ارے یہ ریا کار منافق لوگ لکھتے کچھ ہیں لفظ بیچتے ہیں اندر سے کچھ اور۔'' وہ برا مان جاتی اور دھڑلے سے کہتی۔

''ہاں ہوں پر امید، جو اس کے بندوں سے مایوس ہے اصل میں وہی رب سے مایوس تو اس سے مایوس ہو کر کافر ہو جاؤں اور اگر جو تم کہتی ہو وہی سچ ہے تو میں حیران ہوں کدھر یہ لفظ کیسے ان زمینوں پہ اگتے ہیں؟ آخر کچھ زرخیزی تو ہوگی نہ؟ اور مجھے تو لکھاری اور لکھے لفظ سے محبت ہے اس کی شخصیت سے کیا لینا دینا، مجھے تو بس سیکھنے کی چاہ ہے۔''

اور نوریہ رضوی کہتی۔

''پتہ نہیں کس دنیا میں رہتی ہو یہ دیکھ یہ میری پہلی کتاب جس پبلیشر نے شائع کی یہ الو کا پٹھا خود کتنا بڑا رائٹر ہے کم از کم بیس کتابیں آچکی اس کی، خواب بیچتا ہے، لوگوں کی تشنہ آرزوئیں لکھتا ہے اس کی کھاتا ہے اور خود یہ کیا ہے؟ میری کتاب پیسے لے کر چھاپ کر مجھے اس کے حقوق تک نہیں دیے کتنی مار کھائی اس راہ میں تمہیں کیا پتہ؟ ایسے میں کون سی خوش امیدی، جب ساری غلاضت عیاں ہو جائے ان کے پاس جا کر بیٹھو تو سڑاند مارتے ہیں یہ، ہوس ناک نگاہیں رال ٹپکاتی زبانیں اور آنکھیں، زبان اور رویہ بالکل اپنی کیفیت کے برعکس، افسوس ہونے لگتا ہے کہ آخر ان لوگوں کو ہم اب تک شخصیت کی مسند پر بٹھا کر پوجتے آئے تھے ارے یہ تو ہم سے بھی گئے گزرے نکلے۔''

نوریہ ہانپنے لگی اور پھر بولی۔

''تم نہیں جانتی اس دنیا کو بہت قریب سے دیکھا ہے میں نے، بالکل ہر شعبے کی طرح یہاں بھی لابیز چلتی ہیں پورا مافیا ہے یہ، اک دوسرے کو پروموٹ کرتے ہیں من تیرا حاجی بگویم تو میرا حاجی بگو والا فارمولا، پھر پی آر آ جاتی ہے اپنے ناولوں پر خود چھوٹے لکھاریوں کو لکھ کر دے دیتے ہیں کہ اپنے نام سے چھپوالو، اوپر تک تعلقات صحافیوں بیوروکریسی اور میڈیا کے ہر چینل چاہے پرنٹ میڈیا ہو یا پھر ٹی وی کی چمکتی دمکتی سکرین ان کے پروموٹرز ان کو ''صاحب لوگ'' اور برگزیدہ ہستیاں اور دانشور ثابت کرنے پر تلی ہیں یہ ان مسندوں پر بیٹھ کر خود کو وہ گمان کرنے لگتے ہیں جو یہ نہیں ہیں۔''

نازش نے افسردہ و بدگمان سی نوریہ کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور تھپکتے ہوئے بولی۔

''تم بھی اپنی جگہ سچی ہو میں تمہیں غلط نہیں کہوں گی، تم نے جس رخ سے دنیا کو لوگوں کو دیکھا ہے تم اسے ہی آئینہ کہو گی مگر جو ان دیکھا ان سنا رہ جاتا ہے وہ بھی حقیقت ہی ہوتا ہے دیکھ تجھے اک بڑی آسان سی مثال دیتی ہوں، میں جب قاری صاحب کی تلاوت کے پیچھے تراویح نماز میں کھڑی ہوتی ہوں نہ تو قرآن کھول لیتی ہوں

کہ حرف حرف میرے لہو میں بس جائے مگر بعض اوقات ان کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ باوجود تمام تر دھیان اور سطر بہ سطر ساتھ ہونے کے کچھ لفظ میری سماعت پکڑ ہی نہیں پاتی۔''

''سنا تم نے نوریہ؟ وہ لفظ جو بولے گئے وہ لفظ جو کہے گئے مگر میری سماعت نے انہیں نہیں سنا تو کیا حق جو ان دیکھا رہ جائے ان سنا رہ جائے، وہ ناحق اور باطل ہو گیا، نہیں نہ؟ یہ لوماں و مکاں میں وہ وقت تھا مجھ پر کہ حقیقت کھل گئی، مجھ پر کہ جو ان دیکھا ہو ان سنا رہ جائے وہ پوشیدہ اشیاء جو عام لوگوں پر نہیں کھلتیں وہ اپنی جگہ موجود ہوتی ہیں حق اور سچ۔'' نازش کچھ دیر کو ٹھہر گئی۔

''میں جانتی اور مانتی ہوں کہ دنیا میں بہت غلاضت ہے ہر طرف بھیڑیے بیٹھے اور جعل سازی ہے مکاری اور عیاری ہے اچھے اور سچے لوگ پیچھے دھکیل دیے جاتے ہیں مگر دیکھو تم اور میں بھی تو سامنے اک مثال ہیں نہ، کیا ہمیں ہمارا مقام اور جگہ نہیں مل رہی؟ کیا اپنی صلاحیت کے بل بوتے پر نہیں ملی کون ہے ہمارے پیچھے؟''

نوریہ اب کہ چپ کر گئی۔

''پتہ ہے نوریہ اصل بات یہ ہے کہ میں بھی یہاں لکھاریوں سے ملتی ہوں بات کرتی ہوں اس قبیلے میں اک خامی بڑی یکساں ہے کہ ہر شخص سمجھتا ہے کہ وہ جو لکھ رہا ہے بس وہ حرف آخر اور دو چار لفظ لکھ کر خود کو لکھاری کی سند دینا ظلم ہے لیکن میں تمہیں اک بات بتاؤں؟'' نوریہ نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں نے لوگوں کو ان کی خامیوں ان کی کمیوں کجیوں پہ مارجن دے کر دیکھا جب ان کی خامیوں سے صرف نظر کیا اندر کی نیک روح کو تلاشا جو یہ سچے حرف لکھواتی ہے تو حیرت انگیز نتائج نکلے، میں نے ان تالوں پہ ہاتھ رکھا جو لوگوں کو کھولنے نہیں آتے، میں جب اپنے تجربے تم سے یا اور لوگوں سے بانٹتی ہوں کہ فلاں لکھاری سے اس موضوع پہ بات ہوئی روح کے کون سے بھید کھلے تو لوگ حیران ہو کر کہتے ہیں ارے وہ تو بڑا دنیادار بندہ ہے مگر میری جان بات یہ ہے کہ لوگوں کو تالے کھولنے کا ہنر ہی نہیں آتا، یا پھر اک بات اور بھی تو ہے۔'' نازش بولتے بولتے رک گئی نوریہ نے پھر نگاہوں سے پوچھا۔

''وہ کیا؟'' وہ بولی۔

''ہم لوگ جو دوسروں کو الزام دیتے ہیں ساری انگلیاں دوسروں پر اٹھاتے ہیں اصل میں اندر سے اتنے سیاہ کار اور منافق ہیں کہ خود اپنا سامنا کرنے سے بھی کتراتے ہیں، تم خود ہی دیکھو اک دوسرے سے باہمی فائدے اور مفاد اٹھانے کو خواتین لکھاری شاعرات خود کو کس طرح گراتی ہیں، موقع فراہم کرتی ہیں ذرا سی گنجائش دو مرد کو تو وہ پائنچہ پکڑنے کو تیار پھر واویلا یکطرفہ کیوں اپنی غلطی و سیاہ کاری سے صرف نظر کیوں؟ ابلتے گٹر پر ڈھکن رکھ دیا جائے تو وہ بھی پر سکون ہو جاتا ہے ہم ہر کسی کے ڈھکن اتار کر بازار میں رکھ دیتے ہیں، یہ بھول کر کہ اس مکروہ عمل میں اپنے ہاتھوں پہ کتنی سیاہی و غلاضت آ گئی۔''

نوریہ اکتا کر بولی۔

''چھوڑو تمہیں تو عادت ہے لیکچر پلانے کی، خود کو اتنا مشکل نہ کر، خود کو آسان رہنے دے ہر وقت آنچ پہ نہ پکا، خود کو رستہ آسانی اور گنجائش دے ورنہ کم از کم کسی مرد جوگی تو نہیں رہ جائے گی مرد کو بہر حال بیوی مشکل قطعی نہیں چاہیے ہوتی، محبوبہ کے اسرار وہ شوق سے کھوج لے گا، بیوی وہ اپنی خدمت اور بچوں کے لئے گھر میں ڈالتا ہے۔''

نوریہ کے مرد کا نام لیتے ہی نازش کی

نگاہوں میں سرفراز حسین کا سراپا گھوم گیا اک دھنک سی اس کے چہرے پہ بکھر گئی، محبت حیا افتخار و فرازی کے سارے رنگ اتنے انوکھے اور واضح تھے کہ نوریہ نے اسے اک حسد بھری نظر سے دیکھا، یہ وہ عام سا تالہ بند راز تھا جو کے سرفراز اور نازش کے خیال میں کسی کو معلوم نہیں تھا مگر نوریہ کا دل اس سے واقف اور نوحہ کناں تھا کہ نازش نے "وہ علاقہ مفتوح کیا تھا جس کی فتح کے خواب اس کی آنکھوں میں بھی سجے تھے، مگر آڑے دوستی آجاتی تھی یا پھر نازش کی بچی معصوم شخصیت کہ وہ باوجود کوشش کے اس سے نفرت نہیں کر پاتی تھی ہاں حسد اور غصہ ضرور وقتی طور پر جگہ لے لیتا۔

☆☆☆

نوریہ رضوی مقامی کالج میں لیکچرر تھی اک معروف لکھاری بھی تھی سرفراز حسین اس کا کولیگ تھا ذہین فطین سوبر سا ادب اور ادیب کا قدردان جانے کب دل میں سرنگ بنا گیا خبر ہی نہیں ہوئی اور گڑبڑ تو ساری نازش کے آنے سے ہوئی، وہ جانے کیسے نوریہ کو ڈھونڈھتی ڈھانڈتی ملنے آ پہنچی اور اپنا تعارف کروایا، نوریہ اس کی تحریریں پڑھ چکی تھی اور دل ہی دل میں متاثر بھی تھی مگر انا نے اجازت ہی نہیں دی کہ وہ اسے جتا پاتی کہ وہ خود میں اک گوہر نایاب تھی اور شاید گوہر نایاب کو خود خبر ہوتی بھی نہیں چاہیے چمک میں فرق آ جاتا ہے اس کی خبر تو ہمیشہ جوہری کو ہوتی ہے اور سرفراز حسین کی جوہر متلاشی آنکھوں نے اسے ڈھونڈ لیا پا لیا اور وہ آئی اور بڑے آرام سے اس نے سرفراز حسین کے دل کے پیچیدہ تالے کو کھولا اور مسند دل پر فاتح ہو کر براجمان، وہ تالہ جس کو نوریہ سر توڑ کوشش سے بھی نہ کھول پائی تھی یہ مقام حسد سے کبھی حیرت میں ڈھل جاتا حیرت کی زیادتی کبھی خفگی اختیار کر لیتی مگر یہ بات ہی اسے نہ سمجھ آتی تھی کہ کچھ تالے صرف خاص چابیوں سے کھلتے ہیں۔

جو بھی تھا تھی وہ اک بھرم اور رکھ رکھاؤ والی عورت، کچھ شخصی کمزوریوں کے اللہ پر توکل کرنے والی، نازش وہ اور سرفراز حسین جب بھی اکٹھے ہوتے تو وہ اک فطری سی تکون بن جاتی جس میں ان کی دلچسپیاں، گفتگو کے ماخذ، رجحانات سب یکجا اور ہم رنگ تھے اس لئے اپنی محرومی کو دبا کر وہ تینوں اک دوسرے کے ساتھ اچھا وقت گزارتے، یہ اور بات ہے کہ سرفراز حسین اور نازش بہت تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آئے جیسے کوئی مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اب ان دونوں میں لوہا کون مقناطیس کون؟ خبر ہی نہیں ہوئی، ان کی کیمسٹری کچھ ایسی باہم تھی کہ وہ جیسے اک دوسرے کے لئے بنے تھے اک دوسرے کے سانچے میں ڈھلنے کو بے قرار، نہ کوئی لمبے چوڑے عہد و پیمان نہ کوئی خفیہ و بیرونی ملاقاتیں، بس وہ تو اک دوسرے کے اشارے اور آنکھوں کی زبان بھی پڑھنے پر قادر تھے اک سی آرزوئیں، سیلانی درویش جوگی، نوریہ کبھی کبھی بے لاگ ہو کر سوچتی، یہ دونوں اپنی جگہ کچھ انوکھے او کھے بندے اک دوجے کے لئے ہی ہیں، اک دوجے کو خود ہی جھیل سکتے تھے، میں کہاں اور کتنا سر مارتی اس سرفراز حسین کے ساتھ، مجھ میں اس کے ساتھ اڑنے کی قوت پرواز ہی نہیں تھی، لیکن یہ صرف کچھ لمحوں کی بات ہوتی پھر وہی رائیگانی اور ارزانی گھیراؤ کر لیتی کہ وہ نازش جو کبھی بھی ان کے درمیان آتی کچھ عرصہ قبل اس نے بھی قریب ہی مقامی کالج میں لیکچرر شپ جوائن کی تھی اور اسی طرح بھی کبھی یہ تکون مہینے میں دو تین دفعہ مکمل ہونے لگی، مگر اس کا اک

ضلع اک زاویہ نہ ہو کر بھی قائمہ و قائم رہتا اور اک دن اس رائیگانی میں وہ بے ساختہ ہی سرفراز حسین کو کہہ بیٹھی۔

"آخر نازش میں ایسی کیا خوبی ہے؟ جو سب اس کے ہی گرویدہ ہو جاتے ہیں کیا ہے آخر وہ؟ اک معمولی سی لکھاری، ہاں تم مرد حسن پرست صورتوں کے پیچھے بھاگنے والے اور ایسا خاص کیا ہے اس میں۔" سرفراز حسین بڑے اطمینان سے بولا۔

"ایسی بات ہے تو اپنے دعوے میں تم خود ہی غلط ثابت ہو رہی ہو کیونکہ تم بھی اچھی خاصی خوبصورت عورت ہو اتنی کہ کسی کی بھی مت ماری جائے اور پھر لکھاری بھی ہو تو پھر کچھ تو خاص اور علیحدہ ہے نہ اس میں۔" نوریہ کے دل کی دھڑکنیں اس کی تعریف پہ اک پل کو تیز ہوئیں مگر دوسرے پل میں معدوم کہ اثبات کے بعد صرف نفی تھی۔

سرفراز بولا۔

"اس میں اک رچاؤ ہے اک سیال پن ہے وہ جس مسند پر بیٹھی ہے اس کو جان کر بھی انجان بنی رہتی ہے یہ بے خبری اس کی پیاس کو سیر نہیں ہونے دیتا اور تم نہیں جانتی کیا کہ جس کی جتنی پیاس ہو اس کو سیرابی بھی ویسی ہی نصیب ہوتی ہے، یہ چیز اس کی تحریر میں جتنی دلکشی بکھیرتی ہے چونکاتی ہے تم دیکھنا نوریہ نازش بہت آگے جائے گی بہت دور نکل جائے گی، اس کے کچھ افسانے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ بہت بڑے ناموں کے مقابل رکھے جا سکتے ہیں وہ بہت سے سینئر لکھاریوں کی نسبت اچھا لکھ رہی ہے۔" نوریہ اک آخری آس سے بولی۔

"کیا مجھ سے بھی اچھا؟" اور سرفراز اسی طرح بولا۔

"ہاں تم سے بہت اچھا بہت بہتر، تم بھی کسی وقت متاثر کرتی ہو مگر میں اس کی تحریر سے اس سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں۔"

اور بس یہ بات پیمانے کو چھلکا گئی، وہ غصے سے تن فن کرتی اٹھ گئی۔

"بھاڑ میں جاؤ تم، تم تم ایک ال منیرڈ اور جاہل آدمی تمہیں احساس اور تمیز ہی نہیں تم......"

غصے کے مارے اس سے بولا ہی نہ گیا۔

سرفراز بھاگ کر اس کے پیچھے آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دھیرے سے تھپتھپایا۔

"دیکھو تم پوچھنا کچھ اور چاہتی ہو کہہ کچھ اور رہی ہو کچھ ان کہا جو ہے اسے رہنے دو میں اسے جان کر دل سے تمہاری قدر کرتا ہوں۔" اک لمحہ خاموشی اور ندامت کا در آیا، سر جھک گئے اور پھر وہی دوبارہ ماحول کو نارمل کرتے بولا۔

"قاری کا حق کیوں مجروح کرتی ہو؟ نوریہ تم دیکھنا تمہیں فرق دکھاؤں گا نازش کا مراقبہ اور ظرف کتنا پکا اور گہرا ہے، برتن خالی نہ ہو تو موغات ڈالنے والا کچھ ڈالے بغیر ہی آگے بڑھ جاتا ہے تم دیکھنا میں تم پر واضح کر دوں گا۔"

اس سے اگلے دن ہی وہ تینوں اکٹھے ہوئے باتیں کرتے کرتے سرفراز نے اچانک کہا۔

"نازش تمہارا انشائیہ دیکھا میں نے سہ ماہی "حرف" میں کیا لکھا تم نے؟ بالکل بھی متاثر کن نہیں ہے تمہیں اس پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے اپنا انداز برقرار نہیں رکھ پائیں تم اور اس دفعہ نوریہ کا افسانہ تو بہت ہی متاثر کن تھا۔"

نازش نے شرمندگی سے سر جھکا کر اطمینان سے کہا۔

"ہاں صحیح کہتے ہو انشائیہ میرا میدان ہی نہیں میرے بس کا روگ ہی نہیں میں نے تو ایڈیٹر سے کہا تھا نظر ثانی کر لیں مگر ان کی مہربانی

ایسے ہی چھاپ دیا انہوں نے اور رہی نوریہ کی بات ارے اس کی تو میں فین ہوں کیا کمال لکھتی ہے بخیئے ادھیڑ دیتی ہے دل چاہتا ہے انگلیاں چوم لوں۔"

اور نوریہ کا رنگ اس تعریف پہ کھلنے کی بجائے بالکل اڑ گیا اس کی شخصیت کا یہ رنگ سرفراز کی آنکھوں میں افتخار بن کر کیسے جھلک رہا تھا کیسے جتا رہا تھا اس کو آنکھوں ہی آنکھوں میں، اس کا دل چاہا آگے بڑھ کر کس کر دو طمانچے نازش کے منہ پر جما دے اور اسے جھنجھوڑ کر پوچھے کہ وہ اتنی اچھی کیوں تھی؟ کیسے ہو سکتی تھی؟ کیا سنتی تھی؟ مگر اک بات تو اس پر واضح ہو گئی روز روشن کی طرح عیاں کہ اگر وہ بنتی بھی تھی تو اتنا ظرف نوریہ کا بہر حال نہیں تھا کہ وہ اتنا بننے کی اداکاری ہی کر لیتی۔

اک عجب سا تناؤ بھرا سکوت ٹھہر گیا بڑھ بڑھ کر بولنے لگا جسے نازش نے بڑی شدت سے محسوس کیا، اس نے گھبرا کر اپنے پرس کو کھولا اور اک بڑا سا گچھا نکال کر اسے یونہی ٹٹولنے اور چھونے لگی یہ بھی عجب شوق تھا اس کے بڑے سے عمرو عیار کی زنبیل جیسے بیگ میں اس گچھے کا اچھا خاصا وزن تھا اور اس میں چھوٹی بڑی عجیب و غریب خلقت کی نئی پرانی چھوٹی بڑی چابیاں موجود رہتی تھیں، سرفراز حسین نے محبت سے گچھا اس کے ہاتھ سے لے لیا، "لاؤ دیکھوں تو سہی اس گچھے میں کتنا اضافہ ہوا ہے" اور اس نے خاموشی سے اس کو تھما دیا۔

اک ان کہا لمحہ ان کے درمیان کچھ دیر کو ٹھہرا اور آگے بڑھ گیا نازش نے جس کو محسوس تو کیا مگر پس منظر سے آگاہ نہ ہونے کے باعث سمجھ نہیں پائی اور وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اک دوسرے کا بھرم رکھ گئے، آخر کچھ تو مشترک تھا اس تکون میں کہ ابھی تک قائم تھی، لیکن یہ لمحہ واپسی کا تھا نوریہ نے اپنی شکست کو پوری ایمانداری سے قبول کر لیا، اس کی شادی کی بات گھر میں چل رہی تھی اور وہ خود کو نئے حالات میں ڈھالنے کو تیار کر رہی تھی۔

کچھ حسد تناؤ اور گلوں شکووں کے باوجود وہ اب بھی اسی طرح یکجا ہوتے حالانکہ سرفراز نے نازش کو ڈھکے چھپے لفظوں میں بتانے کی کوشش بھی کی کہ نوریہ اس سے کس قدر جلتی اور شاید خائف بھی ہے مگر اس نے اک درویشانہ بے نیازی سے اڑا دیا اور بولی۔

"محبتیں اتنی کم اور نا خالص ہیں کہ جہاں جتنی ملتی ہیں لے لیا کرو، وہ اپنی توفیق سے دیتی ہے اور مجھے اپنا ظرف آزمانے دو۔"

سرفراز مصنوعی آہ بھر کر بولا۔

"مجھے لگتا ہے چٹنی کی جگہ بھی تم مجھے فلسفہ ہی پیس پیس کھلایا کرو گی، کیا بنے گا میرا؟"

نازش ناز سے مسکرائی "سوچ لو ابھی بھی واقعی بہت برداشت کرنا پڑے گا تمہیں" اور دونوں ہنس دیئے۔

نوریہ ان کی طرف ہی آ رہی تھی اپنا پیریڈ اٹینڈ کر کے اور پھر باتوں کا رخ پڑھی جانے والی کتابوں اور لکھاریوں کی جانب ہو گیا، یہ وہ موضوع تھا جو ان تینوں کے درمیان اک قدر مشترک تھا اور وہ گھنٹوں باتیں کرتے بور نہ ہوتے، وہ دونوں تو لکھاری تھیں مطالعہ شوق لگن اور مجبوری مگر سرفراز حسین کا مطالعہ بھی غضب کا تھا۔

منقور حسن اور اقدس نفیسہ ان تینوں کے پسندیدہ لکھاری تھے ان کی ہر آنے والی کتاب پر ان کا مقابلہ ہوتا کہ کون پہلے خرید کر پڑھے گا، نوریہ تو بہر حال فین تھی ان کی مگر سرفراز حسین اور

نازش کی محبت عقیدت سے عقیدے میں ڈھلتی جا رہی تھی اور ان کی اس دیوانگی پر نوریہ ان کو ٹوک بھی دیتی۔

"بہت امیدیں نہ لگایا کرو یہ لوگ اندر سے وہ نہیں ہوتے خواب ٹوٹیں گے تو درد ہو گا اور تم سرفراز حیرت ہے کہ اک مرد ہو کر بھی پریکٹیکل نہیں۔" اور ان دونوں کا جواب اک ہی ہوتا۔

"علم اگر خواب ہے تو اسے رہنے دو، یہیں سے معرفت ملتی ہے۔" اور نازش کہتی۔

"آرزو بھی کیا ہے اتنی ہی کہ ان لوگوں سے ملوں سامنے بیٹھ کر پوچھوں جانوں؟ میری تشنہ روح کو سیراب کرنے کو یہ اک ملاقات کافی ہے تم دیکھنا میں وہاں سے کیا کچھ لے کر اٹھوں گی۔"

اور سرفراز وہ اس کے جنون کو مزید آگ دکھا دیتا اور کئی دفعہ وہ تینوں اکٹھے کئی لکھاریوں سے مل چکے تھے، نوریہ کے تبصرے بے رحم تجزیے ہوتے، کبھی کبھار وہ دونوں بھی مایوس ہو کر چپ ہوتے اور نوریہ چھیڑتی۔

"کیا ہوا نازش کیا کوئی چابی کام نہیں آئی؟"

اور سرفراز جل کر بولتا۔

"چابی کیسے کام کرتی وہاں کچھ ہوتا تو تالا لگا ہوتا۔"

مگر پھر بھی یہ شوق تینوں میں مشترک تھا

☆☆☆

منقور حسین اور اقدس نفیسہ اک دوسرے کے پڑوسی تھے اور ملک کی شناخت و پہچان بن چکے تھے بین الاقوامی سطح پر ملک کا سرمایہ و فخر، تینوں کی اک طویل عرصے سے آرزو تھی ملنے کی اور نازش کی بے قراری و دیوانگی تو اپنے عروج پر تھی مگر ان دونوں سے ملنے کی کوئی صورت بنتی نظر نہ آتی بہت یار وقت لینے کی کوشش کی کبھی فون بند کبھی مہمان کبھی غیر ملکی دورے، وہ تینوں اپنے اپنے طور پر کوشش کرتے رہتے اور ناکام ہوتے تو دکھی اور مایوس ہوتے اور نوریہ وہ جل کر صاف کہتی۔

"سب حربے ہیں اپنی اہمیت جتانے کے"

اور کچھ بھی نہیں۔

اور نازش کہتی ''میں اپنے حسن زن کو سلامت رکھوں گی'' وہ تڑ سے جواب دیتی۔

''لگا حسن زن کی چابی اور کھول یہ تالا۔''

☆☆☆

رمضان میں بڑے اعتقاد کے ساتھ اس کی دعائیں جاری تھیں کہ اللہ کسی طرح ملاقات کروا دے، اس دن آخری عشرے میں اس نے عادتاً نمبر ڈائل کی تو اقدس نفیسہ نے براہ راست فون اٹھالیا اسے حیرت کے جھٹکے سے بات کرنا مشکل ہوگیا، بمشکل خود کو یکجا کر کے تعارف کے مرحلے کے بعد ملنے کی استدعا۔

''میم عید کے دوسرے دن میں نے پڑھا تھا آپ گھر پہ ہوتی ہیں مجھے اور میرے دوستوں کو وقت دے دیجئے اور میں نے سنا تھا کہ منقور حسین بھی اس دن آپ کے گھر مدعو ہوتے ہیں، ہمارے لئے عید یادگار ہو جائے گی پلیز میم مجھے آپ سے بہت کچھ پوچھنا ہے، سوالوں کی اک آگ سی جلتی ہے اندر۔''

اقدس نفیسہ نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

''جیتی رہیے، ٹھیک ہے آپ آجایئے شام کو پانچ بجے آج سے چار دن بعد ملاقات ہوگی، خوشی ہوگی آپ سے مل کر۔'' اور نازش اس پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔

''جی جی میم بہت نوازش، میم پلیز بھول مت جایئے گا۔''

اقدس نفیسہ نے اسی طرح کہا۔

''آپ جانتی ہیں میں وعدے کی حرمت کو سمجھتی ہوں۔''

ان تینوں کا یہ خبر سن کر حال برا تھا عید سے بڑھ کر اس ملاقات کا انتظار تھا ان کو۔

آخر وہ گھڑی آن پہنچی عید کے دوسرے دن شام کو جب وہ یکجا ہوئے تو اک نئے جذبے اور احساس سے چہرے دہک رہے تھے وہ تینوں سرفراز حسین کے ساتھ اس کی آلٹو میں سوار ہو کر منزل مقصود پر پہنچے، دھڑکتے دل سے بیل بجائی کافی انتظار کے بعد جب گارڈ نے دروازہ کھولا۔ سرفراز نے آگے بڑھ کر اپنی آمد کی بابت بتایا گارڈ درشت سے لہجے میں بولا۔

''پوچھنے دیں صاحب میرے پاس کسی کا ٹائم نہیں لکھ رکھا۔''

کچھ دیر بعد واپسی ہوئی گارڈ نے جواب دیا۔

''میڈم دوائی کھا کر سو رہی ہیں، پلیز آپ لوگ جائیں۔'' یہ کہہ کر گیٹ منہ پر مار دیا گیا جیسے بند دروازہ منہ چڑا رہا تھا۔

نوریہ کو جیسے بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

''نکال چابی کھول تالا اب یہ، بتا یہاں کون سا تالا ہے کون سی چابی لگے گی ارے یہ جاہ و حشم اور غرور کا تالا ہے ابھی جھنڈے والی گاڑی آئے تو یہ تالا کھل جائے گا۔''

سرفراز حسین کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا وہ نازش کے بیگ پر جھپٹا اور وہ چابیوں کا گچھا دور اٹھا کر پھینک دیا اور بولا۔

''جاہ و حشم تالا نہیں غلاف ہے موت سے دل کی علم کی عقل کی اور میری نازش کل کی اقدس نفیسہ ہوگی تم دیکھ لینا یقین ہے مجھے اور ہمارے گھر کو کوئی تالا کوئی چابی نہیں درکار ہوگی، میری عید، میری خوشی اور میری مستقبل کی اقدس نفیسہ تم ہو۔'' یہ کہہ کر وہ اس کا ہاتھ تھام چل پڑا، نازش کے لئے صحیح معنوں میں عید اب شروع ہوئی تھی۔

☆☆☆

ادھر آئیے قارئین کرام، ان سے ملیئے یہ ہیں مسٹر دلبر جانی جن کی لمبی ہے کہانی، مگر آپ کو مختصراً ہے سنانی، کیونکہ آ گئی ہے عید سہانی اور آپ نے یقیناً ہو گی منانی، تو چلیئے شروع کرتے ہیں کہانی، ان کے بچپن سے ہی سٹارٹ لیتے ہیں لیکن ایک منٹ پہلے آپ کو بتا دوں کہ ان کا صرف نام ہی دلبر جانی نہیں بلکہ نیچر بھی پوری پوری دلبروں والی ہے اور ان کا المیہ یہ ہے کہ انہیں اپنی اس کمزوری پر بالکل بھی اختیار نہیں، آپ بھی احتیاط سے بچ کر رہیئے گا کہیں آپ کی خوبصورتی دیکھ کر یہ پھر سے پھسل نہ پڑیں، اپنی وے دلبر جی کو عشق کا لاعلاج مرض اس وقت لاحق ہوا جب وہ ابھی نرسری جماعت میں تھے، حیران ہو رہے ہیں ناں جی ہاں آپ کی طرح ان کی والدہ محترمہ کا منہ بھی شاک سے کھلا رہ گیا تھا جب چھ سالہ دلبر نے بڑے تن کر ان کے سامنے کہا تھا میں روزانہ اپنا لنچ باکس اسی طرح اپنی (ننھی) کلاس فیلو عائزہ کے ساتھ شیئر کیا کروں گا۔

''کیوں آخر۔'' والدہ محترمہ نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔''

توتلی زبان میں جواب آیا، دھت تیرے کی، یہ ہوئی نا بات، والدہ صاحبہ نے ان کے اس جواب کے جواب میں جو جوتے انہیں لگائے ان سے ان کے دماغ میں بھری ساری محبت آنکھوں اور ناک کے راستے بہہ کر بالآخر ختم ہو گئی، عشق کا دوسرا شدید دورہ انہیں اس وقت پڑا جب وہ آٹھ سال کے تھے، گلی میں فیضان اور دلبر جانی کے ساتھ کنچے کھیلتی ہوئی سونیا نے جب فیضان کے مقابلے میں ان کی حمایت کی اور پھر ایک دن کھیل کے دوران کنچے ختم ہو جانے پر اپنے حصے کے چند کنچے بھی ان کی جھولی میں ڈال دیے تو یہ محبت اور بھی شدومد سے بڑھنے لگی لیکن چند ہفتے کے بعد جب اسی سونیا سے کسی بات پر لڑائی ہو جانے پر ان کے سر کے بال پوری قوت سے کھینچے اور انہیں زمین پر گرا کر جوان کی دھلائی ''میلے چیکٹ'' کپڑوں کی طرح کر ڈالی تو دھڑا دھڑا ہچکیاں لے کر روتے ہوئے دلبر جانی نے اٹھ کر کپڑوں کے ساتھ ساتھ سونیا کا وہ سارا پیار بھی جھاڑ دیا جوان کے دل پر گرد کی طرح جم رہا تھا۔

قارئین آپ نے وہ گانا تو سنا ہو گا جس میں گلوکار بڑی مترنم آواز میں کہتا ہے۔

پل پل کیا مجھ کو تو
ہر پل میں سو بار
پیار ہوتا ہے

فرق صرف اتنا ہے کہ گلوکار شاید ہر پل میں سو بار پیار ایک ہی لڑکی سے کرتا ہے مگر یہاں سو بار کے پیار میں سو بار ہی لڑکی الگ اور نئی ہوتی ہے، قصور بے چارے دلبر جانی کا بھی نہیں وہ تو خود اپنی اس بیماری پر پریشان ہے، بہر حال آگے بڑھتے ہیں ان کے تیسرے عشق کے حادثے کی طرف جو بے ضرر اور معصوم سے دلبر جانی نے اکیلے ہی اپنی جان پر سہا، وہ اس دور میں پانچویں جماعت کے طالبعلم تھے جب پشاور سے مائیگریٹ کر کے آنے والی اس پٹھان پری وش نے ان کے ساتھ والی بینچ پر ڈیرہ جمایا، اس کے نام سے بھی زیادہ خوبصورت اس گوری چٹی کانچ کی گڑیا کا پریوں جیسا حسن اور فرشتوں جیسی معصومیت لئے ہوئے سفید و گلابی چہرہ تھا جسے دیکھتے ہی دلبر جانی کے اندر عشق کی آندھی طوفان موسلا دھار بارش اور نجانے کیا کیا کچھ اوٹ پٹانگ ہونے لگا تھا، دل میں جیسے کوئی اودھم مچ گیا تھا گویا، دس گیارہ سالہ دلبر جانی جب تک اپنی اس کیفیت کو سمجھتا اور حقیقت حال جاننے کے بعد اظہار کا کچھ سوچتا پانچویں جماعت مکمل ہوئی اور پری وش نے یہ سکول چھوڑ دیا، اس روز دلبر جی زندگی میں پہلی بار ''عشق میں چور'' ہو کر کمرہ بند کر کے روئے تھے، ارے بھئی کلاس روم کا نہیں گھر آنے کے بعد اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے روئے تھے گھر میں اماں کے سوا اور تھا ہی کون جوان کی اس دلگرفتگی کو نوٹس کرتا، گھر میں صرف ایک اکلوتی اماں تھیں اور وہ اماں کا اکلوتا لڑکیوں سے بھی زیادہ نرم و حساس دل رکھنے والا عاشقانہ مزاج سپوت، یہی کل کائنات تھی ان کی، ایسی ٹھہری ہوئی زندگی میں جب بھی کسی ظالم حسینہ یا دوشیزہ کے حسن کا پھینکا ہوا پتھر گرتا تو ہر طرف ایک میٹھی سی ہلچل مچ جاتی، ایسی ہی ایک خوبصورت اور شیریں ہلچل ایک بار پھر مس اسماء نے ان کی ساکن جھیل میں مچائی، کلاس میں سائنس کے پریڈ کے دوران جب وہ خصوصی توجہ اور لگاوٹ کے ساتھ دلبر کو دیکھتے ہوئے مسکراتیں تو پندرہ سالہ دلبر اپنا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رکا ہوا محسوس کرتا، بیس بائیس سالہ مس اسماء نجانے کیوں 9th کلاس کے اس ''گوپلو'' سے دلبر کے لڑکپن کی حسین دنیا تہہ و بالا کرنے پر تل گئی تھیں۔

قہقہہ لگا کر ہنستی ہوئی مس اسماء کے دائیں گال پر پڑنے والا وہ چھوٹا سا گڑھا اس ''گوپلو'' دلبر کے دل میں بھی ایک بڑا سا خالی گڑھا بنا جاتا جسے وہ مس اسماء کی محبت سے کوٹ کوٹ کر بھرتے ہوئے تھک جاتا اور اپنے ہاتھ زخمی کر لیتا۔

''اوں ہوں شرم کرو دلبر شرم، استاد ہے وہ تمہاری اور استاد ماں کے برابر ہوتی ہے۔'' وہ شروع شروع میں خود کو ملامت کرتے ہوئے بہترا اپنے آپ سے جنگ کرتا رہا مگر مس اسماء کی اس پر جمی لیکن نرم اور پرشوق نگاہیں دھیرے دھیرے سے لہرائی گئیں اور وہ ہارتا گیا، وہ ہر روز مس کے لئے تازہ گلاب کے پھول، چاکلیٹس اور مختلف قسم کی کھانے پینے کی اشیاء بیگ اور جیبوں میں بھر بھر کر لانے لگا، مس اسماء بڑے پیار اور دلار سے اسے دیکھتے ہوئے وہ چیزیں وصول کرتیں اور مسکرا کر اسے ''شکریہ'' کہتیں تو دلبر کی سانسیں پھر سے اتھل پتھل ہونے لگتیں جو سبجیکٹ مس اسماء پڑھاتی تھیں اس کا رٹا اور ہوم ورک وہ سب سے پہلے گھر آتے ہی نمٹاتا، وجہ بے وجہ وہ سٹاف روم اور دیگر کلاسز میں پریڈز کے دوران پڑھاتی ہوئی مس کے گرد گھومنے لگا، مس اسماء بھی بڑے انداز اور ادا سے اسے نخرے دکھاتی اور ناز اٹھواتی لیکن جب مس اسماء اور دلبر کی داستان سارے طلبا اور سٹاف ٹیچرز کی زبان پر پھسلنے لگی تو اسی مس اسماء نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں، وہ بات بے بات دلبر کو سب کے سامنے ڈانٹنے اور شرمندہ کرنے لگیں، ایک روز تو حد ہو گئی کلاس میں ان کے پریڈ میں سب سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ہوئے دلبر جانی کی چھوٹی سی بات پر انہوں نے اس کی ایسی کلاس لی بلکہ واٹ لگائی کہ بے چارہ دلبر آنکھوں میں موٹے موٹے بھر آنے والے آنسو اور ٹوٹے دل کی کرچیاں سمیٹتا اٹھ کر کلاس کے سب سے پچھلے بینچ پر جا بیٹھا، اس کے بعد وہ مس اسماء سے نہ کبھی نظریں ملا پایا نہ ان کے پریڈ میں کبھی اگلی سیٹ پر آنے کی ہمت کر سکا، دلبر کو اپنے اس گھڑی گھڑی ہو جانے والے عشق سے سخت کوفت ہونے لگی تھی، وہ اپنے دل کے ٹوٹنے جڑنے اور پھر ٹوٹنے کے تماشے کو دیکھ دیکھ کر تھک چکا تھا، اسی لئے کسی طرح میٹرک کمپلیٹ کرنے کے بعد اس نے بوائز کالج میں ایڈمیشن لیا، جہاں

صرف لڑکے تھے نہ کوئی فی میل ٹیچر اور نہ کسی اور لڑکی کا جھنجھٹ، وہ صنف نازک سے بدکنے لگا تھا، اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنے محبتوں سے گندھے دل اور اس میں صنف نازک کو دیکھ کر انگڑائیاں لینے والے نرم گرم جذبات اور فی الفور اُمڈ آنے والی ہمدردی کا کیا کرے، ایسا نہیں تھا کہ دلبر جانی کوئی آوارہ، لفنگا یا نظر باز قسم کا لڑکا تھا بلکہ وہ تو حسن کی نگہداشت اور قدر کرنے والا مخلص سا بندہ تھا جو لڑکیوں کی ''اوچھی'' اداؤں کو بھی ان کی ''اچھائی'' جان کر اپنے معصوم سے دل کی ساری مخلصی اور محبت ان پر نچھاور کرنے لگتا، لیکن ہر بار بدلے میں بڑی بے دردی سے اس کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے۔

اسے ہماری سادگی سمجھو یا نادانی
کہ جو بھی ہنس کے ملا اسی سے دوستی کر لی

☆☆☆

''زبیدہ آنٹی، زبیدہ آنٹی کہاں ہیں آپ؟'' آوازیں دیتی ہوئی وہ دوشیزہ عین اسی جگہ پہنچ گئی جہاں زبیدہ بیگم (دلبر کی والدہ) اسے ''مضمون'' کے رٹے لگاتی چھوڑ کر خود سبزی لینے نکلی تھیں، اس خوبرو نوجوان اسپرا سے دلبر کی نظر کا ملنا تھا کہ...... جی ہاں وہی جو آپ سمجھے، عشق کا ایک اور اٹیک اور دلبر جی ایک بار پھر چاروں شانے چت، تعارف کے مراحل طے ہوئے تو پتہ چلا کہ یہ تو اپنے نئے پڑوسیوں کی لڑکی ہے، بس پھر کیا تھا دلبر جانی نے اگلے ہی روز اپنے پیروں کی بڑی افسردگی کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتے دیکھا، وہ انہیں روکنا چاہتا تھا مگر روک نہیں پائے، ان کی اور اس دوشیزہ کی جس کا نام نیلوفر تھا چھتیں آپس میں ملحق تھیں بس درمیان میں ایک چھوٹی سی دیوار تھی جسے پھلاندنے کی ہمت دلبر جانی کبھی نہیں کر سکا، بس پھر کیا تھا ایک سلسلہ چل نکلا وہ زور چھت پر جاتا اور نیلوفر مسکراتے ہوئے اپنی چھت پر آجاتی، بچپن اور لڑکپن کی محبت ایک طرف مگر جوانی کی عمر کا یہ پہلا سر توڑ بلکہ تابڑ توڑ قسم کا عشق باقاعدہ پہلی مرتبہ ہوا تھا، جس میں دلبر کی طرف سے ڈرے سہمے لہجے میں شرمایا لجایا اور ڈھکا چھپا سا اظہار محبت جبکہ نیلوفر کی جانب سے بیانگ دہل اظہار، اقرار، قول وقرار، وعدے وعید اور نجانے کیا کیا کچھ تھا، اظہار واقرار کے مراحل طے کرنے کے بعد اس سے پہلے کہ دونوں کے گھر والوں کو پتہ چلتا اور ہماری پنجابی فلموں کی ظالم ماؤں کی روح کسی گرج بڑھک کے ساتھ بیدار ہوتی ہوئی ان دونوں کی ماؤں میں سماتیں نیلوفر کا رشتہ اس کے کزن کے ساتھ طے پا گیا، یہ خبر آغاز نسبت کے دنوں میں تو اس نے بڑے دلسوز انداز میں دلبر کو سنائی تھی مگر پھر دھیرے دھیرے وہ اپنی اصلیت پر لوٹ گئی، اب تو وہ دلبر کے سامنے جان بوجھ کر بہروز (منگیتر) کا نام لیتی اور اسے جی جان سے جلانے کی کوشش میں ہمہ وقت مشغول رہتی اسے پتہ تھا کہ دلبر جانی ایک نہایت ہی کمزور اور بزدل سا شخص ہے وہ اس کی وجہ سے کوئی رسک کبھی نہیں لے گا، دلبر نے اس کا سامنا کرنا چھوڑ دیا تھا لیکن اندر ہی اندر وہ کسی سلگتی لکڑی کی طرح پل پل جلتا رہا، بالآخر نیلوفر کی شادی ہو گئی اور یوں یہ قصہ عشق بھی اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے انجام پذیر ہوا۔

☆☆☆

''آیئے ناں دلبر بھائی اندر آیئے۔'' نمی یعنی نعمانہ نے انہیں اپنی سنگت میں لاکر ڈرائینگ روم میں بٹھا دیا۔

(ارے سوری) آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ ایک دم بھلا اب میں کہاں پہنچ گئی تو جناب آیئے بتاتی ہوں، یہیں سے تو اصل کہانی شروع ہوتی ہے باقی سب تو پچھلی اقساط کا خلاصہ تھا جو آپ کے قیمتی وقت کے پیش نظر مختصراً سنا ڈالا اب تفصیل ملاحظہ ہو، یہ دلبر جی کے بی کام کر لینے کے بعد کی بات ہے جب اماں کو بھی ماموں جان کے ہمراہ عمرے پر جانے کا شوق چڑھ آیا، مگر پیچھے اکیلے رہ جانے والے دلبر کی بھی فکر تھی اس فکر کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ اسے اتنے عرصے کے لئے کراچی اپنی چھوٹی بہن فریدہ کے پاس بھیج دیا کہ بچے کا دل لگا رہے اور ادھر دلبر جی کو اپنے ''دل لگ جانے'' کا ہی تو ڈر تھا جس کی وجہ سے وہ انکار کرتے رہے مگر اماں نے ان کی ایک نہ سنی اور انہیں صادق آباد سے کراچی آنا پڑا اور اب خالہ کی یہ چھوٹی بیٹی جو اتنی بھی چھوٹی نہیں ہے، انہیں اپنے ہمراہ ڈرائینگ روم میں بٹھا کر گئی ہے اب آگے پڑھیئے، فریدہ آنٹی، قینی یعنی قراۃ العین، نعمان عرف نومی اور تحریم عرف نمی باری باری آکر اس سے ملے، استقبالیہ انداز بڑا گرمجوشی لئے ہوئے تھا۔

''نمی جا نھو سے کہہ کہ جلدی سے چائے پانی کا بندوبست کرے بھئی آج دس سال کے بعد میرے دلبر نے ہمارے گھر کی راہ لی ہے بھلے مجبوری میں سہی پر آیا تو۔'' آنٹی نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اپنی بڑی بیٹی کے نام سندیسہ بھجوایا، چند منٹ بعد کوئی ٹرے میں سجے لوازمات اس کے سامنے رکھ کر سلام جڑتے ہوئے فوراً فرار اختیار کر گیا، جبکہ دلبر نے نظر اٹھا کر یہ بھی دیکھنے کی زحمت نہ کی کہ آیا نھو (نین تارا) آج بھی اتنی ہی ننھی تھی یا پھر...... دس سالوں میں یہاں بہت کچھ بدل چکا تھا، نومی سال بھر کا تھا جب دلبر نے اسے آخری بار دیکھا تھا، نمی کی پیدائش تو اس کے بعد ہی ہوئی البتہ نھو، قینی اور نمی کو وہ خوف جانتا تھا، آخری بار جب خالہ نے صادق آباد کا چکر لگایا تھا تب نھو نے اپنے سنہری نینوں کے تیروں سے دلبر کو گھائل کرنے کی پوری کوشش کی یا شاید دلبر کو ہی ایسا لگتا تھا بہر حال یہ تو شکر ہوا کہ فریدہ آنٹی چند دن کے قیام کے بعد جلد ہی واپس لوٹ گئیں ورنہ دلبر تو کب کا ان تیروں کی نذر ہو چکا ہوتا۔

☆☆☆

مستورات سے ڈر لگتا ہے
تین سو سات سے ڈر لگتا ہے
اس کے شہر کو جانے والی
ہر برات سے ڈر لگتا ہے

کسی نے لہک لہک کر بڑے شاعرانہ انداز میں یہ شعر پڑھا تو اپنی چارپائی پر لیٹتے ہوئے دلبر نے ذرا سا سر اوپر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا، جلدی ہی اسے بڑے سے صحن کے کونے میں دیوار کے قریب چارپائی پر بیٹھی زور وشور سے تالیاں پیٹتی، نمی اور قینی نظر آگئیں البتہ شعر پڑھنے والی ہستی نظر نہ آسکی اور دلبر اپنی ہم عمر اس ہستی کو دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا، بلکہ وہ تو خود سے تین اور پانچ سال چھوٹی نمی اور قینی سے بھی احتراز برت رہا تھا۔

وہ میرا ہے جو نگاہوں میں حیا رکھتا ہو
ہر قدم ساتھ چلے عزم وفا رکھتا ہو
ناز میں اس سے اٹھواؤں تو شکایت نہ کرے
ہر غم سہہ کر بھی ہنسنے کی ادا رکھتا ہو

ایک اور شعر اور پھر حاضرین وسامعین کی دھڑا دھڑ پیٹی جانے والی تالیاں، اس بار دلبر نے آٹھ سالہ نمی کو بھی تالیاں بجاتے دیکھا، بھلا اسے شاعری کی کیا سمجھ ابھی......؟

چراغ کی لو دھیمی کر لو
محبت کی شدت کم کر لو

کل میں ایسی رہوں نہ رہوں
ابھی سے تم عادت ختم کر لو

''واہ واہ واہ شکریہ جناب شکریہ۔'' سیڑھی پر چڑھی بیٹھی شاعرہ یعنی نھو نے ہاتھ کی کٹوری ماتھے تک لا کر بڑے مودبانہ اور شاعروں والے خالص انداز میں معزز سامعین کا شکریہ ادا کیا اس سے پہلے کہ مزید کسی شعر کی آمد ہوتی کمرے پر برآمد ہوتی فریدہ آنٹی کی آمد ہوگئی۔

''نھو تیرا بیڑا ای غرق آج پھر ہانڈی جل گئی ساری۔'' صحن میں پھیلی بدبو محسوس کر کے انہوں نے دور سے ہی ہانک لگائی۔

''ہائے ربا۔'' نھو نے ہاتھ ماتھے پر مارتے ہی تیسری سیڑھی سے چھلانگ بھی ماری، پیچھے آنٹی کی بڑبڑاہٹ جاری تھی، دلبر نے ادھ کھلی آنکھیں بند کر لی اور سوتا بن گیا۔

☆☆☆

دور دور رہندے او کیوں حضور ساڈے کولوں؟
دس دیو ہویا کسی قصور ساڈے کولوں؟

نھو نے بھنویں مچکاتے ہوئے بالآخر دلبر سے پوچھ ہی لیا۔

شروع میں ایک ہفتہ تو وہ خود بھی اس سے ذرا فاصلے پر ہی رہی مگر جب دلبر کی شرافت اور گریز کو محسوس کی تو جلد ہی اپنے بیگانگی و بے نیازی کے خول کو توڑ ڈالا، ادھر دلبر کا یہ احتیاط اور گریز ابھی قائم تھا، اب بھی وہ جب اس کے کمرے کی صفائی کرنے آئی تو اسے چپ چاپ کھڑا دیکھ کر رہ نہ سکی۔

''دلبر جی بات کیا ہے آخر لوگ جوان ہو کر باتیں کرنا اور بنانا سیکھتے ہیں لیکن آپ تو پہلی سیکھی ہوئی بھی بھول گئے؟'' نھو پھر سے اسے چھیڑ رہی تھی ساتھ ساتھ پلنگ کی چادر بھی درست کر رہی تھی۔

''کچھ نہیں بس میں ایسا ہی ہوں۔'' دلبر نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''لے، بس میں ایسا ہی ہوں۔'' نھو نے پتلی آواز میں اس کی نقل اتاری۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ دیکھو دلبر اپنے گھر میں آپ ایک اکلوتے تھے چپ چاپ اور الگ تھلگ رہتے تو یہ آپ کی مجبوری تھی مگر اب یہاں ایسا ہرگز نہیں چلے گا کیونکہ ہمارے گھر میں کوئی اداس یا الگ رہے یہ ہمیں ہرگز گوارہ نہیں، یہاں جیسے ہم ہیں ویسے ہی آپ کو بھی گھل مل کر رہنا پڑے گا، آفٹر آل آنٹی جان اپنے اکلوتے سپوت کا دل لگانے کی ذمہ داری ہمیں سونپ کر گئی ہیں۔'' اس نے دونوں ہاتھ لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر ٹکاتے ہوئے خاصی لمبی تقدیر کر ڈالی تو دلبر نے بے ساختہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا، اتنی لمبی بات کے اختتام پر سانس پھول جانے کی وجہ سے تیز تیز سانس لیتی ہوئی سنہری آنکھوں اور دہکتی رنگت والی وہ لڑکی کتنی پیاری لگ رہی تھی کوئی اس سے دلبر سے پوچھتا اس نے اپنی مرتعش دھڑکنوں کو سنبھالنے کے لئے فٹ سے نظریں جھکا لیں۔

''نہیں ہرگز نہیں، بالکل بھی نہیں پھر اس نگوڑے عشق کا ایک اور دورہ، اس بار میں سہہ نہیں پاؤں گا۔'' اس نے خود کو سرزنش کرتے ہوئے آنکھیں جھپک کر سر جھٹکا مگر اب کیا کیا جا سکتا تھا جی؟ اب تو دیر ہو چکی تھی۔

☆☆☆

اماں اکیس دن کے لئے عمرے پر گئی تھیں، پہلے ایک ہفتے کے بعد باقی دن کتنی جلدی پر لگا کر اڑ گئے، دلبر کو اندازہ ہی نہ ہو سکا اسے خبر تھی تو بس اتنی کہ وہ اپنی اس نٹ کھٹ، چنچل اور قدرے احمق سی خالہ زاد کے عشق میں پور پور ڈوب چکا ہے، جو ہر وقت اس کا دل بہلانے اور اسے

ہنسانے کو اس کے اردگرد منڈلاتی رہتی۔

''اگر جو اماں کو اس عشق کی خبر ہو گئی تو پہلی محبت کی طرح اس بار بھی جوتے مار مار کر سر سے عشق کے بھوت کے ساتھ ساتھ سر کے بال بھی اتار دے گی۔'' یہی سوچ اسے کسی بھی قسم کے اظہار یا پیش قدمی سے باز رکھے ہوئے تھی پر کیا کریں جناب عشق تو عشق ہوتا ہے اپنا آپ منوا لینے والا، خیر اس بار دلبر نے بھی اپنے صبر کی حدوں کو پار کرتے ہوئے زبان بند رکھنے اور دل کی بات دل میں ہی دبانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا، تو دیکھتے ہیں کہ اب عشق جیتتا ہے یا دلبر......؟

☆☆☆

صادق آباد واپس پہنچے اسے ایک ماہ ہونے والا تھا مگر اس سنگ دل حسینہ کی یاد تھی کہ پیچھا ہی نہ چھوڑ رہی تھی، اماں نے اس کی اداسی اور خاموشی کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا وہ تو شروع ہی سے اپنے اس بے چارے اور مسکین سے بیٹے کو یوں ہی مایوس اور نڈھال سا دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں، اماں کو کیا خبر کہ عشق کے روگی اور بارہا ڈسے ہوئے اس معصوم سے دلبر جانی کی حالت اصل میں ایسی کیوں تھی؟ وہ دوسرے لڑکوں کی طرح فلرٹ تھوڑی ناں کرتا تھا جو اسے فرق ہی نہ پڑتا بلکہ وہ تو ہر بار پورے دل اور جی جان سے اگلے کے ساتھ بے لوث اور بے غرض محبت پوری ایمانداری کے ساتھ کرتا تھا اسی لئے کبھی کسی لڑکی پر زبردستی یا دھڑلے سے اپنی محبت تھوپنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہمیشہ بزدلی دکھاتے ہوئے بات دوسرے کی مرضی پر چھوڑ دیتا اور جب کوئی اسے ٹھکرا کر آگے بڑھ جاتی تو وہ مجنوؤں والی حالت بنائے اداسی کی بکل اوڑھ کر کئی مہینے بلکہ سال چپکا بیٹھا رہتا، لیکن اس بار اللہ میاں کو اس پر رحم آ ہی گیا اسی لئے اس کے سوگ کے دورانیے کو زیادہ طویل نہیں ہونے دیا، یہ مت سمجھئے قارئین کہ اس کی محبت نے کوئی معجزہ دکھا دیا تھا بلکہ درحقیقت اسے ایک میڈیکل سٹور کے میڈیسن سپلائر کی حیثیت سے بہت اچھی جاب مل گئی تھی، جس میں مگن ہو کر وہ اپنے سابقہ عشقوں کی طرح نھو کو بھی قصہ پارینہ سمجھنے لگا مگر یہ اس کی بھول تھی۔

☆☆☆

''میں کچھ نہیں جانتی اس بار میں بھی تیرے ساتھ کراچی چلوں گی اور ہم پورا رمضان وہیں گزار کر عید کے بعد ہی لوٹیں گے بس۔'' اماں نے ہاتھ اٹھا کر حکمیہ انداز میں فیصلہ سنایا تو دلبر کا انکار کے لئے کھلنے والا منہ کھلا ہی رہ گیا، پچھلے کئی دن سے اماں اور اس کے مابین ضد چل رہی تھی، اماں اس بار دلبر سمیت رمضان اور عید فریدہ آنٹی کے ہاں کرنے پر معتر تھیں جبکہ دلبر اپنے دل کے احوال کو اماں سے چھپانے کی خاطر انکاری تھی، مبادا وہاں نھو کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جل اٹھنے والے دیئے اور در آنے والی تحریریں اماں دیکھ لیں اور وہیں اس پر لاتوں، گھونسوں اور لاٹھیوں کی برسات ہونے لگے، اتنی مشکل تے تو وہ اس ظالم کو بھولنے میں کامیاب ہوا تھا اب پھر سے وہی ڈرامہ؟ مگر نوٹے اماں کے سامنے اس کی ضد کبھی چلی تھی کیا جو اس بار چلتی؟ چند ہی دنوں بعد وہ کندھے پر دوائیوں اور کپڑوں سے بھرے بیگ کے ساتھ ساتھ منہ بھی لٹکائے اماں کے ساتھ اسٹیشن پر بیٹھا پایا گیا۔

☆☆☆

یہ دن بھی مبارک ہے ملو آ کے گلے سے
پھر ہم سے ذرا ہنس کے کہو رمضان مبارک

رمضان کا چاند نظر آ گیا تھا، وہ سب اس وقت چاند دیکھنے کی غرض سے چھت پر چڑھے

بیٹھے تھے جب اچانک ہی نھو نے آسمان پر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے چلا چلا کر شعر پڑھا اور پھر نگی کے گلے لگ کر رمضان کی مبارکباد دینے لگی، اماں جہاں اس کی اس حرکت پر ہنسی تھیں وہیں فریدہ آنٹی نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں میچتے ہوئے اسے اچھا خاصا کوسا تھا، فریدہ آنٹی کے ہاں آئے ہوئے انہیں تین دن ہو چکے تھے، اماں جب سے یہاں آئی تھیں لگتا تھا گویا کوئی ہنسی ان کے چہرے پر پھینک کر خود بھاگ گیا ہو، یعنی کہ اماں جان کی مسکراہٹ ہی ختم نہ ہو رہی تھی جبکہ ادھر دلبر جانی کا امتحان ایک بار پھر شروع ہو چکا تھا، اسی امتحان سے بچنے کی خاطر وہ سارا سارا دن اپنے ساتھ لائی ہوئی میڈیسنز سپلائی کرنے نکل جاتا اور شام کو جب نین تارا سے سامنا ہوتا تو وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتا خود کو کمپوزڈ کرتے ہلکان ہو جاتا۔

وہ ایک بار بھی نہ آیا ملنے ہم سے
اور یہ چاند ہے کہ پھر آ گیا

اس کے قریب آ کر شعر پڑھتی ہوئی نھو نے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا، نگاہوں میں کوئی شکوہ مچلا تھا یا دلبر کو ہی محسوس ہوا۔

''رمضان مبارک ہو دلبر۔'' چند ساعتیں اس کی طرف سے کچھ سننے کی منتظر نین تارا نے بالآخر خود ہی کہا، دلبر کو اپنا نام اتنا حسین کبھی نہیں لگا بلکہ اسے ہمیشہ اپنی اماں سے شکوہ ہی رہا تھا کہ اس نے اس کا نام دلبر جانی کیوں رکھا، اسی نام کی تاثیر تھی شاید کہ وہ اس عشق لا حاصل کے مرض میں مبتلا ہوا لیکن اس لمحے نھو کے منہ سے سن کر اسے اپنے نام پر اور کہنے والی پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

''خیر مبارک آپ کو بھی رمضان کا چاند مبارک ہو۔'' جواباً مبارکباد دے کر وہ جلدی سے نیچے اتر آیا۔

☆☆☆

کتنے ترسے ہوئے ہیں خوشیوں کو
وہ جو عیدوں کی بات کرتے ہیں

نین تارا نے نگی کے سر پر چپت لگا کر اپنی بات بے بات شعر کہنے والی عادت کو پورا کیا اور ساتھ ہی عید کے لئے کپڑوں کا شور مچاتی نگی پر طنز بھی۔

''دلبر بھائی آپ ہی اماں سے کہیں ناں کہ وہ ہمیں بازار جانے کی اجازت دے دیں، دوسرا عشرہ شروع ہو چکا ہے پھر بازاروں کا رش بڑھ جائے گا اور اشیاء کا بھاؤ بھی، جب خریداری کرنی ہے تو وقت پر کیوں نہیں؟'' نگی نے بڑی بہن کا ہاتھ ناگواری سے جھٹکتے ہوئے بڑی ذہانت کی بات کی تھی، وہ جو بظاہر بے نیاز بنا بیٹھا چور نظروں سے انہیں ہی دیکھ رہا تھا اچانک مخاطب کرنے پر ٹپٹا گیا۔

''میں...... میں...... میں کیسے؟'' وہ ہکلا کر رہ گیا۔

''نگی تم اگر کوؤں سے کہو کہ وہ ڈھول بجائیں تو وہ بجالیں گے کیا؟'' نھو بہن کے برابر چارپائی پر آ بیٹھی، اس بے تکے سوال پر دونوں نے ہونقوں کی طرح اسے شک کی نظر سے دیکھا۔

''ارے جب کوے ڈھول نہیں بجا سکتے تو تم دلبر کو وہ کام کرنے کا کیوں کہہ رہی ہو جو وہ کر ہی نہیں سکتا۔'' نھو نے بلی تھیلے سے باہر کی اس کی بات پر نگی نے ابرو اچکا کر پہلے اسے دیکھا پھر دلبر سے مخاطب ہوئی۔

''دلبر بھائی اب تو آپ کو اماں سے اجازت لینی ہی ہوگی عزت کا سوال ہے آخر۔'' اس نے غیرت دلانے والے انداز میں کہہ کر

اسے اندر کی جانب دھکیلا جہاں اماں آنٹی اور خالو جان بیٹھے تھے، دلبر کی ذمہ داری پر اس کے ساتھ بازار جانے کی اجازت ملی تو نمی سے لے کر نھو تک سبھی ہمراہ ہو لئے، سب نے اپنی اپنی پسند سے عید کی شاپنگ کی دلبر اور نومی کے لئے ایک جیسے سوٹ جوتے اور گھڑیاں نھو اور نگی نے ہی پسند کیں، واپسی پر گجرے دیکھ کر نھو نے بچوں کی طرح ''گجرا گجرا گجرا'' کی رٹ لگائی تو دلبر نے فی الفور گجرے خرید کر پیار کی پہلی نشانی اور تحفہ اسے دے دیا۔

کتنا بھلا لگتا ہے تیری کلائی میں محبت کا تحفہ
کاش میں بھی کوئی محبت کا تحفہ ہی ہوتا

☆☆☆

''دلبر بیٹا تم اب ماشاء اللہ شادی کے قابل ستائیس سالہ جوان اور برسر روزگار ہو تو میں نے تمہاری شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' اماں نے نیا شوشہ چھوڑا۔

''اماں شادی؟ لیکن......''

''چپ نالائق دیکھ نہیں رہا کہ ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔'' دلبر کی بات کاٹ کر اماں نے دھونس جمائی تو دلبر کی احتجاجیہ بولتی بند ہو گئی۔

''میں نے اور تیری خالہ خالو نے فیصلہ کیا ہے کہ اس چاندرات کو تمہارا نکاح نھو کے ساتھ کر دیں اور پھر عید کے بعد ہی رخصتی کروا کر اپنے ساتھ صادق آباد لے جائیں۔'' اماں بات پوری کر رہی تھیں اور دلبر نامی غبارے کی ہوا دھیرے دھیرے نکلتی جا رہی تھی۔

''تو اگلے ہفتے کی رات یعنی چاندرات کو تمہارا اور نین تارا کا نکاح ہے تیار رہنا اور ہاں یہ میں تم سے پوچھ ہرگز نہیں رہی بتا رہی ہوں سمجھے اس لئے کوئی چوں چراں نہیں۔'' اماں نے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

''اماں!'' دلبر فرط جذبات سے اماں کے گلے لگ گیا۔

''میں پہلے کبھی آپ کو انکار کر سکا ہوں اماں جو اس مرتبہ یہ گستاخی کروں گا؟'' وہ شکوہ کرتے ہوئے بڑے لاڈ سے کہہ رہا تھا، لیکن پھر کچھ خیال آنے پر چونک کر سیدھا ہوا۔

''کیا نھو کو اس بارے میں کچھ بتایا ہے؟'' اس نے استفسار کیا۔

''نہیں اور اس کو بتانا اتنا ضروری بھی نہیں ابھی۔'' اماں نے بے نیازی سے کہا۔

''نہیں اماں بہت ضروری ہے اسے ابھی سب کچھ بتانا ہے سب کو، اپنی کمزوری کا بھی۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے کمزوری کا نام سن کر حیران و پریشان ہو جانے والی اماں کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر خود باہر نکل گیا۔

☆☆☆

عید آئی ہے بڑی دھوم سے اس بار مگر
کتنا ویران ہے اس بار بھی گھر تیرے سوا
تیری ہستی کے سوا مانگ کے کیا لینا ہے؟
ہم نہ مانگیں گے کوئی اور ثمر تیرے سوا

چند گھنٹے بعد ان کا نکاح ہو جانا تھا، دلبر کی روح پر مسرت کے ساتھ ساتھ ایک نادیدہ بوجھ بڑھتا ہی جا رہا تھا، جبکہ نھو اس کے برعکس بڑی خوش اور مطمئن تھی ہمیشہ کی طرح چھیڑ چھاڑ کرتی آتے جاتے اشعار کی ٹانگیں توڑتی اور چٹکلے چھوڑتی ہوئی۔

''جب اسے پتہ چلے گا کہ جس کے ساتھ اس کا نکاح ہونے والا ہے وہ شخص پہلے بھی کئی لڑکیوں کا اسیر رہ چکا ہے تو......؟ وہ ایک پل میں انکار کر دے گی اور اگر میں یہ بات خود اس کو بتاؤں گا تو شاید وہ کسی گملے کے ساتھ میرا سر ہی پھوڑ دے۔'' دلبر نے بے دھیانی میں ہاتھ اپنے

سر پر رکھ کر پائپ کی مدد سے گملوں میں پانی بھرتی نین تارا کو دیکھا جو اس وقت بھی۔
میرا سوہنا سجن گھر آیا عید ہو گئی میری
مجھے چاند نظر آ گیا مبارکاں مبارکاں
کی گردان کر رہی تھی۔

''نھو۔'' اس نے تمام ہمتیں جمع کرتے ہوئے اسے پکار ہی لیا، پہلی بار اس کے منہ سے اپنا نام سن کر نھو تو ساکت ہی ہو گئی، کسی سٹیچو کی طرح۔

''وہ...... نین تارا مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔'' خشک لبوں پر زبان پھیر کر اس نے کہنا شروع کیا وہ پائپ چھوڑ کر قمیض کے ساتھ ہاتھ رگڑتی ہمہ تن گوش ہوئی تو دلبر جانی نے بچپن سے لے کر اب تک کی ساری رام کتھا اس کے گوش گزار کر دی۔

''میں نے کبھی کسی کو دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کی تھی نھو بلکہ میں دل سے مخلص تھا اور آج جب تمہارے ساتھ نکاح ہونے جا رہا ہے تو میں تمہیں بھی دل کی گہرائیوں اور سچائیوں کے ساتھ اپنانا چاہتا ہوں دھوکے میں رکھ کر نہیں، اسی لئے تمہیں سب کچھ صاف صاف بتا رہا ہوں کہ یہ مجھ میں ایک کمزوری اور خامی ہے جسے تم ایک بیماری کہہ سکتی ہو جو آج تک مجھ پر حاوی رہی ہے لیکن اس بار اگر تم میرا ساتھ دو گی تو ہو سکتا ہے کہ میری اس بیماری سے جان چھوٹ جائے، فیصلے کا مکمل اختیار ہے تمہیں ابھی کچھ بھی نہیں بگڑا، اگر تم انکار کرنا چاہو تو......'' بڑی سنجیدگی سے کہتے ہوئے دلبر کی زبان کو بریک لگ گئے، آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹنے کو ہو گئیں اور منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''پھرررر......'' کی آواز پر اس نے جھکی نظریں اٹھا کر نھو کی طرف دیکھا جو ہنسی روکنے کی کوشش میں لال بھبھوکا ہو رہی تھی، جی ہاں یہ آواز اسی کے منہ سے برآمد ہوئی تھی اور پھر جو اس کی ہنسی چھوٹی تو جاندار نقرئی قہقہوں کی جلترنگ چہار سو پھیل گئی، نھو ہنستی ہوئی پیٹ پر ہاتھ رکھ کر دوہری ہو چکی تھی۔

''بھلا ایسا میں نے کیا کہہ دیا؟'' دلبر کو اپنے الفاظ پر شبہ ہوا پھر نھو کی ذہنی حالت پر۔

اگلے چند منٹ میں وہ اپنی ہنسی کنٹرول کرتی ہوئی سیدھی اور سیریس ہو چکی تھی۔

''آپ ہنسی کیوں؟'' دلبر پوچھے بنا رہ نہیں سکا۔

''آپ کی حماقت پر۔'' فوراً جواب آیا۔

''حماقت؟'' وہ سمجھا نہیں۔

''ظاہر ہے جو شخص اپنی محبت کی سچائی، مخلصی اور ایمانداری کو اپنی خامیاں اور کمزوریاں کہے گا وہ احمق ہی ہو گا۔'' پرسکون انداز میں کہتے ہوئے وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''دلبر!'' پکار میں بڑی حلاوت تھی۔

''میں آپ کا آج ہوں اور مستقبل، ماضی میں آپ کسی کے ساتھ کیسے رہے اس سے مجھے فرق نہیں پڑتا، ویسے بھی ہر شخص شاید اتنے یا اس سے بھی زیادہ افیئر چلاتا ہے اپنی زندگی میں بس بتانے کا حوصلہ نہیں رکھتا، مگر آپ میں یہ حوصلہ ہے، آپ بہت کھرے اور شفاف انسان ہیں دلبر اسی لئے یہ سب بتانے کی ہمت کر رہے ہیں ورنہ فلرٹ کرتے تو نہ بتاتے اور یہ کیا کہا آپ نے کہ مجھے اختیار ہے فیصلے کا؟ محبت میں اختیار نہیں رہتا دلبر جی اور میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔'' وہ بڑی نرمی سے بولتی ہوئی اقرار کر رہی تھی، دلبر تو یہ اقرار سن کر گنگ ہو گیا تھا گویا، وہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ بھی اس سے عشق کرتا ہے مگر دو آنسو لڑھک کر اس کے قدموں کی زمین پر گرے، عید کا چاند

نظر آ چکا تھا اور دلبر کا چاند تو اس سے ایک قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں نھو کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ مخلص ہی رہوں گا اور اب جو مجھے میری محبت مل رہی ہے تو یہ میرے آخری عشق کی پہلی عید ہو گی، اب اس کے بعد کسی اور کے ساتھ عشق نہیں ہو گا ہر عشق اور ہر عید بس تمہارے ساتھ...... تمہارے نام۔'' اس کے ہاتھ تھامے وہ پورے جذب سے کہہ دیا تھا، عشق، زندگی، وفا اور عید سب ان دونوں دیوانوں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے ان کے گرد رقص کرنے لگے۔

''ہائیں ہائیں آپ کہاں بھاگے جا رہے ہیں قارئین کہانی ختم نہیں ہوئی، پکچر ابھی باقی ہے میرے دوست، اب تک آپ نے نھو کے اشعار پڑھے ہیں اب ذرا اینڈ پہ ایک غزل میری طرف سے بھی پڑھ لیجئے جو آپ کے اور ہمارے سمیت سبھی کے لئے ہے مگر سوٹ سب سے زیادہ دلبر اور نھو جی پر کر رہی ہے اس وقت، تو چلیے اسی سین کی مناسبت سے غزل عرض کرتی ہوں (اصل میں نھو جی کو دیکھ دیکھ کر ہمارا بھی سویا شاعر بیدار ہو گیا ہے)۔''

یہ پل یہ ساعت سعید مبارک
اے دوست تجھے بھی یہ عید مبارک
ہر رات گزرے مسکراتی گنگناتی
ہر روشن دن کی امید مبارک
جسے تو چاہے وہی آ کر ملے تجھ سے
جسے تو سنے وہی نوید مبارک
ہر شخص ہر منزل ہر خوشی ہر سفر
ہر خیال ہر آرزو ہر امید مبارک
وہ چہرہ جسے دیکھنے کو ترسیں آنکھیں
تا عمر اس رخ روشن کی دید مبارک
جہاں میں بکھری خوشبو مہکے تیرے گھر
سب لوگ کہیں ہنس کر عید مبارک

عید مبارک عید مبارک قارئین آپ کو بھی میری طرف سے بہت بہت عید سعید مبارک، چلیں جی اب ہوئی دلبر جانی کی یہ کہانی اختتام پذیر اور اب اتنا بولنے کے بعد مجھے بھی اجازت دیجئے میں بھی ذرا عید کی خوشیاں سمیٹ لوں اور آپ بھی چل کر عید منائیں، اچھیں شاباش کیا کہا عید گزر چکی ہے کوئی بات نہیں جناب خوشیاں بانٹیں اور خوشیاں سمیٹیں پھر دیکھیں ہر دن عید ہی عید ہے۔

☆☆☆

شگفتہ شاہ

بددعا

بچپن میں اس کی نانی اماں نے اس کے نانا ابا کے بارے میں ایک قصہ سنایا تھا، وہ ایک بہت بڑی درگاہ کے متولی کے بیٹے تھے اور اپنے والد صاحب کی اکلوتی اولاد نرینہ اور گدی اور گاؤں اور زمینوں کے وارث تھے، وہ شکار اور گھوڑ سواری کے بہت شوقین تھے، ایک بار وہ ایک سرکش گھوڑے کی سواری کرنے کی ضد میں آ گئے مگر گھوڑا تھا کہ پیٹھ پر ہاتھ دھرنے نہیں دے رہا تھا، اسی کشمکش میں گھوڑے نے نہ صرف ان کو میدان پر گرا ڈالا مگر بری طرح کاٹ کھایا۔

ان کے مصاحبوں نے انہیں بڑے حکیم صاحب کو دکھایا مگر اس وقت تک گھوڑے کے دانتوں کا زہر زخم میں سرائیت کر گیا تھا اور زخم بگڑ رہا تھا، ان کا علاج ہوتا رہا مگر حالت سدھرنے کے بجائے اور بھی بگڑنے لگی یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ اب ان کے بچنے کی امید بہت کم رہ گئی تھی، کئی کنال زمینوں اور گدی کے اکلوتے وارث کی یہ حالت دیکھ کر ان کے والد نے ماہر حکیموں کے علاجوں کے ساتھ دعاؤں کی کثر بھی نہیں چھوڑی، اچانک گھر کے لوگوں کو کسی درویش کا پتا لگا کہ وہ اللہ کے نیک بندے ہیں اور ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں تو ان کو دعا کے لئے کہا گیا، انہوں نے کہا کہ:

''میں دعا کروں گا اور انشاء اللہ وہ قبول بھی ہوگی شرط یہ ہے کہ گھر کے لوگوں میں سے کوئی ان کو بددعا دے جو کہ قبول ہوگی مگر ان کی جان بچ جائے گی۔''

اب خاندان کے افراد ایک جگہ جمع ہوئے کہ آخر وہ بددعا کیا ہونی چاہیے؟ تب اچانک ان کی بڑی بہن جو عورتوں کی مرشد والی گدی کی گدی نشین اور انتہائی نیک اور عبادت گزار خاتون تھیں انہوں نے با آواز بلند کہا:

''میں اپنے بھائی کو بددعا دیتی ہوں کہ اللہ اسے سات بیٹیاں دے اور پھر بیٹا دے گا۔''

نانی اماں کے بقول، نانا ابا کی پہلی شادی ان کے ساتھ ہوئی، انہیں اوپر تلے تین بیٹیاں ہوئیں اور پھر کوئی اولاد نہیں ہوئی، نانا نے دوسری شادی کی اور وہی تین بیٹیاں پھر کوئی اولاد نہیں، انہوں نے آخر تیسری شادی کی تو ایک بیٹی ہوئی پہلے یوں سات بیٹیوں کی تعداد پوری ہوئی، پھر اوپر تلے تین بیٹے ہوئے۔

پتا نہیں کہانی کتنی سچی تھی مگر جب سارے بچے یہ کہانی بار بار سنتے تو صرف وہ چیخ کر پوچھتی تھی:

''نانی اماں! بیٹیاں ہونا بددعا ہے؟''

بچپن سے آج تک یہ سوال آج بھی آج کل کے حالات دیکھ کر بار بار اس کے ذہن میں گونجتا ہے۔

''بیٹیاں بددعا ہیں کیا؟ اس معاشرے میں؟''

☆☆☆

بھکاری

''اللہ تمہارا نصیب بھلا کرے وڈیری! خیرات دے کر جا۔''

''میں وڈیری نہیں ہوں، معاف کر مائی!''

''اللہ تیری بیٹی کو امتحان میں پاس کرائے، بچوں کے کھانے کے لئے کچھ دے جا۔''

''یہ میری بھتیجی ہے، بیٹی نہیں، معاف کرو بھئی، روزانہ اسے لینے آتی ہوں تو روز تمہیں خیرات بھی دوں؟''

''اللہ تجھے بیٹا دے گا، کچھ دے جا۔''

''ارے میں غیر شادی شدہ ہوں۔''

''اللہ کے نام پر......''

''وہ سامنے ابھی تمہارے بچوں کا لشکر کھڑا دیکھ رہا ہے، اس دن کی طرح تمہیں کچھ دوں تو بعد میں یہ بھی یلغار کر دیں۔''

''مولیٰ بھلا کرے گا، روٹی کے پیسے دے جا۔''

''اتنی ہٹی کٹی ہو اور جوان بھی ہو، چلو میرے ساتھ، مجھے گھر کا جھاڑو پوچا کر کے دو تو کھانا بھی دوں گی اور پیسے بھی۔''

''اللہ سکھی رکھے گا، خیرات دے دے بی بی۔''

''تمہیں سنائی نہیں دیا کہ میں نے کیا کہا بس ایک ہی رکارڈ لگائے ہوئے ہو، صحتمند ہو، کام کیوں نہیں کرتی۔''

''خیرات دے دے بی بی۔''

''دفع ہو جاؤ، میرا دماغ مت کھاؤ، کہیں بھی تھوڑی سی دیر کے لئے رکو تو فقیروں کی یلغار تاک میں ہوتی ہے۔''

''تیرا بیڑا غرق ہو، نہ دے خیرات۔''

☆☆☆

رحمت یا زحمت

اسکول اور کالج سے نکل کر وہ بھاگ جاتا تھا، بہ مشکل بی اے تھرڈ کلاس میں پاس کی، محلے کی لڑکیاں اس کے اور اس کے دوستوں سے نالاں، بدتمیز، بےکار اور بدزبان تھا۔

جب اسے سدھارنے کا ہر طریقہ ناکام ہو گیا تو ماں باپ نے فیصلہ کیا کہ اب اس کی شادی کی جائے تاکہ اس پر ذمہ داری پڑے اور وہ بدلے، یہ تجویز کارگر رہی اور وہ کافی حد تک سدھر گیا، ایک سال بعد جب اسے چاند سی بیٹی پیدا ہوئی تو اس کے باپ نے بچی کو گود میں اٹھا کر کہا تھا۔

''بیٹا! بیٹیوں کے باپ سر جھکا کر چلتے ہیں۔'' اور اس نے واقعی سر جھکا دیا تھا۔

تب اس نے امی سے پوچھا تھا۔

''ہر کوئی بیٹوں کی تمنا کرتا ہے امی! کیا بیٹیاں بری ہوتی ہیں؟''

''نا بیٹا نا......'' امی نے کہا۔

''بیٹیاں تو بہت پیاری لگتی ہیں بس ان کے نصیب کا دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اللہ بیٹیاں دے تو ان کا نصیب بھی اچھا لکھے اور بیٹیوں کی وجہ سے اس کے ماں باپ کو اس کے سسرال والوں کے لئے سر جھکا کر چلنا پڑتا ہے نا میری بچی!''

☆☆☆

نصف بہتر یا بدتر

شادی ایک جوا ہے، اس میں بھی قسمت کا بڑا دخل ہوتا ہے، اب یہ اپنی اپنی قسمت ہے کہ شادی کے بعد کسی کو "نصف بہتر" ملے یا پھر "نصف بدتر۔"

(نوٹ:۔ انگریزی میں Better half یعنی نصف بہتر شوہر یا بیوی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔)

☆☆☆

عادت سے مجبور

"بی بی جی زکواۃ دے دیں، بہت غریب مسکین ہوں۔"

"ارے! زکواۃ سال میں ایک دفعہ دی جاتی ہے اور وہ ہم دے دیتے ہیں تم ہر تین ماہ بعد زکواۃ لینے آجاتی ہو اور بچی کو بھی در در ساتھ رلاتی ہو شرم نہیں آتی۔"

"مدد کر دیں بی بی جی۔"

"ٹھیک ہے، مدد کرتی ہوں، تمہیں سلائی آتی ہے؟"

"میری بڑی بیٹی کو آتی ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہیں سلائی مشین لے کر دوں گی پھر در در بھیک مت مانگنا، محنت کی کمائی کھانا۔"

"جی بی بی جی! بڑی مہربانی!"

☆

"بی بی جی! زکواۃ دے دیں۔"

"ارے تم پھر آ گئیں؟ میں نے کیا کہا تھا؟"

"وہ سلائی والی مشین خراب ہو گئی ہے، کون ٹھیک کرائے؟ مدد کر دو بی بی جی!"

☆☆☆

باس اور جوتا

"اتنی پریشانی کیوں؟"

"بھئی باس نے جینا حرام کر رکھا ہے، صرف اکڑ دکھاتا ہے، دھمکاتا ہے اور ذلیل کرتا ہے۔"

"ہوں...... ضرور نیا آیا ہو گا ناں۔"

"ہاں! مگر تم کیسے جانتے ہوں؟"

"بھئی تم نے یہ کسی بھلے مانس کا کہنا نہیں سنا کہ۔"

"نیا باس اور نیا جوتا شروع شروع میں تو کاٹے گا۔"

☆

زندگی میں اس نے اتنے دھوکے کھائے تھے کہ اس کا وجود ریزہ ریزہ ہو گیا۔

پھر وہ آیا...... اور بڑے پیار سے اس کے ٹکڑوں کو اکٹھا کیا اور اسے ایک خوبصورت مجسمے کا روپ دے ڈالا اور پرستش کی۔

پھر اسے توڑ کر "بت شکن" بن گیا۔

☆☆☆

شہاب نامہ

مصنف: قدرت اللہ شہاب

تبصرہ: سیمیں کرن

قدرت اللہ شہاب کا نام نہ تو ادبی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج ہے اور نہ ہی شہاب نامہ ایسی تخلیق کہ ادبی دنیا سے وابستہ لوگ اس سے آگاہ نہ ہوں مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس ضخیم کتاب کو ادبی صنف کے کس خانے میں رکھا جائے، کیا یہ خودنوشت ہے؟ آپ بیتی کہیں گے، کوئی تاریخی دستاویز ہے پاکستان کے سفر کی سفر نامہ ہے تو پھر کملہ کماری کی بے چین روح اور چندرا جیسی فسوں کاری کو کہاں رکھیں گے؟ اک انتہائی حساس پوسٹ پر تعینات بیوروکریٹ کے بے لاگ نوٹس و مشاہدات ہیں، پاکستانی سیاست و تاریخ کی منظر نگاری ہے، وہاں سے واپس آیئے تو ہالینڈ اور یورپ کے شب و روز میں کھو جایئے اور ان شب و روز میں آپ کو "عفت" کا باکمال خاکہ نظر آ جائے گا جسے بار بار پڑھنے کو جی چاہے گا، عفت قدرت اللہ شہاب جیسے غیر معمولی انسان کی غیر معمولی بیوی اور پھر آخری بات چھوٹا منہ بڑی بات، جہاں ذکر ہے "نائنٹی" کا، جو راہ سلوک کی طرف اس لامحدود کی طرف سفر کی داستان ہے یہاں آئیں گے تو پھر اٹک جائیں گے بھٹک جائیں گے کیا یہ شخص یہ سوٹڈ بوٹڈ شخص اک اعلیٰ پائے کا ادیب اس درجہ کمال کو پہنچ گیا کہ معجزے ہونے لگے اس کو خود اپنی جانب بلا لیا گیا؟ کتاب کے آخر میں قرآنی آیات پر مشتمل وہ ذکر اذکار ہیں جن کے فضائل و برکات بیان کی گئیں ہیں۔

گو کہ یہ حصہ اک متنازعہ ہی رہا، یہ الزام عائد کیا جاتا رہا کہ مفتی اور شہاب "من بترا حاجی بگو تو میرا حاجی بگویم" کی نسبت تھی اور شہابیہ فرقہ کا الزام بھی دھرا جاتا رہا کہ تصوف وہ راہ ہے جہاں اپنے منہ سے خود دعوے نہیں کیے جاتے، ان الزامات اور بدگمانیوں کے سلسلے بھی طویل ہیں اور عقیدت مندوں کی بھی کمی نہیں ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے ان افکار کو اپنا معمول بنایا اور فیض و برکات حاصل کیں۔

یہ راہ سلوک تو دراصل اپنے من کی کیفیت رچاؤ اور بہاؤ کا نام ہے آپ کا مرشد مٹی کا مادھو بھی ہو تو آپ کی عقیدت و کیفیت اور ایمان و یقین کو قوت حیرت انگیز نتائج دے گی۔

کتاب کا انتساب ماں جی "عفت ثاقب" حبیب اور نائنٹی کے نام کیا گیا ہے۔

کتاب کا آغاز اقبال جرم سے ہے جس میں وہ جون 1938ء سے ڈائری لکھنے کی طرح ڈالی اور اپنی خود ساختہ شارٹ ہینڈ میں اک پلندہ تیار ہو گیا، ابن انشاء جو شہاب کے قریبی دوست تھے "انہوں نے دیکھا تو خوب ہنسے اور وجون سے ڈائری کے آغاز کی وجہ دریافت کی؟ اور بقول شہاب۔

"اس وقت تو میں نے اسے کچھ نہ بتایا، البتہ جو صاحب اس کتاب کا آخری باب "چھوٹا منہ بڑی بات" پڑھنے کا بوجھ برداشت کر لیں گے ان پر اس تاریخ کی حقیقت خود بخود منکشف ہو جائے گی؟"

پھر ابن انشاء کی بیماری اور آخری ملاقات کا

تذکرہ ہے جس میں انشاء نے اپنی تشنہ آرزوں کو بیان کرنے کے بعد شہاب سے پوچھا کہ اسے زندگی دوبار ملے تو وہ کیسے جیئے گا، شہاب کا جواب ویسی ہی جیسی اب گزار رہا ہوں سوائے اپنی خطاؤں کج فہمیوں اور غفلتوں کی اصلاح کے، بقول مصنف۔

''یہ سن کر ابن انشاء چوکنا ہو گیا اور کاغذ پنسل ہاتھ میں لے کر سکول ماسٹر کی طرح حکم دیا، وجوہات بیان کرو، تفصیل سے، میں خود احتسابی کی کدال سے اپنا اندر اور باہر کرید کرید کر بولتا رہا اور ابن انشاء ایس ایچ او کی طرح ایف آئی آر کی طور پر میرا بیان لکھتا رہا۔''

پھر اک طویل فہرست ابن انشاء کے ہاتھ کی لکھی انشاء نے یہ کہہ کر شہاب کے حوالے کی۔

''فہرست میرے حوالے کی اور وصیت کو اپنی ڈائری کی خفیہ نویسی کو بے نقاب کرو اور دلجمعی سے کتاب لکھو میں تو اسے پڑھنے کے لئے زندہ نہ رہوں گا لیکن میری روح خوش ہوگی۔''

یہ سطور پڑھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ نادانستہ و لاشعوری طور پر ابن انشاء شہاب نامہ جیسی تخلیق کے محرک بنے دوسرا صدر ایوب کے بیورو کریسی میں خاص الخاص افراد میں شامل تھے اور اسی بناء پر یہ مشہور تھا کہ۔

یہ سوال و جواب کیا کہنا
صدر عالی جناب کیا کہنا
کیا سکھایا ہے کیا پڑھایا ہے
قدرت اللہ شہاب کیا کہنا

اور رائٹرز گلڈ کے قیام پر بھی قدرت اللہ شہاب فرماتے ہیں کہ یہی سمجھا گیا کہ میں نے ترپ چال چل کر ادیبوں اور دانشوروں کے تمام انڈے صدر ایوب کی جھولی میں ڈال دیے ہیں۔

یہ تمام صورت الحال کے تناظر میں قدرت اللہ شہاب فرماتے ہیں۔

''اس تمام صورت حال کے پیش نظر یہ کتاب کا ارادہ اور بھی پختہ ہو گیا اس کا مقصد اپنی تربیت اور معصومیت کا ڈھول پیٹ کر نمبر بڑھانا نہیں فقط حقائق کے ریکارڈ کو صاف کرنا مقفود ہے۔''

''جموں میں پلیگ، کتاب کا پہلا باب، افسانوی طرز تحریر، لطافت، تحریر کی دلکشی اور لکھاری کے ساتھ پہلے باب سے ہی اک خاص رشتہ قائم ہو جاتا ہے، اس باب میں اک انتہائی ذہین شرارتی کم سن قدرت اللہ شہاب سے ملاقات ہوتی ہے جو جس کا مشاہدہ تیز یادداشت غضب کی اور طبیعت میں رومان اس قدر کہ مولوی صاحب کی بیگم صادقہ بیگم سے اک معصوم سا معاشقہ یا آج کی لغت کے حساب سے ''Crush'' کی داستان کو کیا خوب پیرائے میں بیان کیا ہے۔''

''نندہ بس سروس'' جموں سے سرینگر اپنے خاندان کی ہجرت کی کہانی ہے مگر دراصل اس وقت کے جموں و سرینگر واقعات حالات کیفیات شخصیات پر اک باقاعدہ تاریخی دستاویز ہے، جیسے ''جموں میں پہلا سینما حال بنانے اور چلانے کا سہرا بھی نندہ صاحب کے سر رہا، اور مہاراجہ ہری سنگھ کی خوشامد میں انہوں نے اس کا نام ''ہری ٹاکیز'' رکھا۔

''راج کرو گا خالصہ، باقی رہے نہ کو'' اور مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ چائے ان ابواب میں بڑی بڑی شخصیات سے ملاقات اور بہت سے انکشافات منتظر ملیں گے، اک ایسی کتاب جو ہر صاحب ذوق کی لائبریری کی زینت ہونی چاہیے۔

☆☆☆

تحریم محمود

القرآن

اور جو لوگ پرہیز گار عورتوں کو بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں، تو ان کو اسی درے مارو بھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی (لوگ) بدکار ہیں، ہاں جو ان کے بعد توبہ کر لیں اور (اپنی حات سنواریں) جو خدا (بھی) بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ نور)

اور ہم ہر انسان کے اعمال کو (بصورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے روز (وہ) کتاب اسے نکال دکھائیں گے، جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا، (کہا جائے گا) کہ اپنی کتاب پڑھ لے تو آج اپنا آپ ہی محاسب ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل)

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک حادثہ عظیم ہوگا جس دن تو اس کو دیکھے گا (اس دن یہ حال ہوگا) تمام دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے اور لوگ تجھ کو متوالے نظر آئیں گے، مگر وہ متوالے نہیں ہوں گے، بلکہ (عذاب کو دیکھ کر) مدہوش ہو رہے ہوں گے، بے شک خدا کا عذاب بڑا سخت ہے۔ (سورۂ حج)

بے شک مومن بھائی بھائی ہیں، اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروا دیا کرو اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم ہو۔ (سورۂ حجرات)

حفصہ خان، لاہور

حدیث نبویؐ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔''

صحابہؓ نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ سمجھ گئے کہ مظلوم کی مدد کریں گے مگر ظالم کی مدد کس طرح کریں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا۔

''ظالم کے ہاتھ پکڑ لو، یعنی ظالم کو ظلم سے روک دو۔''

رملہ ملک، دھوریہ

انسان اور زندگی

کہتے ہیں کہ ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس لئے ہزار ہزار سال کی زندگی بخشی تھی کہ وہ اسے عبادت میں گزاریں مگر انسان نے خیال کیا کہ جب اتنی لمبی زندگی ہے تو پھر کیوں نہ زندگی کا لطف اٹھایا جائے جب بڑھاپا آئے گا تو اللہ کو یاد کر لیں گے، اس پر انسانی زندگی کی میعاد گھٹا کر ایک سو سال کر دی گئی تا کہ وہ اس چند روزہ زندگی کو ضرور عبادت و فکر عاقبت میں گزارے لیکن اس کے برعکس انسانوں نے کھاؤ پیو اور مزے اڑاؤ کل تو فنا وہ جائیں گے والے مقولے پر عمل کیا ہے۔

اگر کچھ سیکھنا چاہیں تو ہر غلطی ہمیں سبق دے سکتی ہے۔

زرا حسین، کھاریاں

اقوال زریں

حضرت احمد حرب رحمتہ اللہ علیہ عمر بھر شب بیدار رہے اور کبھی آرام کرنے کے لئے لوگ اصرار کرتے تو فرماتے کہ "جس کے لئے جہنم دہکائی جا رہی ہے اور جنت کو آراستہ کیا جا رہا ہے لیکن اس کو یہ علم نہ ہو کہ ان دونوں میں اس کا ٹھکانہ کہاں ہے، اس کو بھلا نیند کیسے آسکتی ہے؟"

فرمایا کہ "خدا سے خائف رہتے ہوئے عبادت کرتے رہو اور دنیا کے دام فریب سے بچتے رہو کیونکہ اس میں پھنس کر مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

فرح حیدر، خانیوال

حدیث مبارکہ

ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کس چیز کے ذریعے جہنم سے نجات پا سکتا ہوں؟"

فرمایا۔

"اپنی آنکھوں کے آنسوؤں سے۔"

عرض کی۔

"میں اپنی آنکھوں کے آنسوؤں کے ذریعے جہنم سے نجات کیسے پاؤں؟"

فرمایا۔

"ان دونوں کے آنسوؤں کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہاؤ کیونکہ جو آنکھ اللہ عزوجل کے خوف سے روئے اسے جہنم کا عذاب نہیں ہوگا۔"

فرح راؤ، کینٹ لاہور

توبہ کے تین انعامات

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے کہ......

"توبہ کرنے والے جب اپنی قبروں سے نکلیں گے تو ان کے سامنے سے مشک کی خوشبو پھیلے گی، وہ جنت کے دستر خوان پر آکر اس میں سے کھائیں گے اور وہ عرش کے سائے میں ہوں گے جب کہ دیگر لوگ حساب کی سختی میں مبتلا ہوں گے۔"

نیلہ نعمان، گلبرگ لاہور

دل سے نکلے ہیں جو لفظ

☆ خواہشات کو دبانے اور مشکلات پر قابو پانے سے انسان کا کردار مضبوط ہوتا ہے۔

☆ اپنی زندگی کو ایسے نایاب پھولوں سے آراستہ کرو جنہیں ہر کوئی چننے کا خواہش مند ہو۔

☆ رشتے جب اذیت کے سوا کچھ نہ دیں تو ان سے کنارہ کشی بھی بہتر ہے، خواہ وقتی ہی سہی۔

☆ دھوکا ہو یا دکھ، تب ان کا صدمہ زیادہ اور حملہ شدید ہوتا ہے جب انسان اس کے لئے ذہنی طور پر تیار نہ ہو۔

☆ میں نے دو طرح کے لوگوں سے دھوکا کھایا ہے، ایک وہ جو میرے اپنے نہیں تھے اور ایک وہ جو میرے، بہت اپنے تھے۔

☆ کسی کو پانے کی تمنا نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو اس قابل بناؤ کہ دنیا والے تمہیں پانے کی تمنا کریں۔

☆ غم کا علاج مصروفیت ہے۔

شاہینہ یوسف، عمر کوٹ

اقوال زریں

☆ خوشی وہ ہے، جس کا اعتراف دشمن بھی کریں۔

☆ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس کا انجام ضرور سوچ لو۔

☆ زندگی کو سادہ اور خیالات کو بلند رکھو۔

☆ مسکراہٹ خوب صورتی کی علامت ہے۔

☆ جاہل، دماغ سے زیادہ زبان استعمال کرتا ہے۔

☆ زندگی کے جواز تلاش نہیں کیے جاتے، صرف زندہ رہا جاتا ہے، زندگی گزارتے چلے جاؤ، جواز مل جائے گا۔

افشاں زینب، شیخوپورہ

انداز نظر

ایک شخص اپنے کھیت میں کھدائی کر رہا تھا کہ اسے سنگ مرمر کی خوب صورت مورتی نظر آئی وہ اسے لے کر ایک ایسے شخص کے پاس گیا جو پرانی چیزوں کا دل و جان سے عاشق تھا، اس نے ایک خطیر رقم دے کر وہ مورتی خرید لی اور دونوں اپنی راہ چلے گئے، بیچنے والا گھر جاتے ہوئے اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔

"کتنی جان اور کتنی زندگی ہے اس دولت میں، سچ مچ بڑی حیات ہے، کہ عقل مند انسان اتنی بڑی رقم ایک گونگے اور بے جان پتھر کے ٹکڑے کے عوض کیسے دے سکتا ہے، جو ہزاروں برس سے زمین میں دبا پڑا ہو، جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ آیا ہو۔"

اور عین اسی لمحے خریدنے والا مورتی کو غور سے دیکھتا جا رہا تھا اور سوچتا جاتا تھا۔

"کتنا مقدس ہے وہ حسن جو تجھ میں ہے اور کتنی مبارک ہے وہ زندگی جو تیرے وجود میں شعلہ زن ہے، خدا کی قسم! میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ انسان ایسی لطیف، ایسی نادر اور ایسی بے بہا چیزوں کو بے جان اور زائل ہو جانے والی دولت کے بدلے کیسے فروخت کر سکتا ہے۔"

(خلیل جبران)

علینہ طارق، لاہور

برسات

ک رات ہوئی برسات بہت
یں روئی ساری رات بہت
غم تھا زمانے کا لیکن
تنہا بھی اس رات بہت
آنکھ سے ایک ساون برسا
جب سحر ہوئی تو خیال آیا
وہ بادل کتنا تنہا تھا
جو برسا ساری رات بہت

شازیہ نواب، علی پور

آتش اور سمندر

ریت گھروندے، ابرو باد کی سازش اور سمندر
دونوں آمنے سامنے تھے، کل آتش اور سمندر
کوئی مجھے تفصیل بتائے لہروں اور بوندوں کی
میں صحرا سے دیکھ رہا ہوں بارش اور سمندر
پیار بھرے دریا، ساگر سے گھیرے ہو جاتے ہیں
عشق بغیر نہیں ملتی گنجائش اور سمندر

افشاں اشرف، عارف والا

لفظ بولتے ہیں

☆ دوستی کی شیرینی کو ایک دفعہ کی رنجش کی یاد ہمیشہ زہر آلود کرتی ہے۔

☆ قدرت کے مہربان ہونے پر یقین کا نام امید ہے۔

☆ وہ محبت یقیناً عظیم ہوتی ہے جو ایک دوسرے کی عزت پر مبنی ہو۔

☆ جب گناہ معاف ہو جائے تو گناہ کی یاد بھی نہیں رہتی۔

☆ اپنی ضرورتوں اور خواہشوں کو کم رکھو گے تو راحت پاؤ گے۔

☆ خوب صورتی کے چکر میں ہم چاہے ساری دنیا کا چکر لگا آئیں اگر وہ ہمارے اندر نہیں تو کہیں نہیں ملے گی۔

☆ دکھ ایسا بدتر لفظ ہے جو انسان کو دیمک کی مانند کھا جاتا ہے۔

☆ بعض اوقات الفاظ سے زیادہ خاموشی میں وضاحت ہوتی ہے۔

نبیلہ طارق، کراچی

دنیا

O کاش میرا بیٹا غبی اور کند ذہن نکلے تا کہ کسی صوبے کا گورنر وغیرہ بن جائے، میں تو اپنی قابلیت اور ذہانت کے باعث مفلس اور بیکار ہوں۔ (چینی عالم)

سدرہ نعیم، شیخوپورہ

قوس وقزح

O دس قصوروار چھوڑ دو مگر ایک بے قصور کو سزا نہ دو۔ (بلیک اسٹون)

O کوئی بھی فن علم کی حد میں داخل ہوئے بغیر ثبات کو نہیں پہنچتا۔ (عزیز حامد مدنی)

O جس کنویں سے پانی پیو اس کے بنانے والے کو بھی یاد کرو۔ (کنفیوشس)

O موتی اگر کیچڑ میں گر جائے تو بھی قیمتی ہے گرد اگر آسمان پہ بھی چڑھ جائے تو بے قیمت۔ (شیخ سعدیؒ)

O کسی کے غصے میں کہے کلام کو کبھی مت بھولو۔ (بیکن)

O کسی کو اپنا کہنے سے پہلے سوچ لو، کیا تم اسے اپنائیت کا بھرپور احساس دلا سکو گے۔ (خلیل جبران)

زاہدہ اظہر، حافظ آباد

ذہن میں رکھیں

O جانے والا جب لوٹتا ہے تو بدل چکا ہوتا ہے یا پھر انتظار کرنے والا اپنے مقام پر نہیں ہوتا۔

O تمہاری عدم موجودگی میں تمہارا دوست جو تمہیں کہتا ہے اس کی نظروں میں تم وہی ہو۔

O پہلی نگاہ کا فیصلہ اور آخری نگاہ کی حسرت سچ پر مبنی ہوتی ہے۔

O اگر بازی با اصول طریقے سے جیتی جائے تو ہارنے والا بھی داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

O اگر کسی کو ہنستے دیکھو تو یہ نہ سمجھو کہ اسے کوئی غم نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا غم چھپانے کے لئے ہنس رہا ہے۔

O جس سے مل کر خوشی نہ ہو اس سے بچھڑ کر غم نہیں ہوتا۔

O برے وقت کے ہمدم کو اچھے وقت میں کبھی نظر انداز نہ کرو برا وقت پھر بھی آ سکتا ہے۔

فضہ بخاری، رحیم یار خان

سنہری باتیں

امیر المومنین حضرت علیؓ نے فرمایا۔

O لوگوں سے اس طرح میل جول رکھو کہ اگر مر جاؤ تو لوگ تمہارے لئے روئیں اور زندہ رہو تو تم سے ملنا چاہیں، سے بڑھنے والا دوست اور آگے بڑھا ہوا دشمن۔

O دوست اس وقت تک دوست نہیں ہوتا، جب تک تین باتوں کا خیال نہ کرے، مصیبت میں ہمدردی، غیر حاضری میں حفظ، ناموس اور مرنے کے بعد ذکر خیر۔

O جو لوگ شوق میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت تاجرانہ ہے جو خوف میں عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت غلامانہ اور جو شکر نعمت کے طور پر عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت آزادانہ ہے۔

حنا زبیر احمد، بہاولپور

لفظوں کی مالا

☆ اگر تم یہ چاہو کہ زمین و آسمان اور اس کے رہنے والوں کو جان کر اللہ کو جانو تو راستہ بہت لمبا ہو جائے گا، جس کا طے کرنا تم پر دشوار ہو جائے گا، اس لئے نور یقین کو رہبر بناؤ تا کہ راستہ چھوٹا ہو جائے۔

☆ عمل ایک شیر ہے، جب اس کی گردن پر پاؤں رکھ دو گے تو وہ لومڑی کی طرح ہو جائے گا۔

اُم رباب، ساہیوال

☆☆☆

تسنیم طاہر

حنا ملک

سکھر

سفر پہ نکلے تو سامنے وہی تھا دریا وہی گھڑے تھے
ہماری قسمت میں یہ ہجر کی ہمیشگی کب تک رہے گی

....

لب خاموش چشم خشک کیا سمجھائیں گے تجھ کو
جو بارش دل میں ہوتی ہے جو دریا دل میں بہتا ہے
مجھے تجھ سے جدا رکھتا ہے اور دکھ تک نہیں ہوتا
میرے اندر تیرے جیسا یہ آخر کون رہتا ہے

....

یہ خلوص کوئی خلوص ہے کو دلوں میں ربط بہم نہیں
تمہیں اعتراف ستم نہیں مجھے اعتبار کرم نہیں
یہ فقط غرور کی بات ہے کہ زباں سے اپنی تم نہ کہو
تمہیں ورنہ اس کی خلش تو ہے کہ تمہاری بزم میں ہم نہیں

نگینہ تبسم

علی پور چٹھہ

جو چیز میری ہے اسے کوئی اور نہ دیکھے
انسان محبت میں بچوں کی طرح سوچتا ہے

....

اپنے چہرے پہ خوشی سجا کے رکھیں گے
ہر ایک سے درد اپنا چھپا کے رکھیں گے
شاید کسی روز آ جائے وہ کچھ مانگنے
اسی واسطے زندگی یہ بچا کے رکھیں گے

....

پھول وفا کے کھل سکتے تھے
دل کے زخم بھی سل سکتے تھے
ہم نے چاہا ہی نہیں ورنہ
دونوں یہاں مل سکتے تھے

وردہ

کمالیہ

جو مل نہ سکا اس کا میں غم کس لئے کرتا
انسان جو چاہے اسے اکثر نہیں ملتا

....

وہ کسی کا سہی جب نظر آ جائے گا
دل کو سکوں آنکھوں کو صبر آ جائے گا
میں لاکھ کروں گا کوشش اس کو بھلا دینے کی
ساری حدیں توڑ کے وہ یاد مگر آ جائے گا

تنزیہ ثاقب

ملتان

ہم عشق کریں اور چرچا بھی نہ ہو
تم چاہتے ہو لوگ بے زبان ہو جائیں

....

تاریکی نے آ لیا صبح سویرے مجھ کو
اے چاند کھا گئے غم تیرے مجھ کو
ذرا سی کرن کیا طلب کی میں نے
ہر طرف سے چمٹ گئے اندھیرے مجھ کو

....

تو بچھڑ کے خوش ہے تو چہرہ اپنا اجال کے دکھا
یہ تیور تو دنیا کو نہ اپنے ملال کے دکھا
یہ مان ہی لیا کہ تو بھول گیا ہے مجھے
جو ہو سکے تو خود کو میرے دل سے نکال کے دکھا

ثمینہ بٹ

لاہور

بن کر وہ چاند رات کو چمکا ترا خیال
ہر چیز پہ نکھار تھا ہر شے تھی خوش جمال
لیکن تمہارے ہاتھ پہ رنگ حنا کے پھول
دیکھے تو دل پہ چھا گیا خوف پر ملال

....

دل نازک کو اس کے پاؤں کی دھول کرتے ہوئے

میں نے ذرا بھی نہ سوچا محبت کی دھول کرتے ہوئے
دھڑ کے گا دل نہ آنکھیں دیکھیں گی اپنی مرضی سے
زندگی اب کروں گا یہ شرطیں قبول کرتے ہوئے

....

تم وہ دعا ہو جو مانگی جاتی ہے
سخت گرمیوں میں بارش کے لئے
علی رضا ---- ملتان
میرے لفظوں سے نکل جائے اثر
کوئی خواہش جو تیرے بعد کروں
بچھڑ کے تجھ سے عجب وحشتوں نے گھیرا ہے
اداس رہتا ہے یہ دل بھی جنگلوں کی طرح

....

دفعتاً ترک تعلق میں بھی رسوائی ہے
الجھے دامن کو چھڑاتے نہیں ہیں جھٹکا دے کر
دشمن نے میری پشت پہ کیوں وار کیا ہے
یہ رسم نبھانے کو میرے دوست بہت ہیں

....

ہوتا ہے حال بد میں کسی کا شریک کون
پتے بھی بھاگتے ہیں خزاں میں شجر سے دور
جو دلوں کے راز بتا سکے مجھے چاہیے وہ شعور غم
جو افق کے پار بھی جا سکے مجھے اس نظر کی تلاش ہے
مریم ملک ---- لیہ
زندگی کے کسی موڑ پہ خود کو تنہا نہ سمجھنا
میں تیرے قریب ہوں مجھ کو خود سے جدا نہ سمجھنا
عمر بھر ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے تم سے
اگر زندگی ساتھ نہ دے تو بے وفا نہ سمجھنا

....

کیا مانگوں خدا سے تمہیں پانے کے بعد
کس کا کروں انتظار زندگی میں تیرے آنے کے بعد

....

کیوں پیار میں جان لٹا دیتے ہیں لوگ
مجھے معلوم ہوا ہے تمہیں اپنا بنانے کے بعد

فرح راؤ ---- کینٹ لاہور
سدا رہے جکڑے قسمت کی جو زنجیروں میں
ہمارا نام بھی شامل ہے ان اسیروں میں
وہ جس کے ساتھ کی خواہش اڑان بھرتی ہے
اسی کا نام نہیں ہاتھ کی لکیروں میں

....

اس شہر میں ایسی بھی قیامت نہ ہوئی تھی
تنہا تھے مگر ود سے تو وحشت نہ ہوئی تھی
اب سانس کا احساس بھی اک بار گراں ہے
خود اپنے خلاف ایسی بھی بغاوت نہ ہوئی تھی
نبیلہ نعمان ---- لاہور
بہت بے چین رہتی ہے طبیعت ایک مدت سے
دل و جان کو نہیں مل پائی راحت ایک مدت سے
بہت مجبور ہوں ورنہ بہت محسوس کرتا ہوں
میری جاں تم سے ملنے کی ضرورت ایک مدت سے

....

محبت کا اثر ہو گا غلط فہمی میں مت رہنا
وہ بدلے گا چلن اپنا غلط فہمی میں مت رہنا
تمہارا تھا تمہارا ہوں تمہارا ہی رہوں گا میں
میرے بارے میں اس درجہ غلط فہمی میں مت رہنا

....

آپ دل میں میرے قیام کریں
گھر میں تو سب قیام کرتے ہیں
شاہینہ یوسف ---- ساہیوال
جو موتیوں کی طلب نے کبھی اداس کیا
تو ہم بھی راہ سے کنکر سمیٹ لائے بہت
وہاں کی روشنیوں نے بھی ظلم ڈھائے بہت
میں اس گلی میں اکیلا اور سائے بہت

....

رت بدل رہی ہے جیون سراب ہے
آنکھوں میں ایک بار پھر ہوا کا خواب ہے
ڈھونڈتی ہے رہگور اک ہمسفر شام و سحر

کتنا کٹھن تنہائی کا عذاب ہے
افشاں زینب ---- شیخوپورہ
بہت پہلے سے ان کے قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اب زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں
طبیعت اپنی گھبراتی ہے جب سنسان راتوں میں
ہم ایسے میں تیری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں

....

جس سمت بھی دیکھوں نظر آتا ہے کہ تم ہو
اے جان جہاں یہ کوئی سا ہے کہ تم ہو
یہ عمر گریزاں کہیں ٹھہرے تو یہ جانوں
ہر سانس میں مجھ کو ہی لگتا ہے کہ تم ہو

....

یہ میرا سارا سفر اس کی خوشبوؤں میں کٹا
مجھے تو راہ دکھاتی تھیں چاہتیں اس کی
میں بارشوں میں جدا ہو گئی اس سے مگر
یہ میرا دل میری سانسیں امانتیں اس کی
علینہ طارق ---- لاہور
توڑ دے ہر اک آس کی ڈوری آسوں میں کیا رکھا ہے
عشق محبت باتیں ہیں سو باتوں میں کیا رکھا ہے
قسمت میں جو لکھا ہے وہ آخر وہ کر رہتا ہے
چند لکیریں الجھی سی اور ہاتھوں میں کیا رکھا ہے

....

وفا کے نام بھی زندہ ہے میں بھی زندہ ہوں
اب اپنا حال سنا مجھ کو بے وفا میرے

....

مجھ سا جہاں میں کوئی نادان بھی نہ ہو
کرکے جو عشق کہتا ہے نقصان بھی نہ ہو
رونا یہی تو ہے اسے چاہتے ہیں ہم
سعد جس کے ملنے کا امکان بھی نہ ہو
شمائل وہاب ---- کراچی
وہ پاس تھا تو اس حیات کے عنوان تھے بہت
خوش رہنے اور ہنسنے کے سامان تھے بہت

جدا ہوا تو دل مطمئن کا اطمینان نہ گیا
مجھ خوش فہم کو پلٹ آنے کے گمان تھے بہت

....

کوشش کے باوجود بھی تو بھولتا نہیں
تیرے بغیر کیا کروں کچھ سوجھتا نہیں
ہوتی ہے صبح و شام مگر اس کے باوجود
ہے چاند تیری یاد کا جو ڈوبتا نہیں

....

یوں ہی امید دلاتے ہیں زمانے والے
لوٹ کے کب آتے ہیں جانے والے
تو نے دیکھا ہے کبھی صحرا میں جھلتا ہوا درخت
اس طرح جیتے ہیں وفاؤں کو نبھانے والے
افشاں اشرف ---- عارف والا
اتنی آزادی نے دے حد سے گزر جاؤں نہ میں
اڑتے اڑتے ان فضاؤں میں ہی مر جاؤں نہ میں
اک نظر نفرت سے مجھ کو دیکھنے والے کہیں
آنکھ کے رستے ترے دل میں اتر جاؤں نہ میں

....

کب پاؤں فگار نہیں ہوتے کب سر میں دھول نہیں ہوتی
تری راہ میں چلنے والوں سے لیکن کبھی بھول نہیں جاتی
ہر رنگ جنوں بھرنے والو شب بیداری کرنے والو
ہے عشق وہ مزدوری جس میں محنت وصول نہیں ہوتی

....

میری بزم دل تو اجڑ چکی میرا فرش جاں تو سمٹ گیا
سبھی جا چکے میرے ہم نشیں مگر ایک شخص گیا نہیں
غم زندگی تیری راہ میں شب آرزو تیری چاہ میں
جو اجڑ گیا وہ بس نہیں جو بچھڑ گیا وہ ملا نہیں
سعدیہ وہاب ---- سرگودھا
ہوا چلی تو خوشبو میری بھی پھیلے گی
میں چھوڑ آئی ہوں درختوں پر اپنے ہاتھ کے رنگ
مسرت مصباح ---- لاڑکانہ
کب تک بنے گا ذہن میں لفظوں کے دائرے

میں مسئلہ نہیں ہوں تو سوچا نہ کر مجھے

آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

عشرت غم نے پھیر لیں آنکھیں
اب تیری یاد آ کے بہلائے

....

عطا میں یوں بھی گیا اپنی عمر سے آگے
کہ میرے ساتھ میری حسرتوں کا لشکر تھا

....

عشق گم گشتہ تو شاید ہی ملے تم کو صبا
جینا چاہو تو جیو دوسری صورت لے کر

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

عمر بھر ذہن میں چمکا نہ کوئی فکر کا چاند
چاندنی اب ترے شعلوں میں جلایا جاؤں

....

اب ڈوب گئی ہیں وہ صدائیں
لوگوں سے کہو کہ لوٹ جائیں

....

اگر گرا تھا کوئی پرندہ لہو میں تر
تصویر اپنی چھوڑ گیا ہے چٹان پر

نازیہ کمال ---- حیدرآباد

اور دنیا سے بھلائی کا صلہ کیا ملتا
آئینہ میں نے دیکھایا تھا کہ پتھر برسے

....

اب انہیں پرسش حالات گزراں گزرے گی
بدگمانی ہے تو ہر بات گراں گزرے گی

....

افق پہ دیکھتا تھا میں قطار قازوں کی
مرا رفیق کہیں دور جانے والا تھا

مریم رباب ---- خانیوال

ایک اجنبی کے ساتھ میں کہاں نکل آیا
یہ تو میری بستی کا راستہ نہیں لگتا

....

بہت یہی تیز تھی یارو غم حیات کی دھوپ
ملا جو زلف کا سایہ تو سو گئے ہم بھی

....

برا نہ مانئے لوگوں کی عیب جوئی کا
انہیں تو دن کا بھی سایہ دکھائی دیتا ہے

اُم خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور

بے وفا ہے ہو زمانے بھر کا
پھر بھی اچھا ہے زمانے بھر سے

....

فکر اک عمر میں احساس میں حل ہوتی ہے
بڑی مشکل سے طاقوں میں دیئے جلتے ہیں

....

فرصت شوق بن گئی دیوار
اب کہیں بھاگنے کا رستہ نہیں

ثناء حیدر ---- سرگودھا

فلک نے سر پہ کڑے وقت ہاتھ کب رکھا
جو خیر کی ہو توقع جہاں شر سے مجھے

....

فرصت ملے تو اپنی سماعت کر
میرے غموں کی لے بھی تیر قہقہوں میں ہے

....

گھٹی دلوں کی محبت تو شہر بڑھنے لگا
مٹے جو گھر تو ہویدا ہوئے مکاں کیا کیا

دُرثمن ---- میاں چنوں

گئے دنوں کا بھی مجھ سے یہی سلوک رہا
یہ رنگ دیدہ و دل میں نے کب نہیں دیکھے

....

گنبد کا کیا قصور اسے کیوں کہوں برا
آیا جدھر سے تیز ادھر ہی پلٹ گیا

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

یقین

ایک غائب دماغ پروفیسر سے ان کے دوست نے کہا۔

''میں نے تمہاری بیوی کو دیکھا تھا وہ فلاں بندے کے ساتھ گاڑی میں جارہی تھی۔''

پروفیسر صاحب کو بہت غصہ آیا، وہ ساری رات ڈنڈا لے کر دروازے کے پیچھے بیٹھے رہے، صبح انھیں یاد آیا کہ ابھی تو ان کی شادی بھی نہیں ہوئی۔

بیٹے نے پکارا۔

''ابا ادھر آجاؤ عزت سے۔''

''بیٹا! ایسے نہیں بلاتے، عزت سے بلاتے ہیں۔''

باپ نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا تو بیٹا فرمانبرداری سے بولا۔

''اچھا ابا! عزت سے ادھر آجا۔''

مریم شکیل ملک، دھوریہ

خلیل جبران کی نظر میں

میرے نفس نے مجھے نصیحت کی میں اس سے محبت کروں، جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں، میں اس چیز کو چھوؤں جس نے ابھی تک کوئی جسم اختیار نہیں کیا، میں ان آوازوں پر کان لگاؤں، جو کسی کی زبان سے ادا نہ ہوئے ہوں، میں نہ تعریف سے خوش ہوں، نہ ندامت سے دیگر، میں روشنی میں چل رہا ہوں لیکن خود روشنی نہیں ہوں۔

ناہید غفور، گنگاپور

جواب

''آپ کا بچہ حساب میں کمزور ہے میں نے کل اس سے پوچھا کہ تین انڈے حسن کو چار اکرام کو اور پانچ انڈے تمہیں دوں تو بتاؤ میں نے کل کتنے انڈے دیئے؟''

آپ کے بچے نے جواب دینے کی بجائے شرماتے ہوئے کہا۔

''نہیں سر آپ انڈے نہیں دے سکتے۔''

فرح حیدر، کھاریاں

عبرت

عبرت وہ پکڑتے ہیں جو شکر کرنا جانتے ہیں ذوق ان میں ہوتا ہے جو شرف اور پرہیز رکھتے ہوں، تمنا ان کی جوان ہوگی جو منافقت سے نا آشنا ہوں۔

اگر دل شکر کی طرف نہیں آتا، دماغ ہنر کی طرف نہیں جاتا اور زبان حق کی طرف مائل نہیں ہوتی تو انسان، انسان نہیں رہتا، بلکہ دشت وصحرا میں بدل جاتا ہے۔

مریم شکیل ملک، حاصل پور

حساس گھوڑا

کوچوان دین محمد نے اپنے تانگے کے لئے گھوڑا ادھار خریدا، چند دن بعد وہ اس کے پاس پہنچا جس سے گھوڑا خریدا تھا دین محمد نے بتایا۔

''ویسے تو گھوڑا ٹھیک ٹھاک ہے، دوڑتا بھی ہے، لیکن ہر وقت سر جھکائے رکھتا ہے، سر بالکل نہیں اٹھاتا، مجھے تو ڈر ہے اسے کوئی بیماری نہ ہو۔''

"یہ بیماری نہیں شرمندگی ہے۔" سابق مالک نے جواب دیا۔

"اسے احساس ہے کہ اسے ادھار خریدا گیا ہے، جس دن اس کی قیمت ادا کر دی گئی وہ سر اٹھا کر چلنے لگے گا، بڑا احساس گھوڑا ہے۔"

فرحین ملک، دھوریہ

مشورہ

ایک صاحب کو ڈاکٹر نے بتایا کہ خطرناک بیماری کے سبب ان کی زندگی صرف چھ ماہ کی رہ گئی ہے، مریض نے تقریباً روتے ہوئے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب! کیا کوئی ایسی ترکیب ہے کہ میری زندگی بڑھ جائے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"ہاں ایک ترکیب ہے، یوں کرو کہ اپنی ساری دولت اور جائیداد کو بانٹ دو پھر پانچویں منزل پر ایک فلیٹ خرید لو اور اس کے بعد ایک ایسی عورت سے شادی کر لو جس کے نو بچے ہوں۔"

"اچھا ڈاکٹر صاحب! کیا اس طرح میری زندگی کے دن بڑھ جائیں گے؟"

"نہیں! زندگی تو وہی چھ ماہ رہے گی لیکن یہ وقت پھر تمہیں اتنا طویل لگے گا کہ ہر روز دعا مانگو کہ تم پیدا ہی نہ ہوتے۔"

فرح راؤ، کینٹ لاہور

معصومیت

ایک مشہور سائنس دان ایک بار بس میں سفر کر رہے تھے، سفر کے دوران وہ کچھ کاغذات پڑھنا چاہتے تھے انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی عینک گھر بھول آئے ہیں، انہوں نے ساتھ بیٹھے ہوئے مسافر سے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

"پلیز یہ آپ مجھے یہ کاغذات پڑھ کر سنا سکتے ہیں۔"

"معاف کیجئے گا جناب! میں بھی آپ کی طرح جاہل ہوں۔"

واہ رے امریکہ

امریکہ کے ادارہ جاسوسی نے ایک شخص کو امریکہ کے خلاف سرگرمیوں کے الزام میں گرفتار کیا، جب پوچھ گچھ ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ شخص کسی پراسرار زبان میں باتیں کرتا ہے، اس لئے نیو یارک کی یونیورسٹی کے تمام ادبی شعبوں سے پروفیسروں کو بلایا گیا تاکہ وہ اس کی زبان سمجھنے کی کوشش کریں، جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ شخص کسی ملک کی زبان نہیں بولتا تو محکمہ جاسوسی کے افسر نے یہ انکشاف کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا کہ ہمارے پاس ایسے بہت سے لوگ آتے ہیں جن کو امریکی ادارہ سراغ رسانی محض اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے اغوا کرتا ہے، یہ شخص بھی انہی لوگوں میں سے ہے، اس کا دماغ خراب قومیت امریکی، زبان توتلی اور مادری زبان انگریزی ہے، لہٰذا اس کی زبان سمجھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نبیلہ نعمان، گلبرگ لاہور

تجربہ

نفسیات کی کلاس میں عملی تجربہ کیا جا رہا تھا، ایک چوہے کے لئے ایک طرف مکئی کے دانے رکھے گئے اور دوسری طرف ایک چوہیا بٹھا دی گئی، چوہے کو چھوڑا گیا تو وہ سیدھا مکئی کے دانوں کی طرف لپکا، پروفیسر نے مسکرا کر شاگردوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھا تم لوگوں نے ثابت ہوا کہ بھوک سب سے بڑی طاقت ہے۔"

یہ کہہ کر پروفیسر نے مکئی کے دانوں کی جگہ گندم کے دانے رکھ دیئے اور پھر وہی تجربہ دہرایا اس طرح تین چار مرتبہ اس نے مختلف اجناس ڈالی چوہا ہر بار کھانے کی اشیاء کی جانب لپکا،

پروفیسر نے بڑے فخر سے کہا۔

"دیکھا بھوک سب سے بڑی طاقت ہے۔"

اس وقت پچھلی قطار سے ایک لڑکے کی آواز آئی۔

"سر ایک بار چوہیا بھی بدل کر دیکھ لیجئے۔"

شاہینہ یوسف، عمر کوٹ

لعنت ہے

ایک صاحب اپنے دوست کے بے حد اصرار پر ایک اسٹیج ڈرامہ دیکھنے چلے گئے اسٹیج پر ایک سے ایک حسینہ آ کر ایکٹ کرتی رہی مگر ہر حسینہ کو دیکھنے کے بعد وہ صاحب یہی کہتے۔

"لعنت ہے۔" آخر دوست سے رہا نہ گیا اس نے کہا۔

"کمال ہے یار! تمہیں یہاں حسین سے حسین لڑکیاں دیکھنے کو مل رہی ہیں اور پھر بھی تم کہے جا رہے ہو، لعنت ہے۔" وہ صاحب بولے۔

"میں ان حسیناؤں کے بارے میں نہیں اپنی بیوی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

افشاں زینب، شیخوپورہ

وجہ

ایک دلکش چہرے کی خاتون بہت تیز رفتاری سے کار چلا رہی تھیں اور کئی مرتبہ انہیں جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا، ایک مرتبہ پھر ایسا ہوا تو انہوں نے ایک پولیس آفیسر سے کہا۔

"ایسا کیوں ہوتا ہے کہ مجھ سے جرمانہ وصول کیا جاتا ہے جب کہ اکثر لوگوں کو صاف وارننگ کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے، کیا اس کی وجہ میرا چہرہ ہے؟"

"نہیں میڈم۔" پولیس آفیسر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اس کی وجہ آپ کا پاؤں ہے۔"

علینہ طارق، لاہور

مشقت

مزدور لیڈر نے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے محنت و مشقت بہت پسند ہے میں گاؤں میں درختوں کے نیچے سائے میں بیٹھ کر کسانوں کو محنت و مشقت کرتے دیکھتا ہوں۔"

شمائل وہاب، کراچی

بے وقوفی

ایک کسان ہنسی والی بات پر تین مرتبہ ہنستا تھا کسی نے اس سے پوچھا۔

"بھائی! تم ہر مذاق پر تین مرتبہ ہنستے ہو، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟" اس نے کہا۔

"ایک مرتبہ میں لوگوں کے ساتھ ہنستا ہوں اور دوسری مرتبہ جب میری سمجھ میں آتا ہے، تیسری مرتبہ اپنی بے وقوفی پر ہنستا ہوں۔"

شازیہ نواب، علی پور

حیثیت

علیزے کے پاس نئی نئی دولت آئی تھی اس کی دوست ملنے آئی تو اس نے کہا۔

"پتا نہیں کیسے لوگ ہیں جو دولت پا کر اپنی حیثیت بھول جاتے ہیں اور اپنی تعریفیں ہی کرتے رہتے ہیں، مجھے دیکھو اللہ کا دیا سب کچھ ہے مگر آج تک میں نے اپنی تعریف نہیں کی، اچھا تم بیٹھو، میں ابھی تمہارے لئے جوس لاتی ہوں۔" سہیلی نے کہا۔

"نہیں رہنے دو تکلف کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"نہیں، نہیں، تکلف کی کیا بات ہے گول کمرے میں پڑی آبنوسی ٹیبل کے پاس پڑے ہوئے فریج اور سی ڈی پلیئر کے پیچھے جو شیلف ہے نا اس کے اوپر پڑے ڈیک کے ساتھ ہی جوسر پڑا ہے، بس ابھی بنا کر لاتی ہوں۔"

افشاں اشرف، عارف والا

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ مسعود

مریم شکیل: کی ڈائری سے ایک نظم
بہت دشوار ہوتا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا
کہ جیون کی کہانی کو
کہاں سے یاد رکھنا ہے
کسے کتنا بتانا ہے
کسی سے کتنا چھپانا ہے
کہاں رو رو کے ہنسنا ہے
کہاں ہنس ہنس کے رونا ہے
کہاں آواز دینی ہے
کہاں خاموش رہنا ہے
کہاں راستہ بدلنا ہے
کہاں سے لوٹ آنا ہے
بہت دشوار ہوتا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا

فرح حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم
کبھی ایک پل کو سوچو تم
ہم تسلیم کرتے ہیں
تمہیں فرصت نہیں ملتی
ہماری سوچ کے محور
کبھی ایک پل کو سوچو تم
تمہیں ہم یاد کرتے ہیں
اور اتنا یاد کرتے ہیں
کہ خود کو بھول جاتے ہیں!!!

ثمینہ مستجاب: کی ڈائری سے ایک غزل
حالت بوجھل میں تیرا نام پکارا میں نے
یوں ہر طرح سے خود کو سنوارا میں نے
یاد کی گرد سے اٹی تھی زمینِ دل
اس کا روپ آنسوؤں سے نکھارا میں نے
صبح سے چل رہے تھے خوشبو کے جھونکے
صبح ہی لیا تھا تیرا نام پیارا میں نے
نہ جانے دل میں کیوں رونق آتی ہی نہیں
ہر حسین منظر آنکھوں میں اتارا میں نے
زندگی ہو تو موت کہاں نظر آتی ہے
اب تو یہ بھی کر لیا ہے نظارہ میں نے

ناہید غفور: کی ڈائری سے ایک نظم
"رسائی"
جب کبھی میری یاد کی دستک
تمہیں اپنے دل پہ سنائی دے
نیند کسی روٹھے ہوئے بچے کی طرح دکھائی دے
تو اس سے
اپنے پلکوں سے بے نام خواب نوچ کر
اس پر ٹھہرے ہوئے ستارے کی روشنی
آنکھوں میں بھر لینا
اپنی آنکھوں سے میری آنکھوں کو صدا دینا
آس پاس ہی کہیں دکھائی دوں
شاید کہیں آنکھ میں تجھے رسائی دوں

فرزانہ کوثر: کی ڈائری سے ایک غزل
غم چھپانے میں ہوئے دونوں ہی ناکام تو پھر
ہو گیا تو بھی مرے ساتھ جو بدنام تو پھر
لے تو آؤں گا تیرا نام زبان پہ جاناں!
مچ گیا شہر کی گلیوں میں جو کہرام تو پھر
دوست! میں تجھ کو بھلانے کو بھلا دوں لیکن
ہو گیا اس میں کسی روز جو ناکام تو پھر

میں تو سہہ لوں گا زمانے کی ہر اک بات مگر
دے دیا تو نے بھی مجھ کو کوئی الزام تو پھر
تیرا دعویٰ ہے کسی روز تو بھلا دے گا مجھے
اپنی کوشش میں جو تو ہو گیا ناکام تو پھر

حنا ملک: کی ڈائری سے ایک غزل
یوں لگتا ہے جیسے ہم دریا کے رخ پر رہے ہیں
اس اندھی لہروں کے قاتل دھارے پہ بہتے ہیں
صدیوں کی تاریخ یہاں قرطاس ہوا پر لکھتی ہے
قرنوں کے افسانے ہم سے کوہ بیاباں کہتے ہیں
وقت سے پہلے بچوں نے چہرے میں ڈوبے دیکھے ہیں
جب سے اندھی ظلمت نے سورج پر شب خوں مارا ہے
سب فرزا اپنے اپنے چہرے ڈھونڈتے رہتے ہیں
فارغ کہ کیسے دور میں یہ تاریخ ہمیں لے آئی ہے
اپنے دکھ سب سہتے ہیں تاریخ کے دکھ بھی سہتے ہیں

فرخندہ تبسم: کی ڈائری سے ایک غزل
تتلی پھول اور پر بنا رہا ہوں
میں زندگی کا منظر بنا رہا ہوں
کوئی مرے وقت کو لوٹنے نہ آئے
میں لمحوں کو گوہر بنا رہا ہوں
آنکھوں میں پانی سمیٹ کر میں
کاغذ پہ سمندر بنا رہا ہوں
کھڑکی دروازہ نہ روشندان کوئی
کتنا خوبصورت گھر بنا رہا ہوں
میری دھڑکن سے کہو ذرا انتظار کرو
میں حالات قدرے بہتر بنا رہا ہوں
ایک سمندر تو میرے لفظوں میں ہے
ایک دریا اپنے اندر بنا رہا ہوں

فرح راؤ: کی ڈائری سے ایک نظم
"پکارے اپنا پاکستان"
لوگو!
دیس للکارے آج
گھر آنگن کو سجانا ہوگا
ماتھے سورج آنکھوں تارے
پوروں دیپ جلانا ہوگا
اجیالوں کو آنا ہوگا
اپنی دھوپ اور اپنی چھاؤں
اپنے کھیت اور اپنے گاؤں
اپنے بل پر آپ اٹھو تو
بنجر بھی کھلیان
پکارے اپنا پاکستان
نہ یہ مانگے راکھ انگارے
نا آکاش کے تارے
نا یہ بپھری موجیں چاہے
نا ویران کنارے
نا یہ مانگے خون کی برکھا
نا جیون اندھیارے
امن کا ٹھنڈا سایہ مانگے
جینے کے ارمان
پکارے اپنا پاکستان
پیلے مکھڑوں لالی چاہے
سوکھے ہونٹوں گیت
من نگری میں پریت
پیار کا رشتہ ان مٹ ہووے
اس ڈوری کو تھامو
جھولی جھولی آس کی چھپا
اس خوشبو کو جانو
دکھ کا بندھن سکھ ناتا
انسان کی پہچان
پکارے اپنا پاکستان

شاہینہ یوسف: کی ڈائری سے ایک غزل
پھر ساون رت کی پون چلی تم یاد آئے
پھر پتوں کی پازیب بجی تم یاد آئے
پھر کونجیں بولیں گھاس کے ہرے سمندر میں
رت آئی پیلے پھولوں کی تم یاد آئے

پھر گاگا بولا گھر کے سونے آنگن میں
پھر امرت رس کی بوند پڑی تم یاد آئے
دن بھر تو میں دنیا کے دھندوں میں کھویا رہا
جب دیواروں سے دھوپ ڈھلی تم یاد آئے
افشاں زینب: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
ہم بنجارے دل والے ہیں
اور پینٹھ میں ڈیرے ڈالے ہیں
تم دھوکا دینے والی ہو
ہم دھوکا کھانے والے ہیں
اس میں تو نہیں شرماؤ گی
کیا دھوکہ دینے آؤ گی
سب مال نکالو، لے آؤ
اے بستی والو، لے آؤ
یہ تن کا جھوٹا جادو بھی
یہ تال بناتے آنسو بھی
یہ جال بچھاتے گیسو بھی
یہ لرزش ڈولتے سینے کی
پر سچ نہیں بولتے سینے کی
یہ ہونٹ بھی ہم سے کیا چوری
کیا سچ مچ جھوٹے ہیں گوری
ان رمزوں میں، ان گھاتوں میں
ان دعووں میں، ان باتوں میں
کچھ میل حقیقت کا تو نہیں
کچھ کھوٹ صداق کا تو نہیں
یہ سارے دھوکے لے آؤ
کیوں رکھو خود سے دور ہمیں
جو دام کہو، منظور ہمیں
ان کانچ کے منکوں کے بدلے
ہاں بولو گوری کیا لو گی
تم ایک جہاں کی اشرفیاں
یا دل اور جان کی اشرفیاں
شمائل وہاب: کی ڈائری سے ایک غزل

آؤ کہ آج غور کریں اس سوال پر
دیکھے تھے ہم نے جو وہ حسین خواب کیا ہوئے
دولت بڑھی تو ملک میں افلاس کیوں بڑھا
خوشحالی عوام کے اسباب کیا ہوئے
جمہوریت نواز بشر دوست امن خواہ
خود کو جو خود دیے تھے القاب لا علاج ہے
مذہب کا روگ آج بھی کیوں لا علاج ہے
وہ نسخہ ہائے نادر و نایاب کیا ہوئے
ہر کوچہ شعلہ زار ہے ہر شہر قتل گاہ
یکجہتی حیات کے آداب کیا ہوئے
صحرائے تیرگی میں بھٹکتی ہے زندگی
ابھرے تھے جو افق پہ وہ مہتاب کیا ہوئے
شازیہ نواب: کی ڈائری سے ایک غزل
آنکھوں کے اضطراب نے جینے نہیں دیا
اک حسن لا جواب نے جینے نہیں دیا
ہر آن میری آنکھ میں منظر وہی رہا
مجھ کو کسی کے خواب نے جینے نہیں دیا
اپنوں نے اپنے شہر سے جب دربدر کیا
ہجرت کے پھر عذاب نے جینے نہیں دیا
کانٹوں سے کٹ گئیں مری انگلیاں سبھی
پھولوں کے انتخاب نے جینے نہیں دیا
آکاش سے حکیم زمیں پر جب آ گیا
شہرت کے آفتاب نے جینے نہیں دیا
تحسین اختر: کی ڈائری سے ایک نظم
"محبت مر رہی ہے"
وہی میرے دل کی تیرے خیالوں سے
شاداب دھرتی ہے
وہی تیرے تصور کو سوچتی میری آنکھ
دعائیں کرتی ہے
وہی شب ہے، وہی سب ہے
وہی دن ہیں، وہیں تخن ہے
☆☆☆

عین غین

سباس گل ---- رحیم یار خان
س: وہ سفید کپڑوں میں زیادہ کیوں چمکتے ہیں؟
ج: وہ نہیں کپڑے چمکتے ہوں کے ایکسل کی وجہ سے۔

ماہا شہعیل ---- ٹامیوالی
س: ع غ بھیا آداب عرض ہے؟
ج: وعلیکم السلام!
س: عینی بھیا نئے لوگ مل جانے کے باعث پرانے لوگ بھول گئے ہیں کیا؟
ج: کون سے پرانے لوگ۔

ناہید رؤف ---- پھلروان
س: عینی بھیا تم لڑتے بہت ہو اسی لئے ہم تمہاری محفل میں شرکت نہیں کرتے؟
ج: میں تم سے کب لڑا ہوں جو یہ الزام لگا۔
س: عینی بھیا بہت ہو چکا اب تم واقعی اپنا نام تبدیل کر لو؟
ج: کیا بہت ہو چکا، جو میرے نام سے الرجک ہو۔

حنا ناز ---- پنڈ دادنخان
س: خوشیاں ملیں تو جلد بھول جاتے ہیں، درد دیر تک زندگی کا حصہ رہتے ہیں کیوں؟
ج: ان کی کسک تڑپاتی جو ہے۔
س:
کچھ خواب سچے سے لگتے ہیں
موسم بھی اچھے سے لگتے ہیں
پھول تو تھے ہی پسند تجھے
کانٹے بھی اپنے سے لگتے ہیں
ج:
ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نظر میں وہ موسم ہو خزاں کا

ڈاکٹر واجد نگینوی ---- کراچی
س: انسان کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟
ج: انسان ہونا۔

فریدہ خانم ---- لاہور
س: دل میں اتر جانے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟
ج: اچھے ہوتے ہیں۔
س: آئیں بائیں شائیں کب کیا جاتا ہے؟
ج: جب کوئی دل میں اتر جائے اور لوگ پوچھتے رہیں کہ وہ کیسا ہے؟
س: ہار کر بھی جیت کب محسوس ہوتی ہے؟
ج: جب مخالف بھی اپنا ہو۔
س:
دال میں جب کالے کی بجائے لال نظر آنا شروع ہو جائے تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟
ج: آنکھیں خراب ہیں۔
س: حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ کب دلوائی جاتی ہے؟
ج: جب حلوائی سے دوستی ہو۔

ثمن حنا ---- کوٹ عبدالمالک
س: اگر رات کو دیر تک نیند نہ آئے تو......؟
ج: ڈاکٹر سے رجوع کریں۔
س: تم کو اتنے دن کے بعد دیکھ کر مجھے کیا ہوا؟
ج: خوشی اور کیا؟

س: کیا دل کی بات پڑھنے سے آنکھوں پر اثر پڑتا ہے؟ تم مجھ کو جھوٹے لگتے ہو؟
ج: میں تو لگتا ہوں، تم تو ہو۔

سونیا عمر ---- فیصل آباد

س: اگر کوئی لڑکی کسی لڑکے کے ہاتھ پکڑ کر کہے بھلا کیا؟
ج: بھائی جان۔
س: سنا ہے نفرت محبت کی انتہا ہوتی ہے؟
ج: سنی سنائی باتوں پر اعتبار نہ کریں۔
س: دنیا کی سب سے خوبصورت شے کیا ہے؟
ج: جو آنکھوں اور دل کو بھا جائے۔
س: ایک اور ایک کتنے ہوتے ہیں؟
ج: تم کتنے چاہتی ہو۔

نبیلہ شیخ ---- حیدر آباد

س: دنیا میں عاشقوں کی تعداد کتنی ہے؟
ج: جتنے آسمان پر ستارے ہیں۔
س: اگر کاغذ کے پھولوں سے خوشبو آنے لگے؟
ج: تو اصلی پھول کھلنا بھول جائیں گے۔
س: کیا حسن اور فن عارضی ہوتے ہیں؟
ج: فن تو عارضی نہیں ہوتا حسن کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔

رفعت آراء ---- ساہیوال

س: محبت کا کون سا روپ خوبصورت ہوتا ہے؟
ج: محبت کا ہر روپ خوبصورت ہوتا ہے۔
س: کیا کبھی عشق بھی کیا ہے؟
ج: ایسی باتیں بتانے کے لئے نہیں ہوتیں۔
س:
موت کا ایک دن متعین ہے
نیند رات بھر کیوں نہیں آتی
ج: موت کا وقت تو مقرر ہے لیکن نیند نہ آنے کی کوئی اور وجہ ہوگی۔
س: کبھی نمکین حلوہ کھایا ہے؟
ج: اتنی کنجوسی اچھی نہیں ہوتی کہ حلوہ نمکین بنانے لگی ہو۔

زبیر چٹھہ ---- پاکپتن

س: عورت اگر کھلونا ہے تو مرد؟
ج: کھلونے کی چابی۔
س: دل کی آرزوئیں کہاں دم توڑتی ہیں؟
ج: جب شادی کی عمر گزر جائے۔
س: اگر میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہیں تو بچے؟
ج: وہیل کپ۔
س: آج کل انسانیت کہاں گئی؟
ج: انسانوں کے ساتھ۔

مہتاب بانو ---- نواب شاہ

س: آپ کی آخری خواہش؟
ج: ابھی تو پہلی پوری نہیں ہوئی۔
س: عورت زندگی میں سب سے زیادہ کس چیز کی تمنا کرتی ہے؟
ج: مالدار شوہر کی۔
س: عورت اگر غلطی کرے تو فوراً اعتراف کر لیتی ہے لیکن مرد حضرات......؟
ج: مرد تو غلطی نہ بھی کرے پھر بھی اعتراف کر لیتا ہے۔
س: لڑکیوں نے بال کٹوا دیئے اور لڑکوں نے بڑھا لئے؟
ج: آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

رضوانہ عمران ---- لیہ

س: مرد خواہ کتنا ہی بدصورت کیوں نہ ہو لڑکی خوبصورت چاہتا ہے؟
ج: آج کل لڑکیاں خوبصورتی نہیں مال دیکھتی ہیں۔
س: لڑکیوں نے دوپٹہ اوڑھنا کیوں چھوڑ دیا؟
ج: مردوں کی عقل پر جو پڑ گیا۔

☆☆☆

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

کریملائز ایپل کیک

اشیاء

سیب (بڑے سائز کے)	سات عدد
پانی	دو کپ
چینی	آدھا کپ
مکھن	پچاس گرام
سادہ اسفنج کیک	ایک پاؤ
فریش کریم	آدھا کپ
چینی	ایک کھانے کا چمچہ
دودھ	دو کھانے کے چمچے
پستے بادام (کٹے ہوئے)	چار کھانے کے چمچے

ترکیب

سیب چھیل کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں، اب ان کو پین میں ڈال کر اس میں دو کپ پانی ڈالیں اور ہلکی آنچ پر پکنے دیں، پانی خشک ہو جائے اور سیب بالکل گل جائیں تو اتار کر چمچہ سے دبا دبا کر یکجان کر لیں، اب دوسرے پین میں چینی ڈال کر چولہے پر رکھیں، جب گولڈن سا سیرپ بن جائے تو اس میں مکھن ڈال دیں، ساتھ ہی سیب ہی ڈال کر مکس کر لیں، دودھ ڈال کر مکس کر لیں اور چولہے سے اتار دیں، کیک کو درمیان سے کاٹ لیں، ایک حصے پر سیب والا آدھا مکسچر پھیلائیں اوپر دوسرا حصہ (کیک کا) رکھیں، اوپر بھی سیب کا بقیہ مکسچر پھیلا کر پستے، بادام چھڑک دیں، کناروں پر کریم سے پھول بنا کر کیک کو سرو کریں۔

بلیک فاریسٹ کیک

اشیاء

انڈے	چار عدد
میدہ	پانچ کھانے کے چمچے
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کیسٹر شوگر	چالیس گرام
کوکو پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
ونیلا ایسنس	چند قطرے

ترکیب

انڈے اور کیسٹر شوگر کو اچھی طرح پھینٹ لیں، یہاں تک کہ اس میں جھاگ بن جائیں اور وہ یکجا ہو جائیں، ونیلا ایسنس شامل کریں اور مستقل پھینٹتی رہیں، میدہ، کوکو پاؤڈر اور بیکنگ پاؤڈر کو تین مرتبہ چھان لیں۔

اس کو احتیاط سے انڈے اور شوگر کے آمیزے میں ڈالتی جائیں اور مستقل پھینٹیں، آٹھ انچ کے چوکور پین میں یہ آمیزہ ڈالیں، پہلے سے گرم اوون میں 250.c پر رکھ کر بیس منٹ کے لئے بیک کریں۔

آئسنگ کے لئے۔

اشیاء

کیسٹر شوگر	چھ کھانے کے چمچے

ترکیب

کریم میں دو کھانے کے چمچے کیسٹر شوگر ملائیں اور اچھی طرح پھینٹیں، اسی طرح باقی شکر ملا کر اتنا پھینٹیں کہ کریم بالکل گاڑھی ہو جائے اور شکر حل ہو جائے۔

[illegible] کے لئے۔

آئسنگ شوگر	چار کھانے کے چمچے
کوکو پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
مکھن	دو چائے کے چمچے
پانی	دو کھانے کے چمچے

ان سب کو ایک ساتھ ملا کر دھیمی آنچ پر گاڑھا ہونے تک پکائیں۔

فیلنگ کے لئے۔

انناس، آڑو، چیری، حسب ضرورت (کیوبز کاٹ لیں)۔

ترکیب

پہلے سے تیار شدہ کیک کو درمیان سے کاٹیں، نچلے حصے پر انناس کے ٹکڑے اور رس پھیلا دیں، اب اس پر کریم اور چاکلیٹ سوس ڈالیں، کیک کا اوپری حصہ رکھ دیں، اب اس پر باقی رس ڈالیں، اوپری حصے کو کناروں پر اچھی طرح کریم لگائیں، اب اس پر چاکلیٹ سوس ڈالیں اور کانٹے کی مدد سے ڈیزائن بنا لیں، مزے دار بلیک فارسٹ کیک تیار ہے۔

کریمی شیر خرما

اشیاء

دودھ	آدھا کلو
کریم	آدھا کپ
چاول کا آٹا	ایک کھانے کا چمچہ
کیوڑہ	ایک کھانے کا چمچہ
پستے، بادام ناریل، چھوہارے	حسب ضرورت
چینی	ایک کپ
باریک سویاں	آدھا کپ
گھی	ایک کھانے کا چمچہ
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب

دودھ کو ابال لیں، آدھا کپ ٹھنڈے دودھ میں چاول کا آٹا مکس کر کے گرم دودھ میں شامل کر دیں اور چینی بھی ڈال دیں، فرائنگ پین میں گھی گرم کریں، اس میں سویاں اور بادام، پستے، ناریل، چھوہارے ہلکی آنچ پر فرائی کریں اور پکتے دودھ میں شامل کر کے ہلکی آنچ پر دس منٹ پکائیں، الائچی پاؤڈر، کیوڑہ اور کریم مکس کر دیں اور گرم گرم سرو کریں۔

وال نٹ مفنز

اشیاء

میدہ	دو سو گرام
چینی	ایک سو اسی گرام
مکھن	آدھا گرام
اخروٹ (توڑ لیں)	آدھا کپ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چوتھائی کا چمچہ
کنڈینسڈ ملک	سو ملی لیٹر

ترکیب

اوون کو پہلے سے گرم کر لیں، ایک پیالے میں میدہ اور بیکنگ پاؤڈر کو چھان لیں، چینی کو باریک پیس لیں، چینی میں مکھن اور کنڈینسڈ ملک شامل کر کے اس کو اتنا پھینٹیں کہ یہ ایک نرم اور پھولا ہوا آمیزہ بن جائے، اس کو اخروٹ اور میدے میں شامل کر کے اس طرح مکس کریں کہ گٹھلیاں نہ بنیں، مفن ٹرے کو گریس کر کے یہ آمیزہ ٹرے میں بنے ہوئے کیس میں ڈالیں، پہلے سے گرم کیے ہوئے اوون میں 160.c پر اٹھارہ سے بیس منٹ تک بیک کریں، شاشلک اسٹک مفن کے اندر ڈال کر چیک کریں کہ مفن مکمل تیار ہوا یا نہیں ہے، تیار ہونے کے بعد اوون کو بند کر کے مفنز کو اوون کے اندر ہی ٹھنڈا ہونے دیں، ٹھنڈا ہونے پر اوون میں سے نکال کر مفنز کو ٹرے میں بھی نکال لیں، شام کی چائے کے ساتھ سرو کریں۔

بنگالی مٹھائی

اشیاء

پنیر	ایک پاؤ
کھویا	ایک پاؤ
ناریل پاؤڈر	آدھا کپ
کنڈینسڈ ملک	ایک پاؤ
ونیلا ایسنس	ایک پاؤ
پستہ	ایک پاؤ
بادام	ایک پاؤ
چاندی کے ورق	چند عدد

ترکیب

ایک برتن میں پنیر اور کھوئے کو اچھی طرح ہاتھ سے مکس کریں، اس میں ایک کپ ناریل پاؤڈر ڈالیں اور دوبارہ سے مکس کریں اور پیڑے جس شیپ کے بنانا چاہیں بنا لیں۔

کنڈینسڈ ملک میں ونیلا ایسنس مکس کریں اور اس کو خوب ٹھنڈا کر لیں، ایک سرونگ ڈش میں پیڑے رکھیں، اوپر سے ٹھنڈا دودھ ڈالیں، بادام اور پستے باریک چوپ کر کے ڈالیں، چاندی کے ورق سے گارنش کریں۔

سورلی کری

اشیاء

کھویا	ایک پاؤ
بیسن	دو کھانے کے چمچے
سوجی	دو کھانے کے چمچے
بادام، پستے	حسب پسند
پسی چینی	حسب پسند
چھوٹی الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
عرق گلاب	دو کھانے کے چمچے
گھی	چار کھانے کے چمچے
میدہ	ایک کپ

(میدے میں گھی ڈال کر گوندھ لیں)

آئسنگ کے لئے۔

آئسنگ شوگر	ایک کپ
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
مکھن	آدھا کپ

ترکیب

کھویا اور سوجی الگ الگ بھون لیں، پتلی میں ایک کھانے کا چمچہ گھی گرم کر کے اس میں بیسن ڈال کر بھون لیں۔

کھوئے میں سوجی، بیسن اور بادام، چینی، چھوٹی الائچی پاؤڈر، عرق گلاب ملا کر بالز بنا لیں اور الگ رکھ دیں۔

میدہ کی چھوٹی پوری بنا لیں اور اس میں بال رکھ کر بال کو پیک کر دیں اور ڈیپ فرائی کر لیں، مکھن گرم کر کے اس میں الائچی پاؤڈر ڈال کر آئسنگ شوگر مکس کر لیں، فرائی کی ہوئی بالز اچھی طرح ٹھنڈی ہو جائیں تو اس پر اوپر سے آئسنگ ڈال دیں، بادام اور پستے اوپر لگا کر سرو کریں۔

سویوں کا رینبو کیک

اشیاء

باریک سویاں	آدھا پیکٹ
کھویا	تین سو گرام
الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
گھی	تین چائے کا چمچے
چینی کا گاڑھا	آدھا کپ
پستے، بادام (سلائس کر لیں)	گارنشنگ کے لئے
کلر، لال، پیلا، ہرا	حسب ضرورت

ترکیب

ایک پین میں گھی گرم کر کے سویوں کو بھون کر اس میں الائچی پاؤڈر مکس کر لیں اور سویوں کو تین حصوں میں تقسیم کر لیں۔

ایک پش آؤٹ کیک ٹن اسے ایک طرف رکھیں، پین میں ایک حصہ سویوں کا ڈالیں، اس

میں آدھا شیرہ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، ساتھ آدھا کپ دودھ میں پیلا رنگ مکس کر کے ڈالیں اور متواتر چمچہ چلاتی رہیں، سویوں کا مکسچر گاڑھا ہو جائے تو کیک ٹن میں ڈال کر پریس کر دیں، اس پر کھوئے کی تہہ ڈال کر پریس کریں، اسی طرح ہرا حصہ تیار کر کے کھوئے پر ڈالیں اور دبا کر پریس کر دیں، اس پر بھی کھویا ڈالیں، پریس کر دیں لال حصہ اس طرح تیار کریں اور کھوئے پر ڈال کر پریس کر دیں، اس پر بادام پستے ڈال کر گارنش کر دیں، ٹھنڈا ہونے پر پین سے نکال کر پلیٹ میں رکھیں اور سرو کریں۔

فروٹ کسٹرڈ ڈیلائیٹ

اشیاء

ونیلا کسٹرڈ	دو کھانے کے چمچے
دودھ	آدھا لیٹر
چینی	آدھا کپ
لال جیلی	ایک پیکٹ
میٹھے بسکٹ	حسب ضرورت
مکس فروٹ	ایک کپ
پائن ایپل	ایک کپ
کریم	حسب پسند
بادام سلائس کرلیں	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

دودھ کو گرم کریں، چینی ڈالیں، کسٹرڈ تھوڑے ٹھنڈے دودھ میں مکس کر کے ڈالیں، چمچہ چلاتی رہیں، کسٹرڈ گاڑھا ہو جائے تو چولہا بند کر دیں، کسٹرڈ ٹھنڈا ہو جائے تو آدھا کپ کریم اور مکس فروٹ مکس کر دیں اور تھوڑے بسکٹ بھی کچل کر مکس کر دیں، ڈش میں کسٹرڈ ڈالیں، اس پر بسکٹ کا چورا چھڑک دیں، کریم جیلی پائن ایپل اور بادام سلائس سے گارنش کر دیں اور ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔

سویوں کا قلفہ

اشیاء

دودھ	دو کلو
سویاں	150 گرام
(تھوڑا سا پانی ڈال کر بوائل کر کے پیس کرلیں)	
الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کھوئے کی برفی	آدھا کلو
چاول کا آٹا	آدھا کپ
پستہ، بادام	آدھا کپ
(ہم وزن لے کر پاؤڈر بنالیں)	
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
(تھوڑے سے پانی میں گھول لیں)	
قلفہ کے سانچے	حسب ضرورت
شکر دانے	حسب ضرورت

ترکیب

ایک پتیلی میں دودھ گرم کریں اور اتنا پکائیں کہ وہ آدھا رہ جائے، اس میں الائچی پاؤڈر، کارن فلور اور چاول کا آٹا اور سویوں کا پیسٹ ڈال کر اتنا پکائیں کہ وہ گاڑھا ہو جائے، آخر میں بادام، پستہ پاؤڈر ڈال کر اتار لیں، اب اس میں کھوئے کی برفی چورا کر کے ڈال دیں اور بیٹر سے اچھی طرح مکس کر لیں اور تین گھنٹے کے لئے کسی باؤل میں ڈال کر فریز کر دیں، تین گھنٹے بعد نکال کر دوبارہ بیٹر سے فلافی ہو جانے تک چلائیں اور فریز کر دیں، اسی طرح دو دفعہ کریں، دوسری دفعہ میں بیٹر سے بیٹ کرنے کے بعد قلفہ سانچے میں بھر کر ڈھکن لگا کر فریز کر دیں، نہایت نرم اور مزے دار سویوں کا قلفہ تیار ہے، ہر قلفہ سانچے میں چھ مہینے سے زیادہ مدت تک استعمال کرسکتی ہیں۔

☆☆☆

حنا کے نام

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اس دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہمارے پیارے وطن کو اپنی حفظ وامان میں رکھے آمین۔

دور حاضر میں جہاں زندگی میں حیران کن حد تک آسانیاں پیدا کی ہے، وہاں عام آدمی کے لئے زندگی کو اتنا ہی دشوار بنا دیا ہے، ہر لمحہ کچھ ہونے کا امکان اور خدشات میں سانس لیتے، ایک نا معلوم خوف کے سائے تلے زندگی گزارتے لوگ اعصابی تناؤ کا شکار ہوتے جا رہے ہیں، جس سے معاشرے میں مجموعی طور پر ایک بے حسی اور مایوسی کی فضا جنم لے رہی ہے، مایوسی کی اس کیفیت سے نکلنے کے لئے حالات کے ساتھ ساتھ سوچ کو بدلنے کی بھی ضرورت ہے، زندگی کے مسائل اور دشواریاں اپنی جگہ مگر زاویہ نظر کی تبدیلی سے بہتری ضرور آسکتی ہے۔

ہم کوشش کرتے ہیں کہ حنا میں ایسی تحریریں شامل کی جائیں، جو زندگی کے روشن پہلو کو سامنے لائیں، خوش امیدی کا پیغام دیں۔

مایوسی کے اندھیرے میں گھرے لوگوں کے لئے امید کی ایک چھوٹی سی بھی زندگی کا پیغام لا سکتی ہے۔

آپ کے محبت بھرے ناموں کی محفل میں چلتے ہیں، درود شریف، استغفار پہلے اور تیسرے کلمے کا ورد کرتے ہوئے، اس عہد کے ساتھ اس ورد کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنانا ہے، اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اس کو ورد زبان رکھنا ہے تاکہ دنیا و آخرت کی کامیابی ہماری مقدر بن جائے آمین۔

اپنا بہت سا خیال رکھئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں جو آپ کا خیال رکھتے ہیں، لیجئے اب آگے بڑھتے ہیں اور جناب یہ ہم آگئے آپ کے خطوط کی محفل میں، اف چاروں طرف پڑے بے شمار نامے اور صفحات کی تعداد محدود، ایسے میں کریں بھی ہم تو کیا کریں، اچھا چلئے دیکھتے ہیں تو لیجئے یہ پہلا محبت نامہ ہے حنا کے نام، سارا رانی کا چکوال سے، وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

اگست کا شمارہ جلد ملا، ارے یہ سرورق پر اتنی پیاری سی دلہن کس کی ہے اور اس نام کیا ہے پلیز نام ضرور بتا دیا کریں دلہن کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد آگے بڑھے اسلامیات کے روح پرور سلسلے سے دل و دماغ کو تر و تازہ کیا اور انشاء جی کی غزل سنی، ارے یہ کیا فوزیہ آپی اتنی ساری مصنفین اکٹھا کیے کہہ رہی ہیں انہیں سنبھال رکھتے ہیں، واقعی آپی ان لمحوں کی یادیں سنبھال کر رکھنے والی ہوتی ہے جبکہ لکھاری بہنوں کی کہکشاں یوں جلوہ گر ہو۔

بہت خوب سوال بھی مزے کا اور جوابات دینے والوں کو بھی اللہ سلامت رکھے جتنی محبت سے پوچھا گیا اتنے ہی چاؤ سے جوابات ملے۔

سب نے بہت اچھے جواب لکھے، روبینہ سعید کے بیسن کے حلوے کی ترکیب پڑھتے ہی

منہ میں پانی آ گیا، مگر روبینہ آپ ایک بات بتائیں اتنی سخت گرمی سحری کے ٹائم اتنا ہیوی قسم کا حلوہ، داد ہے بھئی کھانے والوں کی ہمت کو، سباس گل نے ہمیشہ کی طرح عید پر ایک دو نہیں بے شمار آئٹم گنوائے خوب، عابی ناز سروے کا احوال اپنی مخصوص طرز تحریر میں لکھا، ان کی والدہ اور بھائی کے بارے میں پڑھ کر دلی افسوس ہوا، مصباح آپ کا روسٹ بھی مزے کا لگا، ثمینہ بٹ کے سروے میں کچھ خود پسندی کی جھلک نظر آئی نہ جانے کیوں سروے کے بعد سلسلے وار ناولوں میں سے سب سے پہلے سدرۃ المنتہیٰ کو پڑھا، تحریر میں ہر بار ہی سپنس نظر آتا ہے، بتائیں کب کہانی کھل کر سامنے آئے گی، دوسرا ناول اُم مریم کا ''تم آخری جزیرہ ہو'' اس بار کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکی اور مریم یہ آپ نے زینب کو جہاں کی زندگی میں کیوں داخل کیا، اللہ اللہ کر کے تو ژالے کو خوشیاں ملنے لگی تھی خیر دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔

مکمل ناول میں صبا جاوید نے مایوس کیا کہانی میں کافی جھول تھا، ناولٹ کی اس بار بہار آئی ہوئی تھی، سندس جبیں نے کہانی کو ایکدم سے نیا موڑ دیا، سمیرا عثمان گل نے بھی اچھا لکھا، تحسین اختر کی تحریر بھی دلچسپ تھی جبکہ روبینہ سعید ٹاپ لسٹ رہی، روبینہ آپ نے اجتماعی دعا کا جو خاکہ کھینچا وہ حرف بہ حرف درست تھا، شب برات، شب معراج یا رمضان المبارک کی ستائیسویں رات ہر مرتبہ میڈیا پر یہی کچھ ہوتا ہے، انسان نہ چاہتے ہوئے بھی متوجہ ہو ہی جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں شعور عطا کریں اور ہم جان لیں کے مسلمانوں کو کتنے منظم طریقہ سے اللہ کی عبادت سے دور کیا جا رہا ہے، اللہ پاک ہم مسلمانوں پر رحم فرمائے آمین۔

افسانوں میں لغزش سیما بنت عاصم کی تحریر سب سے بہترین تھی جبکہ عزہ خالد، ہما راؤ، حمیرا خان کی تحریریں بس سو سو تھیں۔

فوزیہ شگفتہ صاحبہ کی بہن اور ان کے بیٹے مستقل سلسلوں میں سبھی دوستوں نے اچھا لکھا۔

سارا رانی کیسی ہو ڈیئر، کہاں غائب تھی کافی عرصے بعد تمہاری تشریف آوری ہوئی، اگست کا شمارہ آپ کو پسند آیا یہ جان کر ہم کو خوشی ہوئی آئندہ بھی ہم آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

اجالا نور: ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں۔

پچھلے ماہ شرکت نہیں کر پائی اس دفعہ حنا جلدی مل گیا، ٹائٹل دلہن سے سجا اچھا لگا۔

حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح بے مثال تھیں، انشاء نامہ میں اس دفعہ غزل تھی، باقی تمام مستقل سلسلے لاجواب ہیں، خاص طور پر شگفتہ شاہ نے جو سلسلہ ''چٹکیاں'' کے عنوان سے شروع کیا ہے وہ بہترین ہے، معاشرتی مسائل، رویے کو سادہ مگر لطیف انداز سے اجاگر کرتی ہیں۔

چٹکیاں نے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا، جن میں سزا، تضاد اور وارث قابل ذکر ہیں۔

''کچھ باتیں ہماریاں'' میں انکل نے مظلوم فلسطینیوں کے لئے اپنے خیالات و افکار کا اظہار کیا، میرے بھی کچھ اسی قسم کے جذبات ہیں، اہل مغرب صرف نام کے ہی مہذب ہیں، افسوس کہ ہمارا پیارا وطن اندرونی و بیرونی سازشوں کا شکار ہے۔

شگفتہ شاہ کے غم میں ہم بھی برابر کے شریک ہیں، اللہ ان کی بہن بھانجا اور بھانجی کی مغفرت فرمائے آمین۔

فوزیہ غزل! آپ کو میری اور امی کی طرف

سے بیٹے کی بہت بہت مبارک باد، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ آپ کے بیٹے کو ایک اچھا انسان بنائے۔

کہانیوں میں ''گواہ رفاقتوں'' صبا جاوید اور ''پت جھڑ سنگ بہار'' سمیرا گل، ملتا جلتا موضع تھا صبا کی کہانی میں لڑکا پرنس تھا تو سمیرا کی اسٹوری میں لڑکی پرنسز تھی۔

''عید سے پہلے'' روبینہ سعید کی کہانی کافی پسند آئی، سلسلے وار ناول ٹھیک جا رہے ہیں، خصوصاً سندس کا ''کاسہ دل'' بہت بہت اچھا ہے۔

افسانوں میں ''لغزش'' سیما بنت عاصم کا افسانہ کمال تھا، اس میں سوچنے اور سبق حاصل کرنے کے لئے بہت کچھ تھا، ویلڈن سیما جی۔

''سرپرائز'' قرۃ العین رائے کا اچھا لگا، باقی عزہ خالد، حمیرا خان اور ہما راؤ کے افسانے بھی عید کے حوالے سے اچھے لگے تھے، تحسین اختر کا ناولٹ ''تیرے بنا'' اچھا تھا مجھے شروع میں ہی لگا کہ شاید رائٹر نے ارسل اور شاہ بانو کو طلاق کے بعد ملانے کا پہلے سے یہ سوچ رکھا ہے، بہر حال ناولٹ اچھا تھا اور اب بات ہو جائے ''عید سروے'' کی جس کی میں شدت سے منتظر تھی، مجھے رائٹر کے بارے میں جاننا اور پڑھنا اچھا لگتا ہے تمام بہنوں کے جوابات اچھے تھے، مصباح نوشین کا چکن روسٹ کزن سے بنوایا اچھا تو تھا مگر مجھے لگا کہ اگر اسے مصباح بناتی تو اور بھی اچھا بنتا، اور ہاں فوزیہ باجی کس قیامت کے یہ نامے میں آپ جس طرح خطوں کے جواب دیتی ہیں وہ ہمیں بہت اچھا لگتا ہے۔

اس دفعہ عابی ناز کا بھرپور خط لاجواب تھا، جبکہ باقی خطوط میں رابعہ اسلم، ثمینہ بٹ، نورین شاہد اور آمنہ غلام نبی نے بھی اچھا تبصرہ کیا۔

اور اب آخر میں بات کروں گی اپنے افسانے ''قسمت'' کی، فوزیہ باجی پلیز اس کے بارے میں حتمی رائے دیں آیا کہ قابل اشاعت ہے بھی کہ نہیں۔

فوزیہ باجی! امی آپ کو سلام کہہ رہی ہیں۔

اجالا نور! اگست کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تحریر ابھی پڑھی نہیں، پڑھ کر ہی پتا چلے گا کہ قابل اشاعت ہے یا نہیں، اپنی امی کو ہماری طرف سے سلام کہیے گا، اپنا بہت سا خیال رکھیے گا ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

رابعہ اعجاز: بہاول پور سے لکھتی ہیں۔

اگست کا شمارہ تین تاریخ کو ملا ٹائٹل پر سجی دلہن دیکھ کر دل خوش ہو گیا، عید نمبر کے حوالے سے ٹائٹل بہت خوب تھا۔

سب سے پہلے حمد و نعت کو پڑھا اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے معلومات حاصل کی، آگے بڑھے تو مصنفین کی بہار تھی بہت اچھا لگا تمام مصنفین کا سروے پڑھ کر۔

منہ میں پانی
بتائیں اتنی ... ینز پلیز اس
حلوہ، داد ... کر قابل
سباس گل
بے شمار
احوال ... میں
اور بھی ... نے کا
مصا ... ہمام
کر ... کو
جا

...ہمارسوال
...نے بھرپور
...ے جزیرہ کی سیر
...بار بھی معاذ کی
...، جہاں کی محبت اور
...بڑی بھرپور تھی، جہاں
...فراخدلی کا ثبوت پیش کیا
...رے اب زینب کو عقل آ

...میں سے زیادہ روبینہ سعید کی تحریر
...روبینہ آپ نے حرف بہ حرف سچ لکھا،
...جو آج کل اجتماعی عبادات کا طریقہ ٹی وی
...شروع کر رکھا ہے اس میں مشغول ہو کر ہم جو
...وڑی بہت عبادات کرتے بھی تھے وہ نہیں کر
پاتے، سمیرا گل کی تحریر بھی کافی مزے کی جبکہ تحسین اختر نے اس بار کچھ مایوس کیا، تحسین کی تحریر نمایاں خوبی تحریر کی سبک روانی ہے جو اس بار نظر نہیں آئی "کاسہ دل" بھی اپنے اختتام کی طرف گامزن ہے مکمل ناول "گواہ رفاقتوں کا" صبا جاوید کی تحریر کچھ خاص نہ تھی، البتہ افسانے اس بار بھی اچھے تھے، عزہ خالد، قرۃ العین رائے، ہما راؤ، حمیرا خان اور سیما بنت عاصم سبھی کی تحریریں دلچسپ تھیں، سدرۃ المنتہیٰ کا سلسلے وار ناول "اک جہاں اور ہے" واقعی اس کا جہاں کوئی اور ہی ہے۔

کتاب نگر میں حامد سراج صاحب کی "سیا" پر سیمیں جی کا تبصرہ پسند آیا، جبکہ شگفتہ شاہ کا سلسلہ "چٹکیاں" ایک بے مثال سلسلہ ہے، شگفتہ جی ہر بار کسی ایسے موضوع کا چناؤ کرتی ہے کہ وہ ہمیں اپنے آس پاس ہی نظر آتا ہے، خصوصاً انہوں نے جو "ماں باپ کا خط" لکھا اس نے بے ساختہ رولا دیا، اس مرتبہ "وارث" بھی کمال کی تحریر تھی۔

شگفتہ جی اگست کے شمارے میں آپ کی بہن اور بھانجے کی وفات پڑھ کر دلی افسوس ہوا اللہ پاک ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا کرے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

مستقل سلسلوں میں مہندی کے ڈیزائین دیکھ کر خوشی ہوئی جبکہ ڈائری میں سب سے زیادہ سعدیہ ایل، تحسین اختر اور ثناء اختر کی پسند لاجواب تھی، رنگ حنا اور حاصل مطالعہ بھی خوب تھا بیاض اور حنا کی محفل ہمیشہ کی طرح لاجواب تھی اور رہی بات قیامت کے یہ نامے کی تو جناب فوزیہ آپی آپ کا نام ہی کامیابی کی ضمانت ہے آپ جس تحمل مزاجی اور محبت بھرے لفظوں میں ہمارا مان رکھتی ہیں وہ اس کی کیا بات ہے اس بار جگہ ملی قیامت کے نامے میں تو اگلی بار بھی حاضر ہوں گی۔

رافعہ اعجاز خوش آمدید، اس محفل میں آپ کو اگست کے شمارے کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ آپ کی تعریف اور تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو مل گئی ہے شکریہ قبول کیجئے ان کی طرف سے بھی، ہم اگلے ماہ بھی آپ کے اتنے ہی جامع تبصرے کے منتظر رہیں گے اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا شکریہ۔

(☆)

(نوٹ):۔

اگست کے شمارے میں شگفتہ شاہ کے بہن بھانجا اور بھانجی جو ایک ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے بتایا گیا تھا ہمارے بے شمار قارئین نے خطوط ای میل اور فون کے ذریعے شگفتہ صاحبہ سے دلی افسوس کا اظہار کیا ہے، صفحات کی کمی کی بناء پر تمام تعزیت نامے شائع نہیں کیے جا سکتے لیکن ان سطور کے ذریعے آپ کے دلی جذبات شگفتہ تک پہنچائے جا رہے ہیں،

☆☆☆